ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

خُطباتِ طیّب

مجموعۂ تقاریر

- فضائلِ تقویٰ
- اخلاص و اصلاح
- قرآن کا اعجاز
- سیرتِ رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم
- گنجینۂ علوم و معارف
- اِمارتِ شرعیہ کے قیام کی ضرورت
- مؤمنانہ زندگی کا قرآنی تجزیہ
- عالمِ انسانیت کا مکمل قانونِ اسلام
- پیغامِ ربانی بنامِ عالمِ انسانی
- اسلام کے تین بنیادی امتیازات
- تحفۂ مؤمن
- مناجی تقریر

از:

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب قاسمی رحمہ اللہ

مہتمم مدرسہ دار العلوم دیوبند

صاحبزادہ حضرت مولانا قاری محمد سالم صاحب مدظلہ

ترتیب

قاری نثار احمد صاحب قاسمی

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

عرضِ ناشر

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ــــــ امّابعد!

خطبات طیب جو مجموعہ تقاریر کے نام سے پہلے ہندوستان میں طبع ہو چکی ہے۔ بندہ کو دیوبند حاضری میں یہ گرانمایہ علمی سرمایہ ہاتھ لگا۔ مطالعہ سے بہت ہی نفع ہوا تو بندہ نے ــــــــــــ توکلاً علی اللہ اس کی اشاعت کا کام شروع کر دیا گیا جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس مجموعہ میں "تحفہ مؤمن" اور حضرت قاری صاحبؒ کی مناجی تقریر بھی شامل ہے جو حضرت قاری صاحبؒ نے نیند کی حالت میں بیان فرمائی (جو یقیناً حضرتؒ کی کرامت ہے) ٹیپ کے ذریعہ محفوظ کر لی گئی، اور اس کو بمبئی میں شائع کیا گیا۔

اور اس مجموعہ کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کے صاحبزادے حضرت قاری محمد سالم صاحب مدظلہ العالی نے اس پر نظر ثانی فرمائی جس سے اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

اللہ رب العزت محض اپنے فضل و کرم سے اس محنت کو قبول فرمائے (آمین)

احقر محمد اسحٰق عفی عنہ

ترتیبِ خُطبات

تأثرات : از حضرت مولانا قاری محمد سالم صاحب، صاحبزادہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ!

نحمدہٗ و نصلی

کلام وہ بھی ہوتا ہے جو صرف زبان سے ہوتا ہے، وہ بسا اوقات "ہذیانات" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

کلام وہ بھی ہوتا ہے کہ جو دل دردمند سے صادر ہوتا ہے، وہ اہل نظر کی اصطلاح میں "جواہرات" کا عنوان حاصل کر لیتا ہے۔

اور کلام وہ بھی ہوتا ہے کہ جو عرفان آمیز ہدایت سے وجود پذیر ہوتا ہے اسے اہل عرفان و ایمان "الہامات" کے لقب سے ملقب فرماتے ہیں۔

"ہذیانات" ناقابل اعتناء ہوتے ہیں "جواہرات" مرور ایام سے بے قیمت بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن "الہامات" انسانیت کی وہ متاع ثمین ہوتے ہیں جن کی عظمت و افادیت ہمیشہ ترقی پذیر رہتی ہے۔

حضرت اقدس حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب قدس سرہٗ کی زبان و قلم سے صادر شدہ کلمات باتفاق اہل ایمان و عرفان، وہ "الہامات" ہیں کہ ہر روز کا طلوع ہونے والا سورج، ان کی افادی اضافہ کا گواہ بن کر طلوع ہوتا ہے، اور یہ "الہامات" اس امتیاز کے حامل ہیں کہ ہر روز کے طلوع و غروب کے درمیان، ایشیاء، افریقہ، یورپ اور امریکہ کے لاتعداد انسانوں کے لئے یہ "الہامات" ذریعۂ ہدایت بن جاتے ہیں۔

حق تعالےٰ حضرت اقدس حکیم الاسلام قدس سرہٗ کے لئے، ان الہامات کو وسیلۂ ترقی درجات فرمائے، اور بصورت اشاعت ان کی خدمت کرنے والے کے لئے ذریعۂ مقبولیت بنائے اور قرّاء کرام کے لئے موجب ہدایت فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین!

احقر محمد سالم   مہتمم دار العلوم دیوبند

فہرست

قرآن کا اعجاز

سیرت رحمۃ للعالمین

گنجینۂ علوم و معارف

پہلی مجلس

دوسری مجلس

خلاصہ کلام

تیسری مجلس

چوتھی مجلس

امارت شرعیہ کے قیام کی ضرورت

مؤمنانہ زندگی کا قرآنی تجزیہ

عالم انسانیت کا مکمل قانون اسلام

پیغامِ ربانی
بنامِ عالمِ انسانی

مذاہبِ عالم میں اسلام کے تین بنیادی امتیازات

عقل، نقل، استناد

خواتین سے حکیمانہ خطاب

پیش لفظ

از حضرت مولانا الحاج عبدالرحیم صاحب صدیقی بستوی مہتمم مدرسہ شمس العلوم ہندو پور۔ آندھرا پردیش۔

حکیم الاسلام فخر الاماثل حضرت علامہ مولانا قاری محمد طیب صاحب متعنا اللہ بطولِ حیاتہ مہتمم دارالعلوم دیوبند" عالم اسلام کی عظیم المرتبت شخصیت اور اکابر دیوبند کی قابلِ فخر یادگار ہیں، آسمانِ علم وحکمت کے نیرِ تاباں اور قاسمی علوم ومعارف کے امین وشارح ہیں، جادو بیان واعظ اور دورِ حاضر کے بے مثال خطیب ہیں۔ کئی درجن علمی کتابوں کے مصنف اور فقیہ امت ہیں۔ طریقہ اصلاح اور انداز تفہیم ایسا حکیمانہ ہے کہ بڑے سے بڑا دہریہ بھی اگر چند منٹ ہی آپ کی مجلس میں شریک ہو جائے تو ایمان کی چاشنی اور توحید کا چٹخارہ لیکر اٹھے۔ آپ کی خطابت میں اعجاز مسیحائی اور بیان میں بلا کی دلکشی ہے۔ یہ کوئی عقیدت مندانہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے کہ حکیم الاسلام دامت برکاتہم کسی بھی موضوع پر گھنٹوں تک بے تکان بول سکتے ہیں اور پھر کمال یہ کہ حشو وزوائد سے پاک ہوگا۔ رموز وحکمت سے لبریز اور مغز ہی مغز ہوگا

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دینی اجتماعات اور تعلیمی جلسوں میں آپ کی مسلسل تقریریں تو ہوتی ہی ہیں خود دیوبند کے زمانہ قیام میں ہر روز آپ کے دولت کدہ پر بعد عصر علمی مجلسیں ہوتی ہیں دارالعلوم کے ممتاز اساتذہ اور باذوق طلباء اس میں شریک ہو کر اپنے علمی اشکالات پیش کرتے ہیں حکیم الاسلام ان کا تشفی بخش حل فرماتے ہیں اور ایسے نکات بیان کرتے ہیں کہ اشکال اور سوال کی ہر گرہ خود کھلتی چلی جاتی ہے۔ جذبہ اصلاح اور فکرِ افادہ کا یہ عالم ہے کہ دورانِ سفر بھی اپنے میزبان کے گھر حسبِ معمول اور حسبِ عادت مجالس علمیہ قائم فرماتے ہیں۔ بنگلور کے سفر میں الحاج موسیٰ سیٹھ صاحب تاجر کرشنیل اسٹریٹ کے گھر پر مجلس

ہوتی ہے۔ اس میں شہر کے رؤسا، تجار، علماء اور آئمہ مساجد شریک ہو کر اپنی علمی پیاس بجھاتے اور اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔

عزیز مکرم مولانا حافظ قاری نثار احمد صاحب قاسمی سہارنپوری نے جو دارالعلوم دیوبند کے ذی استعداد اور بلند پایہ فاضل ہیں حضرت حکیم الاسلام کی مجالس علیہ کے ملفوظات عالیہ کو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے قلم بند فرما کر کتابی صورت میں یکجا کر دیا ہے مولانا نثار احمد صاحب نے اس کے لئے یقیناً بڑی محنت، جانفشانی اور عرق ریزی کی ہے اور اس طرح انہوں نے ایک بڑے علمی خزانہ کو مطبوعہ صورت میں عام کر دیا ہے جزاہ اللہ خیر الجزاء۔

قارئین خود اندازہ کریں گے کہ حکیم الاسلام کے ان گرانمایہ ملفوظات اور گوہر فشاں کلمات میں کس قدر نور، تاثیر، برجستگی، مضامین کی مسلسل آمد فکر و تدبر عالمانہ شان و شوکت، سلاست و روانی، علمی گرہ کشائی اور رموز و حکمت کا انبار ہی انبار ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے۔ آمین۔

عبدالرحیم صدیقی بستوی

عرضِ حال

علامۃ الدھر، خطیب العصر، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیّب صاحب رئیس الجامعہ دارالعلوم دیوبند اکابر دیوبند کے حرفِ آخر ہیں ۔ آپ کا تبحر علمی، حُسنِ تدبر، خوش انتظامی، تقریری مہارت اور بلند پایہ خطابت علمی طبقہ میں مسلّم ہیں، آپ کا تکلم ایمان کو تازگی، روح کو بالیدگی اور قلب سلیم کو تابندگی عطا کرتا ہے ۔ قسامِ ازل نے آپ کو ظاہری اور باطنی بہت سی خوبیوں اور صلاحیتوں سے بھرپور نوازا ہے باذوقِ علماء آپ کی علمی گفتگو سننے اور اس سے استفادہ کے لئے سراپا انتظار اور عامۃ المسلمین آپ کے اصلاحی اور روح پرور بیان کی سماعت کے لئے سراپا اشتیاق رہتے ہیں ۔

حضرت مہتمم صاحب کے علمی اور معلوماتی خزانے کا ایک بڑا حصہ تو کتابی صورتوں میں سامنے آچکا ہے ۔ ایک بھاری حصّہ فضا میں تحلیل ہو چکا ہے اور قیمتی جواہر پاروں کو اربابِ قلم نے حیطۂ تحریر میں لاکر اپنی ذاتی لائبریری میں محفوظ کرلیا ہے، اور چند دوسری قسم کے قدر دانوں نے آپ کی بعض علمی اور اصلاحی تقاریر کو ٹیپ کرلیا ہے ۔ میں نے آپ کے ان علمی خزانوں کو جو منتشر اور اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہیں یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے تاکہ علمی غواص ان بیش بہا موتیوں سے اپنے دامن بھرتے رہیں اور یہ بھی کہ یہ گوہر نایاب نوکِ قلم پر آکر ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے ۔ اس سلسلے کی یہ میری پہلی کوشش ہے جو منظر عام پر آرہی ہے ۔ اگر اہل علم اور قدر دان حضرات نے ہر متقاضی پہلو سے میری حوصلہ افزائی فرمائی تو ان شاء اللہ یہ مفید اور علمی پروگرام برابر جاری رہے گا، اور آہستہ آہستہ دیگر اکابر ملّت اور اساطین علم کے بھی علمی جواہر پارے آپ کے مطالعہ کی میز پر آجائیں گے ۔

نثار احمد قاسمی مدرس مدرسہ خادم العلوم باغونوالی (ضلع مظفر نگر)

فضائل تقوی

خطبہ مسنونہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَرْسَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى كَآفَّةٍ لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٥ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٥ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ٥ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ ٥

تمہید | بزرگانِ محترم! یہاں آنے کے بعد میں نے کچھ بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر بیماری کا سلسلہ شروع ہو گیا اور نزلہ، زکام، بخار وغیرہ کی وجہ سے کچھ کمزوری پیدا ہوئی تو میں نے معذرت کر دی کہ بھائی آج رہنے دو پھر دیکھی جاوے گی۔ چنانچہ ہمارے بھائی رشید نے یہ بھی فرمایا کہ واپسی میں ایک دن دیا جائے اس میں کچھ بیان ہو جائے گا۔ میں نے اس پر کہا کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے آج میں نے سوچا کہ شاید بھول گئے ہوں گے اور یہ دیکھ کر کوئی سامان بھی جلسہ و اجلاس کا نہیں بالکل مطمئن تھا مگر اب معلوم ہوا کہ سب جمع ہیں تو اچانک ایک چیز سامنے آئی اور مجمع کے احترام کا تقاضا بھی یہی ہے کہ کچھ بیان کر دیا جائے چاہے وہ مختصر ہی ہو۔ اس میں زیادہ وقت بھی نہ لے سکوں گا۔ مختصر طریق پر چند باتیں گذارش کروں گا۔

طریق سلف اور وصیت تقویٰ | سلف صالحین یعنی حضرات صحابہ اور حضرات تابعین کی یہ عادت رہی ہے کہ جب ایک دوسرے سے رخصت ہوتے تھے تو کہتے تھے

کہ کچھ نصیحت کیجئے۔ چھوٹے اپنے بڑوں سے نصیحت کی فرمائش کرتے تھے اور بڑے اپنے چھوٹوں سے نصیحت طلب کرتے تھے عام طور سے سلف کی یہ نصیحت ہوتی تھی کہ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ میں تمہیں تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ ہی سلف کا عام جواب ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے میں نے یہ آیت تلاوت کی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کیلئے مشکلات میں ایسے راستے کھولتا ہے کہ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں ہوتا ہے مشکل میں پھنسا ہوا ہے ہر طرف سے راستے بند ہیں۔ غیب سے سامان ہوتا ہے اور راہ نکل آتی ہے اور وہ مشکلات سے نکل جاتا ہے۔

نتیجہ تقویٰ | اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا تقویٰ پر مرتب شدہ پہلا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مشکلات میں اس کے کام آتے ہیں اور دوسرا وعدہ یہ ہے کہ وَیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ حق تعالیٰ اس کو ایسے اندازے سے رزق دیتے ہیں کہ اُسے وہم وگمان بھی نہیں ہوتا ہے کہ میرا رزق یہاں سے پہونچ جائے گا اور پہنچتا ہے وہیں سے تیسرا وعدہ یہ فرمایا ہے وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یُکَفِّرْ عَنْہُ سَیِّاٰتِہٖ کہ جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی گناہوں کا کفارہ کردیتے ہیں اور چوتھا ثمرہ اور نتیجہ یہ بیان فرمایا ہے وَیُعْظِمْ لَہٗ اَجْرًا اللہ اس کے اجر وثواب کو بہت بڑھا دیتا ہے تو تقویٰ اختیار کرنے پر ان آیات میں چار وعدے دیئے گئے ہیں۔ مشکلات میں راستہ کھول دینا۔ رزق بے شان وگمان پہونچانا۔ معصیت کا کفارہ کردینا۔ اجر وثواب کو بڑھا دینا۔

تقویٰ اور اس کے اثرات | ایک معنیٰ تو لغت میں ہیں تقویٰ کے ڈرنے کے اور خوف کے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو اور خوف وخشیتہ اختیار کرو۔ کسی حالت میں بے فکر ہو کر مت بیٹھو۔ خواہ دولت مند ہو خواہ مفلس ہو ہر حالت میں اللہ کا ڈر انسان کو رہنا چاہیئے۔ اگر غور کیا جاوے تو جتنے بھی جرائم اور معصیتیں ہیں وہ اللہ کے ڈر سے ہی ختم ہوتی ہیں۔ جرائم کو نہ پولیس روک سکتی ہے نہ فوج روک سکتی ہے اور نہ ہتھیار روک سکتے ہیں۔ جب تک کہ دل میں ڈر اور خوف خداوندی نہ ہوگا آدمی جرائم سے باز نہیں رہ سکتا۔ اگر محض پولیس اور فوج کی طاقت سے جرائم بند ہوجایا کرتے تو آج کی دنیا سب سے

کہ زیادہ متقی ہوتی۔ اس لئے کہ آج نہ فوجوں کی کمی ہے اور نہ پولیس کی کمی ہے اور ہتھیاروں کی بلکہ آج کل ایسے ایسے ہتھیار موجود ہیں کہ دنیا نے کبھی دیکھے بھی نہ ہوں گے۔ توپیں بھی ہیں بم بھی ہیں غرض ایسے ایسے ہتھیار موجود ہیں جن کے اثرات دور دور تک جاتے ہیں ایک بم سے لاکھوں آدمی ختم ہو سکتے ہیں۔ اگر ان ذرائع سے دنیا میں امن قائم ہو سکتا اور جرائم مٹ سکتے تو آج دنیا میں کوئی جرم باقی نہیں رہتا۔ سب کے سب متقی اور پرہیزگار ہوتے لیکن جتنی پولیس بڑھتی جاتی ہے اور جتنی فوج اور ہتھیار بڑھتے جاتے ہیں اس دُگنے جرائم بڑھتے جاتے ہیں اور عام طور سے دنیا میں فسق و فجور مار دھاڑ اور بد امنی۔ بدنیتی اور فسادات عام ہوتے جا رہے ہیں۔ ارتکاب جرائم کی وجہ یہ نہیں کہ اس دور میں پولیس اور فوج کی کمی ہے۔ بلکہ دلوں میں اللہ کا ڈر اور خوف باقی نہیں ہے اگر یہ ہو تو آدمی کو ارتکابِ جرائم کی ہمّت ہی نہیں ہوگی۔ خواہ وہاں پولیس اور فوج ہو یا نہ ہو پھر چاہے تنہائی میں بھی ہو وہاں بھی گناہ سے بچے گا۔ مثلاً آپ کے سامنے لاکھوں روپے کا خزانہ رکھا ہوا ہے اگر آپ اٹھا کر لے جانا چاہیں تو لے جا سکتے ہیں کیونکہ وہاں نہ پولیس ہے نہ فوج ہے مگر آپ اُسے نہیں اٹھاتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اللہ کا ڈر دل میں گھر کئے ہوئے ہے کہ میں نے اگر ایسا کیا تو اللہ کے سامنے قیامت کے دن کیا جواب دوں گا جب پوچھا جائے گا کہ تو نے غیر کے مال میں بغیر اس کی اجازت کے کیوں تصرف کیا ہے۔ تو سب سے بڑی پولیس جو دلوں پر بیٹھی ہوتی ہے وہ خوف خداوندی ہے وہی تمام جرائم سے بچانے والی ہے اور معصیت سے روکنے والی ہے ورنہ دنیا میں کوئی صورت نہیں ہے جرائم سے روکنے کی اور جرائم سے بچنے کی۔ اسلام نے آخرت کا جو عقیدہ پیش کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کو ہر وقت یہ تصور رہے کہ مجھے اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر جواب دہی کرنی پڑے گی اور ہر شخص سے اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ زندگی کس طرح سے گزاری۔ اُس کا جواب دینا پڑے گا۔ تو یہ عقیدہ ایسا ہے کہ جس سے انسان حرکات ناشائستہ سے رُک سکتا ہے۔ اسی عقیدے کی وجہ سے دنیا میں امن قائم ہو سکتا ہے اور ہر شخص ارتکاب جرائم سے بچ سکتا ہے اور کوئی صورت ایسی نہیں جس کے اختیار کرنے سے جرائم سے بچ سکے

جبلی طور پر انسان میں اخلاق رذیلہ ہیں جبلی طور پر انسان درندہ واقع ہوا ہے۔ مار کاٹ چیر پھاڑ اس کا خاصہ ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے کہ جب حضرت آدم کو زمین پر اتارا گیا اور حضرت حوا بھی اتریں تو فرمایا اِهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ کہ جاؤ تم دنیا کے اندر اور ایک دوسرے کی دشمنی تمہارے اندر ڈال دی گئی ہے اس لئے انسان ایک دوسرے کا دشمن بھی ہے اور برا چاہنے والا بھی ہے اس کے قلوب میں کہیں حرص رکھی گئی ہے۔ کہیں بغض رکھا گیا ہے کہیں حسد رکھا گیا ہے کہیں تکبر رکھا گیا ہے۔ ان اخلاق رذیلہ کی بنا پر جب آدمی حریص ہوگا تو دوسرے کے مال پر نگاہ ڈالے گا اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا پھر اسے جائز و ناجائز کی پروا نہ ہوگی۔ چوری ڈکیتی کچھ بھی ہو بے تحاشا کرے گا اس لئے کہ اس کے اندر حرص کا مادہ موجود ہے اور اگر انسان میں حسد کا مادہ موجود ہے تو وہ اپنے کسی بھائی کو بڑھتا ہوا دیکھنا نہیں چاہے گا۔ دنیا میں کوئی عزت کے اعتبار سے ذرا بڑھا تو دلوں میں حسد شروع ہو جاتا ہے کہ یہ کیوں بڑھ گیا۔ لوگ اس پر تو غور نہیں کرتے کہ اس نے اپنی صلاحیتیں استعمال کیں اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے بڑھا دیا ہم بھی وہ صلاحیتیں پیدا کریں۔ مگر یہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ہوتا یہ ہے کہ یہ ترقیات و مراتب اس کے پاس نہ رہیں چاہے مجھے ملیں یا نہ ملیں۔ یہ حسد کا خاصہ ہے کہ آدمی دوسرے کی نعمت کو زائل ہوتا دیکھ کر خوش ہو چاہے خود بالکل محتاج اور مفلس کیوں نہ ہو۔ ایسے ہی تکبر، طمع، لالچ وغیرہ ہیں ان اشیاء رذیلہ پر اگر بریک لگانے والی کوئی چیز ہے تو وہ تقویٰ اور خوف خداوندی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو سوائے مار دھاڑ اور ڈکیتی ڈالنے کے اور کیا کرے گا تو اس سے دنیا میں ایک عجیب انارگی پھیل جائے گی یہ اخلاق عام ہیں اور یہ انسان کی جبلت ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اپنا قانون اتارا کہ ان چیزوں سے بچ کر زندگی گذارو۔

اخلاق رذیلہ کے بجائے اخلاق حسنہ اختیار کرو اس لئے حکم ہے کہ حسد ختم کرو اور ایثار اختیار کرو۔ اگر اپنے کسی بھائی کو دیکھو کہ دولت ملی ہے تو اس میں اتنے ہی خوش ہو جیسے کہ یہ دولت مجھے ہی مل گئی اور یہ سمجھو کہ وہ میری ہی دولت ہے

اگر کسی کو عزت ملی ہے تو یہ سمجھو کہ یہ میری عزت ہے اگر خدانخواستہ یہ ذلیل بنا تو یہ میری ذلت ہے یہ جذبہ دین نے پیدا کیا ہے کہ حسد کو چھوڑ کر ایثار اختیار کرو۔ لالچ چھوڑ کر قناعت اختیار کرو کہ جتنا تمہیں اللہ نے دیا ہے اس پر خوش رہو۔ شکر کرتے رہو اللہ تعالیٰ اُسے بڑھا دے گا اسی طرح کبر سے بچا کر دین نے تواضع کی تعلیم دی ہے کہ خاکساری برتو۔ ہر ایک کے سامنے چھوٹے بن کر پیش ہو کر بڑے تم ہو میں چھوٹا ہوں۔ لڑائی دنگا جب بھی ہوتا ہے تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہر ایک کہتا ہے کہ میں بڑا ہوں اور قاعدہ ہے کہ دو بڑے ایک جگہ نہیں سما سکتے یقیناً ایک گھٹے گا اور ایک بڑھے گا۔ ایک ختم ہوگا ایک آگے چلے گا لیکن جب ہر ایک یوں سمجھیگا کہ میں بڑا نہیں۔ بڑا تو وہ ہے جو یہ کہے کہ میں بڑا نہیں یہ بڑا ہے۔ تو پھر لڑائی جھگڑا کس چیز کا ہوگا! اس لئے امن داماں کا ذریعہ تواضع و خاکساری ہے اور لڑائی جھگڑوں کا سبب تکبر اور نخوت ہے یہ تمام چیزیں انسان میں موجود ہیں ان کا علاج اگر کیا ہے تو دین نے کیا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دنیا میں آکر اسکی تعلیم دی اس کے طریقے تبلائے ہیں کہ اگر یہ طرز اختیار کرو گے تو تکبر زائل ہوگا اور اور یہ طرز اختیار کرو گے تو تمہاری حرص زائل ہوجائے گی اور یہ طریقہ اختیار کرو گے تو تمہارا حسد ختم ہوجائے گا یہ تمام طریقے دین کے بتلائے ہوئے ہیں۔

ایمان کا مدار دو بنیادیں ہیں یہ دو بنیادی باتیں ہیں ایک دل میں اللہ کا ڈر دوسرے آخرت کے عقیدے میں مضبوطی اور پختگی کہ جو کچھ دنیا میں کر رہا ہوں وہاں جاکر مجھے جواب دینا ہے اور حق تعالیٰ کے پاس ایک ایک چیز کا حساب ہوگا۔ حتیٰ کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ سردیوں میں گرم پانی نعمت ہے اس کا بھی احسان جتلایا جائے گا کہ ہم نے سردی میں گرم پانی دیا تم نے اس کا کیا حق ادا کیا۔ گرمیوں میں ٹھنڈا پانی نعمت ہے اس کا حساب ہوگا کہ تم نے اس ٹھنڈے پانی کو استعمال کرکے کیا شکریہ ادا کیا۔ وہاں ایک ایک چیز کا حساب ہوگا۔ تمہیں اتنی عمر دی تھی تم نے کا ہے میں صرف کی تمہیں اتنی دولت دی گئی تھی تم نے اس کو کا ہے میں صرف کیا تو سب چیزوں کو الگ الگ پوچھا جائے گا۔ یہ نہیں کہ سارے بنی آدم سے مشترکہ طور پر سوال ہوگا اور وہ سب مل کر جواب دیں گے۔ نہیں۔ بلکہ اس

کی پوری زندگی سامنے کردی جائے گی اور پھر اسی کے مطابق حساب و کتاب ہوگا۔ یہ عقیدہ جب ایک مومن کے دل میں جما ہوا ہے تو وہ جرأت و ہمت نہیں کرسکتا ہے خیانت کی بددیانتی کی اور جب بھی یہ حرکت کرے گا تو معلوم ہوگا کہ عقیدے میں ڈھیلا پن آگیا ہے وہ عقیدہ دل میں چھپ گیا ہے سامنے نہیں رہا ہے لیکن اگر سامنے ہو تو پھر یقیناً جرأت نہیں ہوگی اور اگر کر ہی گزرے تو پھر جلدی سے توبہ کی توفیق ہوگی اور ندامت ہوگی کہ میں نے بہت بری حرکت کی ہے اس کے نتیجے میں توبہ کرے گا استغفار کرے گا۔ یہ ندامت توبہ و استغفار اسی وجہ سے ہے کہ یہ دو بنیادیں اس کے ذہن میں ہیں۔

تقویٰ انسداد جرائم کا ذریعہ ہے تقویٰ کے ایک معنیٰ ہیں ڈرنے کے کہ آدمی اللہ سے ڈرے اور یہی گویا جرائم سے انسداد کا طریقہ ہے۔ تقویٰ کے دوسرے معنی ہیں احتیاط کہ آدمی محتاط زندگی بسر کرے جس میں بڑے جرائم سے بچنے کے لئے چھوٹے جرائم کو چھوڑدے حرام سے بچنے کے لئے مکروہ کو چھوڑ دے کہ اگر میں نے مکروہ فعل کیا تو ممکن ہے کہ کل کو فعل حرام کردوں اور مکروہ سے بچنے کے لئے بعض ناجائز چیزیں بھی ترک کردینی پڑتی ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ ناجائز میں گھر گھر اکر مکروہ میں مبتلا ہو جاؤں۔ شریعت کی اصطلاح میں اسی کا نام سدِ ذرائع یعنی ذرائع اور وسائل کو ترک کردو تاکہ ناجائز مقاصد تک پہنچنے نہ پاؤ اور پہلے ہی رک جاؤ مثلاً زنا کاری ایک فعل خبیث ہے اور حرام ہے۔ اس سے بچانے کے لئے فرمایا گیا کہ اجنبی عورت پر نگاہ بھی مت ڈالو۔ اجنبی عورت سے خلوت بھی مت اختیار کرو۔ اجنبی عورت کی آواز پر کان مت لگاؤ۔ یہ ساری چیزیں سدِ ذرائع ہیں جو ان چیزوں میں پڑا تو اندیشہ ہے کہ مبتلا ہو جائے گا۔ اصل میں گناہ سے بچانے کے لئے شریعت نے یہاں سے روکنا شروع کیا کہ نگاہ ہی مت ڈالو کان ہی مت لگاؤ۔ اور اگر عورت خوشبو لگائے ہوئے ہو تو اپنی ناک کو موڑ لو۔ گویا ہم خوشبو نہیں سونگھ رہے ہیں کیونکہ بعض دفعہ خوشبو ذریعہ بنتی ہے خیال کے متوجہ ہونے کا۔ یہ ہے احتیاط جسے فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر عورت وضو کرے اور اس کا بچا ہوا پانی لوٹے میں موجود ہے اس سے وضو مت

کر دو دوسرا اپنا پانی لو۔ اس لئے کہ اس کے بچے ہوئے پانی سے دھیان جا سکتا ہے کہ
یہ فلاں عورت کا وضوء ہے اس خیال کو اگر ادھر متوجہ کردیا جائیگا تو اندیشہ ہے کہ دل
کے اندر فتنہ پیدا ہو جائے۔ اسلئے شریعت نے احتیاط کی رو سے حکم دیا کہ تم اس پانی
کو چھوڑ دو نیا پانی الگ لو۔ کیوں اپنے خیال کو گندہ کرتے ہو کہ خیال گندہ ہوا تو ارادہ
گندہ ہوگا اور ارادہ گندہ ہوگا تو فعل ناپاک ہو جائے گا اس لئے شروع اور ابتدا ہی سے
بچتے ہیں۔ زنا گناہ کبیرہ ہے اور یہ جو ابتدائی وسائل ہیں ان کو صغیرہ گناہ کہتے ہیں اور صغیرہ
گناہوں سے اس لئے بچایا گیا ہے کہ کبیرہ تک نہ پہنچنے پائے یہ احتیاط کی زندگی ہے۔
چوری کے اندر جو اصل فعل ہے اور جس کی ممانعت ہے وہ یہ ہے کہ غیر کے مال کو بلا اس
کی مرضی کے اٹھا لائے لیکن شریعت نے اس سے بچانے کے لئے ایک سلسلہ قائم
کیا ہے کہ کسی کے گھر میں جاؤ تو اس کے سامان کو مت دیکھو ممکن ہے خیال پیدا ہو کہ
آنکھ بچا کر اٹھا لوں یہ تانک جھانک پیش خیمہ ہے اور چوری انجام کار اور آخری فعل
ہے جو اصل میں ممنوع ہے اسکو بچانے کے لئے یہ لمبا سلسلہ قائم کیا ہے ہاں اگر
خود مالک ہی دکھلائے کہ مجھے اللہ نے یہ نعمت دی ہے تو آدمی شوق سے دیکھے اور دیکھ کر
شکریہ ادا کرے اور خوشی کا اظہار کرے گویا کہ یہ جو کچھ اللہ نے آپ کو دیا ہے ہمیں ہی
دیا ہے لیکن از خود تانک جھانک کرنا یا یہ غور کرنا کہ کس مکان میں ہے مال۔ اور یہ دھیان
جائے کہ اگر نقب لگاؤں تو یہاں سے مناسب رہے گا یا یہاں سے یہ نقب لگانے کا
دھیان اور تانک جھانک کرنا اور نگاہ ڈالنا صغیرہ گناہ ہیں شریعت نے ان صغیرہ گناہوں
سے روکا ہے تاکہ اصل گناہ کبیرہ چوری ہے اس تک نہ جانے پائے اسی کو کہتے ہیں سدِ ذرائع
ذرائع اور وسائل پر پابندی تاکہ اصل مقصد تک نہ پہنچنے پائے یہ ایسا ہی ہے جیسا
کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے مَنْ اَتٰی عَرَّافًا فَقَدْ کَفَرَ بِمَا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جو جادوگر کے پاس گیا اس نے کفر کیا شریعت محمدیہ کے ساتھ۔ حالانکہ
جادوگر کے پاس جانا تو کوئی گناہ کی بات نہیں ہے نہ توحید میں کوئی فرق پڑتا ہے نہ عقیدہ
رسالت میں کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ عقیدۂ قیامت میں کوئی فرق پڑتا ہے تو پھر یہ

کیوں کہا گیا کہ اس نے کفر اختیار کیا؟ یہ اس لئے کہا گیا کہ جو جادوگر کے پاس آتا جاتا رہے گا پہلا مرحلہ تو اس کے لئے یہ ہوگا کہ جادو کی بُرائی اس کے دل سے نکل جائے گی اور سمجھے گا یہ بھی ایک فن ہے جیسے دوسرے فن ہوا کرتے ہیں وہ جو پہلے اس کے دل میں جادو کی بُرائی گھُسی ہوئی تھی کہ کفر کی بات ہے وہ کم ہو جائے گی اور جب اُس کی بُرائی کم ہوئی تو چار دن کے بعد جادوگر سے کہے گا کہ ایک منتر مجھے بھی سکھلا دو۔ وہ سکھلا دے گا دس دن کے بعد کہیں گے بھائی منتر تو بہت اچھا ہے ایک اور منتر سکھلا دو وہ ایک اور منتر سکھلا دے گا چند دن کے بعد سیکھتے سیکھتے جادوگر بن جائے گا اور کفر میں مبتلا ہو جائے گا اس کفر سے بچانے کے لئے شریعت نے روکا ہے کہ جادوگر کے پاس ہی مت جاؤ کہ جادو اور سحر سے دل میں نفرت نہ رہے اور پھر تم سیکھو اور جادوگر بنو اور کفر میں مبتلا ہو یہ ہے سدِ ذرائع یا جیسے حدیث شریف میں آیا ہے مَا اَسْکَرَ کَثِیْرُہٗ فَقَلِیْلُہٗ حَرَامٌ "جس چیز کے زیادہ حصے میں نشہ ہے اس چیز کا کم حصّہ بھی حرام ہے اگر آدمی شراب کا ایک جام پیئے گا تو نشہ ہوگا اس لئے اگر اس کا ایک قطرہ بھی چکھا تو حرام ہوگا حالانکہ ایک قطرہ میں نشہ نہیں ہوتا ہے مگر حرام اس درجے میں ہے جس درجہ میں پورا گلاس پینا۔ اس لئے جس نے آج ایک قطرہ چکھا ہے وہ کل ایک گھونٹ بھی پیئے گا اور جو کل ایک گھونٹ پیئے گا وہ پرسوں کو ایک جام بھی پیئے گا اور جس نے جام پی لیا وہ ترسوں کو شرابی بھی بن جائے گا اس کی خباثت میں مبتلا ہو جائے گا چونکہ شراب کو اُمّ الخبائث کہا گیا ہے کہ سارے گناہوں کی جڑ یہ نشہ اور شراب ہی ہے اسے بچانے کے لئے یہاں روک تھام شروع کی ہے کہ اس کا ایک قطرہ بھی حرام ہے یہ ہی ہے وہ سدِ ذرائع کہ ابتداء میں جو ہلکی صورت ہے اُسے بھی اختیار مت کرو تاکہ بُری صورت تک نہ پہنچ سکو۔ تو شریعت اسلام نے ایک سلسلہ کبائر کا رکھا ہے کہ یہ حرام ہے۔ مثلاً زناکاری، چوری، بے ایمانی اور کچھ اس کے دواعی و اسباب ہیں ان تک کو روکا ہے تاکہ اصل مقصد تک پہنچنے نہ پاتے۔ اب اگر تقویٰ کے لغوی معنی بھی مراد لئے جاویں یعنی ڈرنے کے تو بھی اپنی جگہ درست ہیں اس لئے کہ ڈر سے معاصی چھوٹ جاتی ہیں اور اگر تقویٰ سے

احتیاط کے معنی لئے جاویں تو بدرجہ اولیٰ معصیت سے حفاظت ہوجائے گی کہ بعضے جائز چیزیں بھی چھوٹ جاتی ہیں پھر اس کے بعد آدمی کی زندگی پاک بن جاتی ہے۔ یہی وہ زندگی ہے جو دنیا کی تمام الائشوں اور گندگیوں سے پاک ہوجاتی ہے اور آدمی کو جہنم سے ہٹا کر جنت میں ابدالآباد والی نعمتوں میں داخل کردیتی ہے اور آدمی کو اللہ کا مقرب بنادیتی ہے مگر تقویٰ کے اس درجہ کا حصول موقوف ہے بادشاہِ حقیقی کے مرتبے کے معلوم ہونے پر

ہمارا تقویٰ | یہ محتاط زندگی والا تقویٰ تو بڑوں کا نصیب ہے ہم اور آپ جیسے بہت مشکل سے اسکی طرف جاسکیں گے کہ ناجائز سے بچنے کے لئے جائز چیزوں کو بھی ترک کردیں یہ تو بہت اونچا مقام ہے مگر ابتدائی درجہ ہر ایک کے بس کا ہے کہ اللہ سے ڈرے اور ڈرنے کی صورت یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اقتدار اور اس کے قبضے کو تصور میں لاتا رہے کہ وہ مالک ہے جس طرح چاہے کرے جب چاہے موت دیدے جب چاہے حیات دیدے۔ جب چاہے صحت دیدے جب چاہے بیماری مسلّط کردے جب چاہے امن دیدے جب چاہے بدامنی مسلط کردے۔ اسی کی یہ قدرت ہے اور اسکی اس قدرت کا جب دھیان ہوتا ہے تو ڈر پیدا ہوتا ہے کہ میں بڑے قادر کے قبضے میں ہوں۔ معلوم نہیں کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ تو آدمی حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کا تصوّر کرتا رہے اس سے ڈر پیدا ہوجاتا ہے اگر کوئی بالکل انجان اور جاہل محض ہے اسے کبھی بھی ڈر نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ واقف ہی نہیں ہے بادشاہ کے اقتدار سے۔ ایک دیہاتی اگر بادشاہ کے دربار میں آئے تو وہ زیادہ نہیں ڈرے گا اس لئے کہ وہ واقف ہی نہیں ہے کہ بادشاہ کے اختیارات کیا ہیں اس کا اقتدار کیا ہے؛ بادشاہ کو یوں ہی سمجھے گا کہ مجھ جیسا ایک آدمی ہے مگر وزیر اعظم تھرائیگا۔ کپکپائے گا اس لئے کہ وہ بادشاہ کے اختیار و اقتدار کو جانتا ہے۔ وہ آنکھ نیچی رکھے گا۔ اِدھر اُدھر بھی نہیں دیکھے گا کہیں بے ادبی نہ ہوجائے۔ میری گردن نہ ماردی جائے تو جس کو علم اور پہچان ہوگی باری تعالیٰ کی بڑائی اور اقتدار کی اور اس کے جلال کی اسی کے دل کے اندر خوف پیدا ہوگا اور جو جاہل ہے اس کے دل کے اندر کچھ بھی پیدا نہ ہوگا۔

ایک دلچسپ لطیفہ | بیان کیا جاتا ہے کہ اکبر بادشاہ نے مشاعرہ کی مجلس کی کہ شعراء

آئیں اور اپنا اپنا کلام سنائیں اور اعلان کیا کہ جس کی نظم عمدہ ہوگی اسے انعام دیا جائے گا سیکڑوں شعراء نے نظمیں اور غزلیں لکھیں اور بہت بڑا دربار منعقد ہوا گاؤں کے ایک دیہاتی نے بھی ارادہ کیا کہ میں بھی کچھ تک بندی کر کے لے جاؤں تو مجھے بھی بادشاہ انعام دے گا تو چودھری صاحب بھی دربار میں کچھ لکھ کر لائے وزیر اعظم نے دیہاتی آدمی سمجھ کر اُسے بلایا اور پوچھا کہ تو کیا لایا ہے اُسے شبہ ہوا کہ پتہ نہیں کیا اناپ شناپ لکھ کر لایا ہوگا کہیں اُلٹا بادشاہ ناراض ہو کر اس کی گردن نہ مار دے اس بنا پر وزیر اعظم نے دیہاتی سے کہا کہ چودھری صاحب تم نے جو لکھا ہے وہ مجھے بھی سن دو اس نے کہا کہ اجی سن لو۔ چودھری صاحب نے وہ قطعہ سنایا۔ قطعہ یہ تھا کہ سب درکھت ماں بجرگ بڑ۔ ہرے ہرے پتوا میں لال لال پھل۔ یعنی سارے درختوں میں جو بڑا درخت ہے وہ بڑ کا درخت ہے جس کی ڈاڑھی اور چھالیں لٹکی رہتی ہیں او: اس کے سبز سبز پتے ہوتے ہیں اور سرخ سرخ پھل ہوتے ہیں گویا یہ قطعہ کہا اور اس قطعہ کے اخیر میں تھا کہ۔ اکبر بادشاہ گیدی خر یعنی اکبر بادشاہ حرام زادہ ہے۔ یہ سُن کر وزیر اعظم تو کانپ گیا کہ اس کمبخت نے خود بھی جان کھوئی اور مجھے بھی پٹوائے گا۔ تو خیر وزیر اعظم نے کہا کہ چودھری صاحب! شعر بڑے عمدہ ہیں مگر یہ جو اخیر کا شعر ہے (اکبر بادشاہ گیدی خر) یہ نہ لکھو، اس نے کہا کہ اور کیا لکھوں وزیر اعظم نے کہا یہ لکھو کہ اکبر شاہِ بحر و بر۔ یعنی اکبر بحر و بر کا بادشاہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بڑا اونچا بادشاہ ہے۔ اس نے کہا جی اچھا کہدوں گا۔ مشاعرہ شروع ہوا شعراء نے اپنی اپنی نظمیں اور غزلیں سنائیں۔ اعلان ہوا کہ چودھری صاحب بھی ایک قطعہ پڑھیں گے چودھری صاحب نے کھڑے ہو کر ایک قطعہ پڑھا کہ۔ سب درکھت ماں بجرگ بڑ۔ ہرے ہرے پتوا لال لال پھل اکبر شاہِ بحر و بر۔ اکبر نے کہا چودھری صاحب مصرع تو بہت عمدہ ہے مگر یہ جو اخیر کا مصرع ہے۔ اکبر شاہِ بحر و بر۔ یہ بہت بُرا مصرع ہے اکبر سمجھ گیا کہ یہ مصرعہ اس کا نہیں ہے یہ اس کو کسی نے بتایا ہے تو چودھری صاحب نے وہیں کھڑے کھڑے وزیر اعظم کو ماں کی گالی دے کر کہا کہ اس حرام زادے نے کہا تھا کہ اس طرح کہنا ورنہ میں تو یوں لکھ کر لایا تھا اکبر بادشاہ گیدی خر اکبر بادشاہ نے کہا یہ بہت عمدہ ہے وہ ٹھیک نہیں تھا چودھری نے کہا کہ جی ہاں میرا تو یہی مصرعہ ہے پھر اس کو بادشاہ کی طرف سے بہت انعام و اکرام ملا۔ اس نے یہ مصرعہ

اکبر بادشاہ گیدی خر، کیوں کہا تھا؟ اس لئے کہ وہ دیہاتی ہے نہ اکبر کے جاہ وجلال سے واقف اور نہ اسکی عظمت واقتدار سے واقف۔ فقط ایک دیہات کا رہنے والا ہے تو دیہاتی لوگ بیچارے بالکل سادہ ہوتے ہیں۔ ان میں چھل فریب۔ مکرو فریب۔ دغابازی۔ دھوکہ دہی کچھ نہیں ہوتی ہے۔ سادہ زندگی ہوتی ہے جو دل میں آیا بے تکلف کہدیا۔ اسی واسطے احادیث میں آیا ہے کہ حضرات صحابہ انتظار میں رہا کرتے تھے کہ کوئی دیہاتی آئے اور آکر سوال کرے تاکہ علوم کھلیں اور ہم سب کو ان کی بدولت تازہ علوم حاصل ہوں۔ صحابہ پر حضورؐ کے جاہ وجلال کی عظمت غالب تھی اس لئے ہر ایک کو سوال کرنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ چونکہ شانِ نبوت سے واقف تھے اس لئے ان کے دل پر ہیبت تھی اور خوف تھا۔ اور دیہات والے بیچارے سادے لوگ ہوتے ہیں انھیں کچھ خبر نہیں ہوتی جو چاہے آکر پوچھ لیا۔ جو چاہے کہدیا۔ جیسے کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حضورؐ مالِ غنیمت تقسیم فرمارہے تھے ایک دیہاتی بھی آگیا اس کو دینے میں دیر لگی آپ اوروں کو دے رہے تھے۔ اس نے کھڑے ہو کر فوراً کہا کہ اے محمدؐ یہ مال نہ تیرا ہے نہ تیرے باپ کا ہے اس میں ہمارا بھی تو حق ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ چودھری صاحب تمہیں بھی ملے گا گھبراؤ مت۔ یہ کہدینا کہ یہ مال تیرا نہیں اور نہ تیرے باپ کا ہے۔ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جسے شانِ نبوت کا پتہ نہ ہو اس لئے صحابہ منتظر رہا کرتے تھے کہ کوئی دیہاتی آجائے اور آکے سوال کرے حضورؐ جواب دیں گے اور ہمارا علم بڑھے گا۔

قدرِ خوف بقدرِ عظمت جتنا جلال وعظمت دل میں پیدا ہوگی اتنا ہی خوف اور ڈر بڑھتا چلا جائے گا۔ اور عظمت خداوندی سے جتنا جاہل ہوگا اتنا ہی آزاد ہوگا جو چاہے کر گذرے تو اس کے لئے اعلیٰ ترین ذریعہ یہ ہے کہ ہم اپنے دل میں خوف خداوندی پیدا تاکہ جرائم سے بچیں اور خوف پیدا کرنے کی یہی صورت ہے کہ ہم تصوّر کریں کہ اللہ مالک الملک ہے۔ بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ موت وحیات اسی کے قبضے میں ہے۔ صحت وبیماری اسی کے ہاتھ میں ہے تونگری ومفلسی اسی کے ہاتھ میں ہے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ ط کہ جو کچھ وہ کردے کوئی پوچھنے والا نہیں کہ یہ کیوں کیا،

وہ بری ہے ان سب چیزوں سے تو جب یہ یقین و تصوّر ہوگا بندہ کو کہ وہ غنی مطلق ہے جو چاہے کرے تو دل میں ہیبت پیدا ہوگی کہ میں ایک بندہ ذرۂ بے مقدار ہوں اور مالک الملک کے سامنے ہوں ایسا نہ ہو کہ کوئی بے ادبی ہو جائے تو دل میں ڈر بیٹھ جائے گا تو پہلا درجہ یہ ہے تقویٰ کا جس کے معنی خوف کے ہیں کہ دل میں اللہ کا ڈر اختیار کرے تاکہ معصیت سے بچ جائے۔

بادشاہ ظفر کا ایک قطعۂ نصیحت بادشاہ ظفر مغل دور کا آخری بادشاہ گذرا ہے جس سے انگریزوں نے ملک چھینا تھا۔ وہ کچھ اپنے مزاج سے بھی صوفی منش تھا اور دیندار بادشاہ تھا اور کچھ حالات نے بے بس بنا دیا تھا تو بالکل صوفی منش بن گیا تھا اس نے ایک قطعہ شعر کا کہا ہے وہ قطعہ واقعی بڑا عجیب و غریب ہے۔ بادشاہ ظفر شاعر بھی تھا اور اس کا کلام بھی چھپا ہے اس کا کلام بڑا اونچا ہوتا تھا۔ اس شعر کے اندر بھی ایک اونچی حقیقت بیان کی ہے وہ کہتا ہے

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا گو ہو وہ کیسا ہی صاحب فہم و ذکار
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

یعنی کتنا ہی عقلمند ہو۔ ہوشیار ہو۔ دانشمند ہو اس کو آدمی نہیں سمجھنا چاہیئے جو تونگری اور عیش میں اگر اللہ کو بھول جائے یا طیش اور غصہ آیا تو خدا کے ڈر کو بھول گیا اور اپنا ظلم و زیادتی کمزور انسان پر کرنا شروع کر دیا وہ آدمی نہیں ہے۔ آدمی کی صورت میں ایک انسان ہے جس میں اوصاف چیتے اور بھیڑیئے کے ہیں اس کے اندر انسانی اخلاق نہیں۔ نہایت ہی عمدہ بات ہے اور بہت ہی قیمتی بات ہے آگے دوسرا شعر کہتا ہے

نہ تھی حال کی جب ہمیں اپنی خبر، رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جب نظر، تو نگاہ میں کوئی بُرا نہ رہا!

آدمی دوسروں کو بُرا جب ہی سمجھتا ہے جب اپنی برائیاں سامنے نہ ہوں اور جب اپنی برائیاں سامنے آئیں گی تو ہر ایک بھلا نظر آئے گا اس لئے آدمی کا کام یہ ہے کہ اپنی بُرائیوں پر نظر رکھے کہ میرے اندر کھوٹ ہے۔ یہ خرابی ہے میری نمازوں میں فتور ہے میرے روزوں

یں فتور ہے میری زکوٰۃ میں فتور ہے میں گنہگار ہوں۔ جب آدمی کا یہ تصوّر ہوگا تو دوسرا آدمی نگاہوں میں اونچا معلوم ہوگا اور اگر وہ متکبّر ہے اور اپنے کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے تو وہ دوسروں کو حقیر جانے گا جب دوسروں کو حقیر جان لیا تو اس کے اوپر ظلم اور زیادتی سب روا رکھے گا۔ پھر دنیا میں پورا کارخانہ ظلم کا کھل جائے گا اس لئے بادشاہ ظفر نے یہ نصیحت سے بھرپور شعر کہا ہے۔

ہر حال میں خوف خدا ضروری ہے بہر حال خوف خدا جب دل میں ہوگا تو آدمی مالداری میں بھی گناہ سے بچے گا اور افلاس میں بھی گناہ سے بچے گا۔ ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور کیسی پاک نصیحت ارشاد فرمائی ہے حدیث قدسی ہے آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں اپنے بندوں سے کہ تونگری اور دولت مندی کے زمانے میں مجھے یاد رکھ تاکہ تیری مفلسی کے زمانے میں تجھے یاد رکھوں اور اے بندے تو اپنی صحت کے زمانے میں یاد رکھ تاکہ میں تیری بیماری کے زمانے میں تجھے یاد رکھوں اس سے معلوم ہوا کہ تونگری کی حالت میں ہو تو جب بھی خوفِ خدا ضروری ہے اور مفلسی کی حالت میں ہو تو جب بھی خوفِ خدا ضروری ہے اگر تونگری میں خوفِ خدا نہیں تو ڈر ہے کہ تونگری چھن جائے اور اگر مفلسی میں خوف ہے کو ممکن ہے کہ وہ تونگر بن جائے یہ اللہ کے قبضے میں ہے جسے چاہے دیتے ہیں اور جس سے چاہتے ہیں لے لیتے ہیں۔

دولت کا دینا اور لینا مصلحت خدا پر موقوف ہے جس کو دینا بہتر سمجھتے ہیں اس کو دیدیتے ہیں مگر دیتے ہیں اسی حد تک جس حد تک باری تعالیٰ کی حکمت و مصلحت اجازت دیتی ہے معاذ اللہ یہ کوئی اللّٹپ بات نہیں کہ جسے چاہیں لکھ پتی بنادیں اور جسے چاہیں مفلس۔ اس نے جیسی خلقت بنائی ہے وہ جانتے ہیں کہ اس کو یہ دینا مصلحت ہے اور اس کو نہ دینا مصلحت ہے۔ اسے تونگر بنانا مصلحت ہے اور اسے مفلس رکھنا مصلحت ہے قلوب کے حالات کو وہی بہتر جانتا ہے جس نے خلقت بنائی ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ چار پیسے اُن کے ہاتھ میں آئے تو وہ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ تکبّر اور غرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور

دوسروں کو حقیر جاننے لگتے ہیں ایسوں کو اگر دنیا کی دولت دیدی جائے تو ظلم کا کار خانہ کھل جائے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ لاکھوں روپے آجائیں پھر بھی انسان بنے ہوتے ہیں پھر بھی ان میں وہی دینداری ہے۔ پھر بھی ان میں وہی جذبہ ہے پھر حق تعالیٰ ان کو دولت دنیا میں ترقی دیتے ہیں تو باری تعالیٰ جسے دولت دیتے ہیں اسے جانتے ہیں کہ کس مصلحت کے تحت اسے دولت دی گئی ہے حدیث میں فرمایا گیا ہے کَادَ الْفَقْرُ اَنْ یَّکُوْنَ کُفْرًا بعض دفعہ فقر وفاقہ کفر کا ذریعہ بن جاتا ہے اور آدمی اللہ کی شکایتیں کرنے لگتا اور ایمان کھو بیٹھتا ہے۔ اس کو پیسے دے دیئے جائیں تاکہ ایمان محفوظ رہے اور بعض ایسے ہیں کہ چار پیسے ہاتھ میں آتے وہ آپے سے باہر ہوجاتے ہیں۔ انہیں مفلس رکھا جاتا ہے تاکہ وہ آپے میں رہیں تو مفلسی اور تونگری من جانب اللہ ہے جیسی جیسی خلقت جس کی بنائی ہے اسی کی مناسبت سے اسے دیتے ہیں نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَھُمْ مَعِیْشَتَھُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَھُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ ہم نے ہی رزق تقسیم کیا ہے ہم نے ہی معاش تقسیم کی ہے اور ہم نے ہی درجے قائم کئے ہیں بعضوں کو اونچا بنایا بعضوں کو نیچا بنایا۔ اب اونچے کا کام یہ ہے کہ وہ جھکے اور شکر کرے اور نیچے کا کام یہ ہے کہ وہ صبر کے ساتھ دعا کرے اور مانگے اس سے دونوں کا فائدہ ہوگا اللہ نے دونوں کے لئے راستہ رکھدیا ہے کہ تونگر بھی نجات پائے اور مفلس بھی نجات پائے

فضائل مفلسین حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ ہر ایک کے کچھ درجات ہیں کچھ نعمتیں دولت مندوں کو بھی ملیں گی اور کچھ مفلسوں کو بھی ملیں گی یعنی مفلس مایوس نہ ہوں کہ ہمیں کچھ ملا ہی نہیں بلکہ ان کے بڑھنے کی دوسری چیزیں اُن کو دے دی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے صدقات وخیرات کے فضائل بیان فرماکر دولت مندوں کے فضائل بیان فرمائے کہ صدقات دیں گے زکوٰۃ دینگے دین کا کام ان سے چلے گا وہ بہت دین کا کام کریں گے ان کا مال آخرت کا ذریعہ بنے گا درجات کمائیں گے ان فضائل سے مفلسوں کا دل ٹوٹنے لگا کہ بھائی یہ تونگر بڑے اچھے رہے کہ دنیا میں

بھی انہوں نے مزے کی زندگی گزاری اور آخرت میں بھی ان کے درجات بلند ہیں اور ہم نے دنیا میں بھی مصیبت جھیلی اور آخرت میں بھی ہمارے لئے کچھ نہیں یہ مالدار لوگ بڑھ گئے اور ہم رہ گئے۔ تو یہ گروہ مفلسین حضور کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ سَبَقَ الْمُفْتَخِرُوْنَ یہ مالدار تو جیت گئے ہم سے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ مالدار اپنی دولت کا حساب دینے رہ جائیں اور تم پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہو، انہوں نے کہا کہ بس یا رسول اللہ ہمارے لئے کافی ہے۔ ہمیں دولت نہیں چاہیئے تو بہت سی دولتیں مفلسوں کو بھی دی گئی ہیں یہ بات نہیں ہے کہ تونگروں کو ہی نعمتیں دی گئی ہیں۔ نہیں بلکہ سب کو دی گئی ہیں کسی کو یہاں دی گئی ہے کسی کو وہاں۔ کیا گیا سب کو برابر یہ مالک کی حکمت ہے کہ کسی کو یہاں بڑھا دیا مگر فیضان سب کے اوپر عام ہے اگر کسی کی ظاہری دولت بڑھادی تو کسی کی باطنی بڑھادی۔ وہ اپنے انگ میں خوش ہے یہ اپنے انگ میں خوش ہے اور بسا اوقات باطنی نعمت مال سے بھی بڑھ جاتی ہے اگر ایمان کی دولت مضبوط ہے اور توکل کی دولت مضبوط ہے تو ہزاروں مال اس کے نیچے دب جاتے ہیں اور یہ دولت سب سے اونچی ہو جاتی ہے۔

ظاہری اور باطنی نعمت کے تقابل پر دو نصیحت آموز واقعے (۱) ایک بزرگ کسی شہر میں پہنچے۔ بڑا شہر تھا اور قلعہ بند تھا۔ دیکھا کہ سارے دروازے بند ہیں اور ہزاروں مال گاڑیاں ادھر رُکی ہوئی کھڑی ہیں اور ہزاروں مال گاڑیاں اندر رُکی ہوئی کھڑی ہیں۔ دن کا وقت ہے اور شہر میں بالکل آمد و رفت نہیں ہے انہیں بڑی حیرت ہوئی کہ اتنا بڑا تجارتی شہر ہے کروڑوں کا بیوپار ہے اس میں اور دروازے بند ہیں انہوں نے لوگوں سے پوچھا کہ بھائی یہ شہر کے دروازے کیوں بند ہیں لوگوں نے جواب دیا کہ صاحب! بادشاہ کا باز گم ہو گیا ہے (باز ایک شکاری پرندہ ہوتا ہے) اس لئے بادشاہ نے کہا ہے کہ شہر کے دروازے بند کر دو کہ کہیں باہر نہ جا سکے اور پھر ڈھونڈتے پھریں بزرگ بڑی حیرت میں رہ گئے کہ بادشاہ بے وقوف ہے کہ ایک پرندے کے لئے

دروازے بند کئے ہیں بھلا وہ اُڑ کر نہیں جاسکتا ہے چھتوں کے اوپر سے ؛ دل ہی دل میں کہا کہ بادشاہ بڑا بے وقوف ہے اور اللہ میاں سے عرض کیا کہ خدایا تیری قدرت کہ کندۂ ناتراش کو تو نے بنا دیا بادشاہ جسے اتنی بھی عقل نہیں کہ جانور کو روکنے کے لئے جال ڈالنے کی ضرورت ہے یا شہر پناہ کے دروازے بند کرینگی۔ اُسے تو ملک دے دیا او ہم جیسا فاضل جوتیاں چٹخاتا پھر رہا ہے جس کے اندر علم بھی ہے۔ معرفت بھی اور کمالات بھی بھرے ہوئے ہیں ہمیں کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ایک وقت کھالیا اور ایک وقت فاقہ ہے۔ تو جس میں یہ دولت موجود ہے وہ جوتیاں چٹخاتا پھرے اور جو ایسے احمق اور کندۂ ناتراش ہیں وہ تختِ سلطنت پر بیٹھ جاویں آپ کی عجیب قدرت ہے یہ گویا ایک سوال اور ایک غلمان اللہ کے سامنے پیش کیا وہاں سے جواب آیا کہ اچھا کیا ؟ تم اس پر راضی ہو کہ تمہارا علم۔ تمہاری معرفت۔ تمہارا ایمان چھین کر اس بادشاہ کو دے دیں اور اس کی ساری سلطنت تمہیں دیدیں تیار ہو ؟ انہوں نے کہا نہیں اس پر تیار نہیں ہوں معلوم ہوا کہ ایمان کی قوت زیادہ تھی اور توکل کی قوت زیادہ تھی دولت سے ورنہ راضی ہو جاتے کہ میں نے علم بھی دیا ایمان بھی دیا لایئے مجھے تخت سلطنت دیجئے نہیں بلکہ تخت سلطنت پر لات ماردی اور ایمان و علم اور معرفت نہیں چھوڑی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑی دولت ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کو دونوں دولتیں دے دے کہ مال کی دولت بھی ہو اور ایمان کی قوت بھی ہو اور اللہ پر بھروسہ بھی ہو تو اس کے پاس اللہ نے دین و دنیا دونوں کو جمع کر دیا ہے یہ خدا کا فضل ہے جسے چاہے دے دے تو بہر حال دولت دنیا بھی ایک نعمت ہے اور دولت دین اس سے بڑھ کر نعمت ہے اور اگر جمع ہو جاویں تو سب نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے۔ دونوں کے بچاؤ کی صورت یہ ہے کہ مالداری کے اندر آدمی غرور میں نہ پڑے اور ہر وقت شکر گزار رہے اپنے پروردگار کا اس لئے کہ جو کچھ اُسے ملا ہے وہ اس کا حق نہیں تھا بلکہ محض عطاء خداوندی ہے۔ اللہ کے اوپر کسی کا حق نہیں جب

فضل سے ملے تو شکر واجب ہوتا ہے لہذا ملنے پر شکر ادا کرے اور جس کو مفلسی دی ہے وہ عدل سے دی ہے گویا حکمت وانصاف کا یہی تقاضا تھا کہ اس کو اس حالت میں رکھا جائے تاکہ وہ صبر کرے کیونکہ دونوں ہی راستے جنت کی طرف جاتے ہیں صبر اپنے راستے سے جنت میں پہنچائے گا اور شکر اپنے راستے سے جنت کی طرف لے جائے گا۔ ہیں دونوں کامیاب اور ناجی اور محبوب خداوندی شاکر بھی ہے اور صابر بھی

(۲) علماء میں ایک عالم گذرے ہیں فنِّ نحو کے بہت بڑے امام جن کا نام ہے اکثم اور انتہائی درجہ بدصورت تھے۔ جتنی بدصورتی کی علامتیں ہوسکتی ہیں وہ سب ان میں جمع تھیں۔ رنگ بے حد کالا۔ دانت بہت چوڑے چوڑے۔ آنکھیں نہایت چھوٹی اور کرنجی اور آنکھوں میں چیپڑ لگے ہوتے۔ دانتوں میں زردی لگی ہوئی غرض جتنی بدصورتی کی علامتیں ہوسکتی ہیں ساری ان میں جمع تھیں اور علم وہنر کا یہ عالم کہ بہت اونچا اور بہت بلند۔ ان کی شادی ایک ایسی عورت سے ہوئی کہ دور دور اسکی نظیر نہیں تھی جب خاوند اور بیوی آمنے سامنے بیٹھتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے دھوپ چھاؤں کہ ایک طرف دھوپ نکل رہی ہے اور ایک طرف سایہ ہے۔ ایک طرف نور اور ایک طرف ظلمت تو آمنے سامنے بیٹھ کر بیوی سے کہتے کہ میں بھی قطعی جنتی ہوں اور تو بھی قطعی جنتی۔ بیوی کہتی کہ کیا بات ہے فرماتے کہ میں تو اس لئے جنتی کہ تجھ جیسی بیوی مجھے ملی میں رات دن شکر ادا کرتا ہوں اس شکر کے راستے سے جنت میں پہونچوں گا اور تو اس لئے جنتی کہ مجھ جیسا بدصوت خاوند تجھے ملا تو رات دن صبر کرتی ہے کہ کس بلا میں گرفتار ہوگئی اس لئے تو صبر کے راستے سے جنت میں پہونچے گی۔ تو میں بھی جنتی اور تو بھی جنتی اس بنا پر دولت مند کے لئے اللہ نے شکر کا راستہ رکھا ہے اور وعدہ دیا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ جتنا تم شکر کروگے اتنا ہی میں اس نعمت کو بڑھاتا چلا جاؤں گا یہ صاحب دولت کے لئے ترقی درجات کا ذریعہ ہے۔

مفلس کے لئے صبر ترقی درجات کا ذریعہ ہے۔ غریب اور مفلس کو حکم ہے کہ تو کسی دولت مند کی دولت پر نگاہ مت کر صرف میرے اوپر نگاہ رکھ اور صبر اختیار کر۔ میں نے کتنی دولت تیرے لئے جمع کر رکھی ہے تجھے معلوم نہیں ہے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے وہ دولت عنقریب ملنے والی ہے۔ حدیث صحیح میں موجود ہے کہ اگر کوئی شخص دعا مانگتا ہے کہ اللہ مجھے رزق دے دے، مجھے دولت دے دے۔ فاقے اتر رہے ہیں اور حال یہ ہے کہ دعا پوری نہیں ہوتی ہے مہینے گذر گئے۔ برس گذر گئے حتیٰ کہ عمر گذر گئی۔ اب اس نے کہا کہ کچھ بھی میری قسمت میں نہیں ہے۔ مانگتے مانگتے تھک گیا۔ نہیں ملا۔ قیامت میں جب میدان محشر میں پہنچے گا تو دیکھے گا کہ اجر و ثواب کے ڈھیر کے ڈھیر بھرے ہوتے ہیں ہزاروں، لاکھوں کو وہ نعمتیں نہیں جو اس کے لئے جمع ہیں۔ عرض کرے گا کہ اے اللہ یہ نعمتیں کہاں سے آئی ہیں میں نے تو کوئی عمل نہیں کیا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا تو دعائیں نہیں مانگا کرتا تھا؟ اس دعا کو ہم نے پالا پرورش کیا بڑھایا۔ یہ تیری ان دعاؤں کے ثمرات ہیں۔ وہاں دنیا میں اگر دیدیتے تو آپے سے باہر ہو جاتا۔ اس لئے ہم نے دعا کو ذخیرہ کیا۔ اب تو ابدی طور پر عیش و آرام کر تیرے لئے انتہائی درجات ہیں تو غریب کے لئے موقعہ مایوس کا نہیں اور امیر کے لئے موقعہ کفرانِ نعمت اس پر شکر واجب ہے اس پر صبر واجب ہے اور دونوں کے اوپر اعتماد علی اللہ واجب ہے کہ اگر اللہ نے مجھے دیا ہے تو میرا کوئی حق نہیں تھا محض اپنے فضل و کرم سے دیا ہے اور اسے اگر نہیں دیا ہے تو کوئی ظلم نہیں ہے وہ عدل ہے جس کی وجہ سے نہیں دیا ہے دونوں انشاءاللہ کامیاب ہیں باقی جسے بھی جو ملتا ہے وہ ملتا ہے فضل خداوندی سے کسی کا کوئی حق اللہ کے اوپر نہیں کہ وہ مجبور کرے بھلا اللہ پر کس کا جبر چل سکتا ہے

بنی اسرائیل کے ایک عابد وزاہد کا عجیب واقعہ حدیث میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے بنی اسرائیل کے ایک عابد وزاہد شخص کا اور یہ حدیث علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے نقل کی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا عابد وزاہد شخص تھا رات دن اللہ کی

عبادت کرتا تھا چونکہ صاحب عیال تھا اس لئے کمانے کا بھی کچھ دھندا تھا دوکان کی
صورت میں تھوڑی سی تجارت تھی مگر اس کا دل اس سے الجھا تھا اور چاہتا
تھا کہ یہ سب کچھ نہ ہو۔ بس ہر وقت عبادت ہی میں لگا رہوں مگر سوچتا کہ بیوی
بچوں کا کیا کرے بہرحال ایک دن اُسے جذبہ آیا اور ساری تجارت و دولت کو اس
نے بیوی اور بچوں کے نام کیا اور خود فارغ ہو گیا اور سب سے رخصت ہو کر
سمندر کے بیچ میں پہنچ گیا وہاں ایک ٹیلہ تھا اس پر ایک چھوٹی سی جھونپڑی باندھی
کہ اب ہر وقت اس میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت میں مصروف رہوں گا۔ ان مذاہب
میں رہبانیت جائز تھی یعنی ساری دنیا کو آدمی چھوڑ کر کر ایک کونے میں جا بیٹھے
اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔ یہ شخص اپنے مذہب کے مطابق جا کر بیٹھ گیا۔
گویا اس نے بڑی بھاری عبادت کی۔ چونکہ مخلص تھا اور صاحب دل تھا اس لئے اس
سمندر کے بیچ والے ٹیلے پر جہاں نہ کوئی جہاز آ سکے اور نہ کوئی کشتی وغیرہ جا سکے حق
تعالیٰ نے وہاں اپنے فضل سے وہاں ایک میٹھا چشمہ جاری کر دیا اور اسی پہاڑی پر
ایک انار کا درخت اگا دیا اس عابد کا کام یہ تھا کہ روزانہ ایک انار کھا لیا اور ایک کٹورہ
پانی پی لیا اور چوبیس ۲۴ گھنٹے عبادت میں مصروف رات اور دن اسی طرح سے اس
کی عمر پانچ سو برس کی عمر ہوئی اور یہ پانچ سو برس اسی شان سے گذرے اب اس
کے انتقال کا وقت آیا اس نے حق تعالیٰ سے درخواست کہ اے اللہ یہ تیرا فضل تھا کہ
تو نے مجھے عبادت میں لگایا اب میری خواہش کہ مجھے سجدے کی حالت میں موت دیجیے
تاکہ خاتمہ میرا عبادت کے اوپر ہو اور دوسری درخواست یہ ہے کہ سجدے کی حالت میں
میرے بدن کو قیامت تک محفوظ رکھیے نہ زمین کھائے اور نہ کیڑے مکوڑے کھائیں
تاکہ قیامت تک میں تیرا عبادت گذار بندہ ہی سمجھا جاؤں حق تعالیٰ نے اس کی دونوں
دعائیں قبول فرمائیں۔ عین نماز کے اندر سجدے کی حالت میں انتقال ہوا اور اس کا
بدن محفوظ ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ آج تک محفوظ ہے لیکن حق تعالیٰ نے اس ٹیلے کے
اوپر بڑے بڑے گنجان درخت ایسے اُگا دیئے ہیں کہ وہاں تک جاتے ہوئے ہیبت

کھلتے ہیں اس لئے وہاں کوئی نہیں جاتا ہے مگر بدن آج تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا وہاں نہ کوئی جانور جاتا ہے اور نہ کوئی انسان جاتا ہے اسی حالت میں حق تعالیٰ کے سامنے اس پیشی ہوگی۔ حق تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اے بندے میں نے اپنے فضل وکرم سے تجھے بخشا اور تجھے بڑے مقامات دیئے جنت میں جاکر آرام کر وہ بندہ عرض کرے گا کہ اے اللہ میں نے تو ساری عمر تیری عبادت میں گذاری پھر بھی تیرے فضل سے جنت میں جاؤں گا۔ میں تو اپنی عبادت کے بدلے جنت میں جارہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ نہیں ہم اپنے فضل سے جنت میں بھیج رہے ہیں وہ پھر کہے گا کہ نہیں اے اللہ پھر میری عبادت کس کام آئے گی۔ میں تو اپنی عبادت کے بدلے جنت میں جارہا ہوں۔ تو حکم ہوگا کہ اسے جہنم کے قریب لے جاکر کھڑا کردو۔ جہنم میں داخل نہ کرنا اسے اتنی دور رکھو کہ جہنم کا راستہ وہاں سے پانچ سو برس کا ہو ملائکہ اسے لے جائیں گے اور لے جاکر کھڑا کردیں گے جہنم کی طرف سے ایک گرم ہوا اور آگ کی لپٹ آئے گی اس کی وجہ سے وہ سر سے پاؤں تک خشک ہوجائے گا اور اس کی زبان پر کانٹے کھڑے ہوجائیں گے اور پیاس پیاس چلانا شروع کرے گا اس وقت غیبی ہاتھ ظاہر ہوگا جس میں ٹھنڈے پانی کا ایک کٹورہ ہوگا یہ عابد دوڑے گا کہ اے خدا کے بندے یہ پانی مجھے دیدے میں بالکل مرنے کے حال میں ہوں۔ آواز آئے گی کہ کٹورہ تو ملے گا پانی کا مگر اس کی قیمت ہے مفت نہیں ملے گا وہ پوچھے گا کہ اس کی کیا قیمت ہے۔ کہا جائے گا کہ جس نے خالص پانچ سو برس کی عبادت کی ہو وہ اگر کوئی پیش کرے تو یہ کٹورہ پانی کا اسے مل سکتا ہے۔ عابد کہے گا کہ میرے پاس ہے پانچ سو برس کی عبادت۔ وہ اس عبادت کو پیش کردے گا اور وہ کٹورہ لے کر پانی پی لے گا تو کچھ جان میں جان آجائے گی حق تعالیٰ کہیں گے کہ اسے واپس لاؤ پھر اس کی پیشی ہوگی حق تعالیٰ دریافت فرمائیں گے کہ اے بندہ تیری پانچ سو برس کی عبادت کے صلے سے تو ہم آزاد ہوگئے پانچ سو برس کی عبادت کے بدلے ایک کٹورہ پانی لے لیا اور یہ قیمت تو نے خود تجویز کی لہٰذا اب تو برابر سرابر ہوگیا اب ہمارے ذمے

کچھ نہیں تجھے تیری عبادت کا صلہ مل گیا۔ اب وہ جو تم نے لاکھوں دانے انار کے کھائے ہیں ایک ایک دانے کا حساب دیدے اس کے بدلے میں کتنی نمازیں پڑھی ہیں۔ کتنے سجدے کئے ہیں اور وہ جو ہزاروں کٹورے پانی کے پیئے ہیں ایک ایک قطرے کا حساب دیدے اس پانی کے بدلے کتنی عبادتیں کی ہیں اور وہ جو ٹھنڈا سانس لیتا تھا جس سے زندگی قائم تھی ایک ایک سانس کا حساب دے دے کہ اسکے بدلے میں کیا عبادتیں لے کر آیا ہے۔ اور وہ جو تیری آنکھوں میں ہم نے روشنی دی تھی اور تارِ نگاہ سے ایک ایک چیز کو دیکھتا تھا ایک ایک تارِ نگاہ کا حساب دے دے کہ اسکے بدلے میں کتنی عبادتیں لے کر آیا ہے پانچ سو برس کی عبادت کا بدلہ تو ایک کٹورہ پانی ہو گیا اب جو دوسری نعمتیں استعمال کی ہیں ان کا حساب دیدے یہ عابد تھرا جا دے گا اور کہے گا کہ بے شک اے اللہ نجات آپ کے ہی فضل سے ہو گی کسی کا عمل کسی کو نجات نہیں دلائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر لاکھوں برس عبادت کرے گا تو وہ بھی ذریعۂ نجات نہیں بن سکے گا جب تک کہ فضل خداوندی نہ ہو اس لئے کہ وہ جو عبادت کرے گا اس کی طاقت کون دے گا۔ ظاہر بات ہے وہ طاقت بھی وہی دے گا اور طاقت آنے کے بعد جو ارادہ دل میں ہو گا وہ ارادہ کون پیدا کرے گا وہ بھی وہی پیدا کرے گا پھر توفیق کون دے گا؟ وہ بھی وہی دے گا۔ پھر آپ نے کیا کیا؟ سب کچھ تو انہوں نے کرایا۔ ارادہ انہوں نے دیا طاقت انہوں نے دی۔ توفیق انہوں نے دی آپ نے صرف چار سجدے کر لئے تو کیا کمال کیا اور ان سجدوں میں بھی آپ نے جو حرکت کی بدنی طاقت سے وہ طاقت بھی آپ کی ذاتی نہیں تھی وہ بھی ان ہی کی دی ہوئی تھی تو اوّل سے لے کر آخر تک کام تو سارا ان کا ہے اور کہنے لگیں آپ کہ میں نے کیا اور پھر آدمی اس پر فخر کرے فضول ہے۔ بلکہ موقعہ شکر کا ہے کہ تمام نعمتیں اس نے اپنے فضل سے دے دی ہیں۔

امیر کے ایک عبادت گذار نوکر کا واقعہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ کسی امیر کے یہاں ایک آدمی ملازم تھا۔ بوڑھا تھا مگر بڑا نمازی اور پکا دین دار جب نماز کا وقت

ہوتا تو سب کام چھوڑ کر مسجد میں پہنچ جاتا اور بڑے اطمینان سے نماز ادا کرتا وہ امیر ایک دن اس نوکر کو اپنے ساتھ بازار لے گئے کچھ سامان خریدا اور اس کو پکڑا دیا کہ تو چل لے کر۔ راستے میں مغرب کی اذان ہو گئی اس نے کہا کہ صاحب! مجھے نماز پڑھنی ہے اور ان امیر صاحب کی یہ حالت تھی کہ کبھی بھول کر بھی انہوں نے سجدہ نہیں کیا تھا یعنی وہ نمازی نہیں تھے اور ہمیشہ اس نوکر پر جملے کستے تھے کہ کمبخت جب دیکھو نماز جب دیکھو نماز یہ ہی اس کا کام رہ گیا ہے تو نماز کے وقت اس ملازم نے کہا صاحب! اب میں نماز پڑھنے جاتا ہوں اس نے پھر عادت کے مطابق وہی الفاظ دہرائے کہ جب دیکھو نماز جب دیکھو نماز یہ بڈھا سٹھیا گیا ہے۔ اپنی حرکت سے باز نہیں آتا جا جلدی سے نماز پڑھ کر آ۔ وہ گیا فرض نماز پڑھی وہ امیر صاحب باہر مسجد کے دروازے پر سیڑھیوں پر کھڑے ہو گئے انتظار میں کہ نماز پڑھ کر آئے گا اس نے فرض سے فارغ ہو کر سنتیں وغیرہ شروع کر دیں اس نے سوچا کہ اب آئے گا اس نے سنتوں کے بعد صلوٰۃ الاوّابین شروع کر دیں جب دو رکعت پڑھ لی تو اس نے پکار کر کہا آتا کیوں نہیں؟ جواب دیا کہ آنے نہیں دیتے اور یہ کہہ کر پھر نیت باندھ لی اب یہ غصہ میں بھُن رہا ہے جب اس نے سلام پھیرا تو پھر کہا کہ کمبخت آتا کیوں نہیں اس نے پھر کہا کہ جی! آنے نہیں دیتے اور یہ کہہ کر پھر نیت باندھ لی اب وہ امیر غصے میں کھڑے ہوئے ہیں اور لال پیلے ہو رہے ہیں جب چھ رکعتیں پڑھ چکا اور انہوں نے پکارا کہ ابے جلدی آ اس نے پھر کہا کہ جی! آنے نہیں دیتے۔ انہوں نے کہا کہ ابے کون نہیں آنے دیتا ہے جواب دیا کہ جی! جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتا ہے وہ مجھے مسجد سے باہر نہیں آنے دیتا ہے آپ پر پابندی عائد کر دی اور مجھے بلا لیا ہے تو حقیقت یہ ہے کہ عبادت ہم نہیں کرتے بلکہ وہ کراتے ہیں ہم سے یہ ہمارا خیال غلط ہے کہ ہم عبادت کر رہے ہیں وہ اگر قبول نہ کرے تو آدمی ایک سجدہ بھی نہیں کر سکتا ہے تو یہ صرف فضل خداوندی ہے تو اس لئے نجات جو ہو گی وہ ہمارے عمل سے نہیں ہو گی وہ ہو گی فضل خداوندی سے عمل صرف معین ہو گا۔

نجات صرف فضل سے ہو گی عمل سے نہیں حدیث میں ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا حضرت عائشہ صدیقہؓ کو خطاب کرتے ہوئے کہ لن ینجی احد کم عملہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل نجات نہیں دلائے گا اللہ کا فضل نجات دلائے گا۔
حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا وَلَا اَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کہ اے اللہ کے رسول کیا آپ کو بھی آپ کا عمل نجات نہیں دلائے گا۔ نبی کا عمل اتنا کہ ساری امّت کی ہزاروں عبادتوں سے بڑھ کر نبی کا ایک سجدہ ہے اسی لئے حضرت صدیقہؓ نے عرض کیا مگر آپؐ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ الا اَنْ یَّتَغَمَّدَنِیَ اللّٰہُ بِرَحْمَتِہٖ مجھے بھی میرا عمل نجات نہیں دلائے گا جب تک کہ فضلِ خداوندی شامل نہ ہو۔
دفع خلجان مگر بھائیو! اس غلط فہمی میں مبتلا مت ہو جائیو کہ جب عمل سے کچھ نہیں ہو گا صرف فضل سے ہو گا تو یہ محنت کی کیا ضرورت ہے کہ پانچ وقت چلو مسجد میں جہاں اذان ہوئی کہ بس چلو نماز پڑھنے۔ یہ تمام کام چھوڑ دینا چاہیئے۔ فضل ہو گا تو نجات ہو جائے گی فضل نہیں ہو گا تو نجات نہیں ہو گی۔ یہ بیشک صحیح ہے کہ فضل ہو گا تو نجات ہو جائے گی ورنہ نہیں مگر اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ عمل کو چھوڑ دینا چاہیئے اور وہ بالکل بیکار ہے۔ نہیں۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ آپ کا عمل کرنا علامت ہے فضل کی۔ فضل ہے جب ہی تو آپ عمل کر رہے ہیں اگر فضل نہ ہوتا تو آپ کہاں سے عمل کرتے تو وہ فضل شروع ہو جاتا ہے دنیا سے اور وہی فضل چلتا ہے اخیر تک۔ دنیا میں وہ فضل عمل کراتا ہے اور آخرت میں وہی فضل نجات دلائے گا تو یہ کہنا کہ نجات کا مدار فضل پر ہے تو کیا ضرورت ہے عمل کرنے کی یہ درست نہیں بلکہ ضرورت ہے۔ اسلئے کہ وہی علامت ہے فضل کی فضل ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کو توفیق دے رہے ہیں وہ طاعت میں ہے عبادت میں ہے تو یہ سب فضل ہی فضل ہے اس وقت عمل کی صورت میں ہے اور آخرت میں نجات کی صورت میں آجائے گا اسلئے یہ لازم نہیں آتا کہ عمل چھوڑ کر بیٹھ جانا چاہیئے۔ دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے۔ خاتمہ بالخیر فرمائے اور اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائے آمین یارب العٰلمین ط۔

اخلاص واِصلاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ مسنونہ:۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ اَمَّا بَعْدُ۔ فَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ وَقَالَ اللّٰهُ جَلَّ ذِكْرُهٗ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ۔

ہر شے کی حقیقت اس کا اندرونی جوہر ہے

بزرگان محترم! دنیا کی ہر چیز بلکہ ہم اور آپ بھی دو چیزوں سے مرکب ہیں ایک ہمارا ظاہری حصّہ ہے جس کو ہم بدن کہتے ہیں یہ ہیئت و شکل ہے مثلاً آنکھ ہے جس سے ہم ایک دوسرے کی شکل و صورت دیکھ کر پہچانتے ہیں یہ ظاہری حصّہ اور ظاہری پیکر ہے اور ایک اس کے اندر پوشیدہ حقیقت ہے وہی درحقیقت انسان ہے۔ اس صورت ظاہری کا نام انسان نہیں۔ انسان اس حقیقت کا نام ہے جو اندر چھپی ہوئی ہے اس کے دکھلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ صورت بنادی ہیں جو کہ دراصل ذریعہ تعارف ہے اصل مقصود نہیں ہے۔

پھر مقصود کہاں ہے؟ شریعت اسلام پتہ دیتی ہے کہ اندرون باطن ایک قلب ہے اسی میں ساری حقیقتیں چھپی ہوئی ہیں اور اسی کا نام انسان ہے۔ اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے جب پھیلایا اور صورت و شکل دی تو قلب نمودار ہوگیا۔ شکل بن گئی۔ اب اسے دیکھ کر پہچان گئے کہ یہ فلاں ہے یہ فلاں ہے ورنہ حقیقت میں انسان قلب ہی ہے اور اسی کے اندر سب کچھ پوشیدہ ہے۔

پتلۂ آدم ؑ کے ساتھ ابلیس کا سلوک

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب حق تعالےٰ نے حضرت آدم کو پیدا فرمایا اور بدن بنایا۔ ابھی اس میں روح نہیں ڈالی گئی تھی تو ملائکہ علیہم السّلام اسکی زیارت کرتے تھے اور کہتے تھے

کہ اللہ تعالیٰ نے عجیب شکل وصورت بنائی ہے اور بہت ہی عمدہ ہے اور سب کے دل میں ایک عظمت ومحبت اس صورت کی بیٹھ گئی ادھر ابلیس کو بھی حکم ہوا کہ تو بھی اس صورت کو جاکر دیکھ اس کے دل میں عداوت چھپی ہوئی تھی اس نے جاکر دیکھا اور حضرت آدم کے پتلے کے اندر گھسا اور ریزے ریزے میں سرایت کی بعد میں اس نے کہا کہ کوئی عجیب چیز نہیں ہے اور کہا کہ نَفْسٌ لَا تَتَمَوْعَلَيْهِ یہ تو اندر سے کھوکھلا ہے خود کو بھی نہیں سنبھال سکتا ہے جب تک کہ باہر سے اسکی مدد نہ ہو اور غذا، ہوا، گرمی باہر سے نہ پہنچے اسکے اندر کوئی طاقت نہیں اس ابلیس نے اپنی شیطنت اور عداوت کے مطابق رپورٹ دی۔ سارے ملائکہ نے تو تائید کی اور مدحت کی اور اس کمبخت نے آکر نکتہ چینی کی مگر یہ کہا کہ میں نے سارے بدن میں گھس کر دیکھا ہے یہ اندر سے بالکل کھوکھر ہے البتہ اس کے بیچ میں ایک چھوٹی سی پوٹلی ہے اس میں سب کچھ ہوگا اگر ہوا وہاں میں گھس نہ سکا اشارہ تھا قلب کی طرف کہ جو کچھ حقیقت ہے وہ اس قلب میں رکھی گئی ہے اس کی حقیقت اس لعین کے سامنے نہ کھل سکی وہاں جاکر مجبور ہوگیا۔

قلب انسانی بادشاہ اور دیگر اعضاء اسکے خادم ہیں

چنانچہ سب سے بڑی چیز انسان میں قلب ہے اور باقی جتنے اعضاء ہیں یہ سب اسکے خدام ہیں۔ قلب میں جو جذبہ پیدا ہوتا ہے یہ سب خدام اس کے مطابق عمل شروع کر دیتے ہیں۔ اگر دل میں یہ آیا کہ کسی چیز کو دیکھوں تو دل آنکھ کو زبان سے آرڈر نہیں دیتا ہے کہ تو دیکھ بلکہ دل میں خیال آتے ہی آنکھ اپنا کام شروع کر دیتی ہے۔ دل میں خیال آیا کہ میں چلوں تو دل کو اسکی ضرورت نہیں کہ وہ پاؤں کو زبان سے حکم دے کہ چلو بلکہ دل کا منشاء ہوا اور پیروں نے حرکت شروع کر دی۔ دل نے کسی چیز کو پکڑنا چاہا تو دل ہاتھوں کو لفظوں میں حکم نہیں دے گا کہ اسے ہاتھو تم پکڑو بلکہ دل میں جذبہ آیا اور ہاتھوں نے اپنا کام شروع کر دیا تو انسان کے تمام اعضاء خدام ہیں۔ اصل حاکم اعلیٰ اور اس اقلیم بدن کا سلطان وہ دل ہے اور دل میں ہی سب کچھ ہے۔

اطباء اور ڈاکٹروں کا باہم اختلاف رائے

اس میں اطباء اور موجودہ زمانے کے ڈاکٹروں کا اختلاف ہوا ہے کہ آیا اصل انسان میں دماغ ہے یا قلب ہے وہ کہتے ہیں کہ اصل انسان میں دماغ ہے کیونکہ اسی سے

تمام چیزیں چلتی ہیں اسی میں شعور ہے اسی میں ادراک ہے اسی میں علم ہے اسی میں احساس ہے اور قلب صرف ایک آلہ ہے جو خون کے ذریعہ سے دماغ کو بنا دیتا ہے اور دماغ کے اندر کچھ چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں. بہرحال وہ کہتے ہیں کہ قلب آلۂ کار ہے اصل نہیں ہے، یہ بعض اطباء کا خیال ہے اور اس زمانے کے ڈاکٹروں کا بھی یہ ہی خیال ہے. لیکن ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ یہ بالکل غلط ہے اور یہ بھی نہیں کہتے کہ بالکل صحیح ہے بہت سی اس میں صحت بھی ہے اور بہت سی اس میں غلطیاں بھی ہیں۔

صانع کی طرف سے فیصلہ

چنانچہ ہم بنانے والے کی طرف رجوع کریں گے کہ اس نے کس چیز کو اصل کہا ہے. حق تعالیٰ خالق ہے وہ جانتا ہے کہ میں نے کیا چیز بنائی ہے اور کس لیے بنائی ہے۔ اور نبی کریم ان چیزوں کی اصلاح کے لیے آئے ہیں آپ کو علم دیا گیا ہے اس بات کا کہ دل کیا ہے اور دماغ کیا ہے اور ہاتھ پیر کیا ہیں اس لیے ہم نے رجوع کیا کہ بنانے والے سے پوچھو کہ اصل کیا چیز ہے قلب اصل ہے یا دماغ اصل ہے تو شریعت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلب ہی اصل ہے وہی حاکم مطلق ہے اس اقلیم بدن کا. بدن کی ساری حکومت اسی کی چل رہی ہے۔ حدیث میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ، الا وھی القلب انسان کے بدن میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے وہ اگر صحیح ہو تو سارا انسان صحیح ہے وہ اگر غلط ہے تو سارا انسان غلط ہے اور فرمایا کہ وہ قلب ہے۔ تو انسان کی خوبی و خرابی کا دارومدار قلب پر ہوتا ہے۔ دل ہی کے اندر نیت پیدا ہوتی ہے اور نیت سے سارے اعمال بنتے ہیں اور فرمایا گیا کہ، انما الاعمال بالنیات کہ سارے اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ نیت اچھی ہے تو عمل بھی اچھا ہے اور نیت اگر بُری ہے تو عمل بھی بُرا ہوگا اور نیت کا دارومدار قلب کے اوپر ہے تو معلوم ہوا کہ سارے کے سارے اعمال و افعال کا دارومدار انسان کے قلب پر ٹھہر گیا اور فی الحقیقت زندگی بھی قلب ہی سے چلتی ہے۔

کارخانۂ بدن میں تحلیل غذا کا طریقہ

جیسے اعمال کا مدار قلب پر ہے ایسے ہی حیات کا مدار بھی قلب پر ہے کیونکہ قلب پہلے زندہ ہوتا ہے پھر

حیات دماغ میں پہنچتی ہے۔ پھر ہاتھ پیر میں زندگی پہنچتی ہے تو اس بنا پر مدارِ حیات زندگی کا دل کے اوپر رکھا گیا ہے اور اطبار بھی اسی کا اقرار کرتے ہیں۔ اطبار کہتے ہیں کہ آدمی جو غذا کھاتا ہے وہ اولاً معدے کے اندر پہنچتی ہے۔ معدے کے اندر رطوبتیں ہوتی ہیں جو اُسے پیستے ہیں اور پیس کر حریرہ بنا دیتے ہیں۔ اس میں جو حصّہ فضلات کا ہے وہ زائد ہے وہ انتڑیوں میں چلا جاتا ہے اور بول و براز ہو کر نکل جاتا ہے اور جو رقیق جوہر ہے اس کو قلب معدے کی طرف سے جگر کی طرف بھیجتا ہے۔ معدے کی طرف سے جگر کی طرف کو جانیوالی نالیوں کی شکل کی چھوٹی چھوٹی رگیں ہیں ان کے ذریعہ سے وہ غذا جگر میں پہنچتی ہے جگر کو کہتے ہیں کہ وہ طبّاخ اور بدن کا باورچی خانہ ہے جگر میں گرمی اور حرارت ہے وہ اس گرمی سے اس حریرے کو پکاتا ہے اور خوب گرمی پہنچاتا ہے جب وہ ہنڈیا پکتی ہے تو اس میں ایک حصّہ اُبال کا آتا ہے جھاگ کی شکل میں ایک حصّہ نیچے بیٹھ جاتا ہے جسے تلچھٹ کہتے ہیں ایک حصّہ بیچ میں پانی رہتا ہے وہ کھولتا رہتا ہے۔ اطبار کہتے ہیں کہ جو اوپر کا حصّہ ہے جھاگ کا وہ بلغم کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور نیچے کا حصّہ جو تلچھٹ ہے سیاہ ہوتا ہے اُسے سودار کہتے ہیں وہ تلّی میں چلا جاتا ہے اور بیچ میں جو رقیق اور پتلا حصّہ ہے اسے اطبار کہتے ہیں کہ وہ صفرار ہے۔ تو سودار، صفرار، بلغم، یہ تین حصّے ہیں جن کو جگر تیار کرتا ہے اور پکاتا ہے ان تینوں چیزوں کے مجموعے سے خون بنتا ہے تو جگر کا کام ہے خون بنانا۔ معدہ کا کام تھا غذا کو پیسنا۔ پھر جگر اسی خون کو بھیجتا ہے قلب کی طرف۔ جگر سے قلب کی طرف جانے والی بہت باریک رگیں ہیں جن کو طب کی اصطلاح میں شرائین کہتے ہیں (شرائین، جمع ہے شریان کی) ان ہی باریک رگوں سے خون قلب کی طرف پہنچتا ہے اور قلب کی شکل تومڑی کی سی ہے کہ اوپر سے پتلا، بیچ میں سے موٹا پھر نیچے سے پتلا اوپر کے حصّے کو کہتے ہیں بطن عالی اور نیچے کے حصّے کو بطنِ سافل۔ ان میں باریک اور رقیق خون پہنچتا ہے اور قلب میں گرمی جگر سے بھی زیادہ ہے اور دل پھر اس لطیف جوہر کو پکاتا ہے اور اس پکانے سے ایک لطیف بھاپ اُٹھتی ہے کہ جو آنکھوں سے نظر نہیں آتی وہ بھاپ رگ و پے میں سرایت کرتی ہے اسے اطبار کہتے ہیں کہ یہ روح حیوانی ہے اسی روح سے آدمی میں حس ہے۔ احساس ہے عقل ہے زندگی ہے اطبار کی اصطلاح میں اس کو روح حیوانی کہتے ہیں اور شریعت کی

اصطلاح میں اس کا نام روح سمہ ہے اور اسی کو نفس بھی کہتے ہیں نفس کے معنی پھوٹ نکلنے اور اور پھیلنے کے ہیں چونکہ یہ پورے بدن میں پھیل جاتا ہے۔ اس بنا پر اس کو نفس بھی کہتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دل پر مدار ہے انسان کی زندگی کا وہی روحِ حیوانی پیدا کرتا ہے جس سے انسان کے بدن میں حس حرارت اور احساس وغیرہ طاقتیں پیدا ہوتی ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ بدن میں قلب اصل ہے دماغ اصل نہیں ہے۔

تمام اعضاء کا تعلق قلب سے ہے دماغ

حیات جسم کا مدار حیات قلب پر ہے کیونکہ وہ اصل ہے

سے نہیں اور زندگی کا مدار بھی دل ہی ہے عمل کا جذبہ بھی دل ہی سے اُبھرتا ہے محبت اور عداوت بھی دل ہی سے متعلق ہے جس سے ہزاروں معاملے وابستہ ہیں تو شریعت کا منشاء یہ ہے کہ اصل چیز انسان میں قلب ہے دماغ نہیں بلکہ دماغ قلب کے تابع ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ قلب میں جو علم اور شعور ہے وہ اجمالی ہے۔ مختصر ہے۔ مجمل ہے دماغ میں جاکر اسکی تفصیل ہوتی ہے اور پھیل کر جزئیات نکلتی ہیں پھر آدمی اُن سے نظریات قائم کرتا ہے نظریات سے پھر پروگرام بنتے ہیں تو علم اجمالی قلب میں ہے دماغ میں آکر اسکی تفصیل ہوتی ہے اور چونکہ تفصیل تابع ہوتی ہے اجمال کے اسلئے دماغ تابع ہے قلب کے۔ برعکس نہیں یہ شریعت کا منشاء ہے اسلئے شریعت اسلام کا موضوع اور مقصد یہ ہے کہ دل کی اصلاح کی جاوے اگر دل درست ہوگیا تو دماغ بھی درست ہے ہاتھ پیر بھی درست ہیں۔ اعمال بھی درست ہیں۔ اخلاق بھی درست ہیں اگر انسان کا دل بگڑ جائے تو نہ زندگی ہے اور نہ عمل ہے۔ نہ ہنر ہے نہ کمال ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مرجائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

دل زندہ ہے تو سارا انسان زندہ ہے۔ دل مردہ ہے تو سارا انسان مردہ ہے تو دار و مدار حقیقت میں دل ہی کے اوپر ہے کیونکہ ہر چیز دل سے چلتی ہے اسلئے شریعت نے دل کو اپنا موضوع بنا لیا ہے اگر دل درست ہوگا تو اعمال شرعیہ بھی درست ہوں گے اور سارا بدن درست ہو جائے گا اور دماغ بھی صحیح ہو جائے گا اور اگر قلب بگڑ گیا تو دماغ بھی خراب رہے گا اور تمام اعضاء بھی

خراب رہیں گے یہی وجہ ہے کہ آنکھیں دیکھتی ہیں اور کان سنتے ہیں تو اطباء کہتے ہیں کہ یہ سارا دماغ سے ہوتا ہے اور میں کہتا ہوں کہ یہ بھی دل سے ہوتا ہے مثلاً آپ بھرے بازار میں جائیں اور اچھی اچھی بلڈنگیں دیکھیں بڑے اچھے اچھے مناظر سامنے ہیں جب آپ واپس آئیں گے تو آپ کا دوست کہے گا کہ بھائی! آج تو بڑی عمدہ عمدہ بلڈنگیں دیکھی ہیں۔ یہاں تو بڑے اعلیٰ اعلیٰ مناظر ہیں۔ بڑی بہترین سڑکیں ہیں۔ صاف ستھرا شہر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے تو کچھ نظر آیا نہیں۔ دوست کہے گا کہ خدا کے بندے آنکھیں تیری کھلی ہوئی تھیں۔ چیزیں سامنے تھیں اور تو کہتا ہے کہ نہیں دیکھی، تو جواب میں کہتا ہے کہ اوفوہ میرا دھیان دوسری طرف تھا۔ مجھے خبر نہیں ہوتی کہ میرے سامنے کیا چیز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنکھ نہیں دیکھتی بلکہ دل دیکھتا ہے اگر دل ہی دھیان نہ کرے تو آنکھوں کو کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ گھنٹے بج رہے ہیں، آوازیں آرہی ہیں لوگ سارے سن رہے ہیں مگر آپ کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے لوگ کہتے ہیں کہ بہت گھنٹے بجے آوازیں آئیں۔ صاحب کہتے ہیں کہ میں نے کچھ سنا ہی نہیں دوسرے کہتے ہیں کہ ہم نے تو سب کچھ سنا ہے وہ کہتا ہے اوفوہ اصل میں میرا خیال دوسری طرف متوجہ تھا مجھے سننے کا خیال ہی نہیں آیا معلوم ہوا کہ کان نہیں سنتا بلکہ دل سنتا ہے دل اگر متوجہ ہو جاتے تو ساری آوازیں کان میں آئیں گی اگر دل ہی متوجہ نہیں تو کوئی چیز بھی کان میں نہیں آئے گی۔ ذائقہ ہے وہ بھی دل ہی کا کام ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ غذائیں کھائیں اور دل متوجہ ہو دوسری طرف۔ نہ کھٹے کا پتہ چلے گا نہ میٹھے کا پتہ چلے گا۔ اگر کوئی کھٹے میٹھے کا پتہ پوچھے گا تو کہے گا کہ بھائی میرا دل تو دوسری طرف تھا مجھے کچھ خبر نہیں

ذائقہ سے متعلق ایک دلچسپ حکایت

مجھے ذائقہ پر ایک حکایت یاد آگئی کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے ایک سالے تھے حاجی مقبول صاحب بہت نیک صالح تھے اور حضرت ہی کے یہاں رہتے تھے۔ حضرت ہی کے یہاں انکی پرورش ہوئی تھی۔ اتفاق سے چار پانچ روز تک مسلسل چنے کی دال ہی پکتی رہی اور روزانہ تو آدمی سے پلاؤ کھانی بھی مشکل ہو جاتی ہے جب تک غذا نہ بدلے۔ انہوں نے اپنی بہن سے کہا کر کیا تمام دالیں مٹ مٹا کر ایک چنے کی ہی دال رہ گئی ہے ہفتہ بھر ہو گیا ہے اسی ایک دال کو ہی کھاتے ہوئے اور جی بھی بھر گیا کبھی دوسری دال بھی پکا لیا کرو۔ انہوں نے اگلے

دن ماش کی دال پکائی کھانے کے بعد کہنے لگے کہ آج پھر وہی چنے کی دال پکائی انہوں نے کمر پر ہاتھ مار کر کہا کہ آنکھیں ہیں کہ نہیں یہ چنے کی دال ہے یا ماش کی ؟ تو کہنے لگے کہ مجھے کچھ دھیان نہیں رہا میں سمجھا کہ وہی چنے کی دال کھا رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ چکھتا دل سے ہوتا ہے زبان نہیں چکھتی ہے کھٹے میٹھے کا ذائقہ اس کا احساس اور اس کا ادراک یہ سب دل سے متعلق ہے۔ اسلئے اصل چیز انسان کے بدن میں دل ہے اور باقی سب اعضاء اسکے تابع ہیں۔

قلب علم اجمالی کا محل ہے اور دماغ علم تفصیلی کا دماغ بہت اعلیٰ چیز ہے مگر دماغ تفصیل کرتا ہے اس علم کی جو قلب کے اندر پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ قلب اپنے اس علم اجمالی کو دماغ کے سامنے پیش کرتا ہے وہ دماغ کی نالیوں میں چکر کھاتا ہے پھر نظریہ بن جاتا ہے اور نظریہ سے پروگرام بن جاتا ہے۔ پروگرام سے اسکی اشاعت ہوکر پارٹی بن جاتی ہے۔ قلب اگر دماغ کے اندر علم نہ بھیجتا تو نہ نظریہ بنتا نہ پروگرام بنتا نہ پارٹی وجود میں آتی۔ اسی لئے شریعت اسلام کا یہ دعویٰ ہے کہ دل اصل ہے دماغ اسکے تابع ہے ہاتھ پیر بھی اس کے تابع ہیں پیٹ اور پیٹھ بھی اس کے تابع ہیں اسی بنا پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اصلاح کا مرکز دل کو بنایا ہے کہ اگر وہ ٹھیک ہو جاتے تو پورا انسان ٹھیک ہو جاتا ہے۔ نگاہ بھی ٹھیک ہو جاتی ہے۔ کان بھی درست ناک بھی درست یہ غلط ہے تو ساری چیزیں غلط ہیں اگر دل میں خرابی ہے اور نیت بری ہے تو نگاہ بھی لامحالہ غلط جگہ پر پڑے گی اور دل میں تقدس تقویٰ اور طہارت ہے تو نگاہ بھی غلط جگہ نہیں جائے گی۔ اگر دل میں صلاح و تقویٰ ہے تو غلط قسم کی آوازیں باجے گاجے کبھی نہ سنے گا بلکہ اس طرف توجہ بھی نہ کرے گا اور اگر دل میں دیانت و تقویٰ نہیں ہے تو اس کے لئے جائز و ناجائز سب برابر ہے باجے گاجے بھی سنے گا۔ حرام آوازیں بھی سنے گا۔ حلال آوازیں بھی سنے گا اگر دل میں دین ہے تو راستہ درست رہے گا۔ اچھی چیزوں کی طرف طبیعت جائے گی بری چیزوں سے ہٹ جائے گی۔

قلب بہترین مفتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ فَاِنَّ الْقَلْبَ خَيْرُ الْمُفْتِي کہ جب تمہیں کوئی معاملہ در پیش

ہو تو تم اپنے دل سے فتویٰ لے لیا کرو۔ دل آدمی کا مخلص ہوتا ہے وہ بتاتا ہے کہ بات صحیح ہے کہ غلط ہے آپ نے دوست کے اوپر دعویٰ کر دیا کہ یہ جائداد میری ہے فلاں کی نہیں حالانکہ دل سے جانتا ہے کہ یہ اسی کی ہے میری نہیں ہے۔ آپ نے قانونی طور پر مقدمہ بنایا تاکہ جائداد میرے نام پر آجائے اسپر وکلا بحث کریں گے ممکن ہے آپ کامیاب بھی ہو جائیں۔ جائداد آپ کی ہو جائے گی مگر دل آپ کا ملامت کرے گا کہ کمبخت تو غیر کا حق مار رہا ہے دل فتویٰ دے رہا ہے کہ زمین تیری نہیں ہے۔ اگر آدمی دل کی طرف متوجہ ہو جائے تو سارے قضیے ختم ہو جائیں لیکن بات تو یہ ہے کہ لوگ مطلب کے پیچھے رہتے ہیں۔ ایک عالم نے فتویٰ دیا جو کہ مرضی کے خلاف تھا اب اس سوال کا دوسرا رُخ بدل کر فتویٰ بھیج دیا اب اس فتوے کا دوسرا جواب آگیا وہ بھی مرضی کے مطابق نہ تھا۔ اب پھر تیسرے مفتی کے پاس بھیجدیا تو جو فتویٰ مرضی کے مطابق ہوا اسپر عمل کر لیا اور جو مرضی کے مطابق نہ ہوا اسپر عمل نہ کیا یہ کوئی شریعت کا حکم ہے؟ یہ کیا شریعت کا پیرو ہے؟ یہ تو اپنے نفس کا تابع ہے۔ نفس میں جو چیز آگئی چاہتا ہے اسکے مطابق فتویٰ مل جائے اس لئے شریعت نے کہا کہ مفتیوں سے فتویٰ بعد میں لینا پہلے اپنے دل سے فتویٰ لے لو۔ دل انسان کا مخلص ہے وہ سچا مشورہ دے گا اور فتویٰ صحیح دے گا۔

اوّلاً قلب کی اصلاح ہوتی ہے اس کے بعد تمام اعضاء اسی اصلاح کے دائرے میں آجاتے ہیں!!!

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلام نے دل کو پکڑا ہے اور اسی کا اعتبار کیا ہے کہ انسان کے ضمیر میں جو کچھ ہوتا وہ حق ہوتا ہے اور بھٹکنے سے اور نفسانی خواہشات سے جو بھی رائے قائم کرے دل اس کو جانتا ہے کہ وہ غلط ہے ہاتھ چوری کرتا ہے مگر دل ملامت کرتا ہے کہ تجھے حق نہیں دوسرے کا مال چرانے کا اگر دل کی بات مانے تو کبھی چوری نہ کرے بہرحال دل انسان کا اصل ہے اسلئے شریعت نے دل کو تاکا ہے کہ اسکی اصلاح کر دو بنیاد درست ہو جائے تو سارا ہی انسان درست ہو جاتا ہے اور بغیر اس کے انسان درست نہیں ہو سکتا ہے۔

قلب کا بہترین مصلح ایمان ہے

شریعت نے دل کی اصلاح کے لئے ایمان رکھا ہے اس لحاظ سے ایمان کا محل بھی قلب انسان ہے

اللہ ورسول کی محبت بھی دل کے اندر آتی ہے۔ یہ ہی محبت آدمی سے عمل کراتی ہے۔ دل کے اندر جذبے پیدا ہوتے ہیں اسی جذبے کے مطابق انسان چلتا ہے تو اولاً ایمان قلب انسانی پر وارد ہوتا ہے وہاں سے وہ ترقی کر کے دوسرے مقامات پر پہنچتا ہے اسکی تاثیر سارے بدن پر پہنچتی ہے تو پھر ہاتھ بھی مومن بن جاتا ہے اور کان بھی مومن بن جاتا ہے اور سب اعضاء میں ایمانداری پیدا ہو جاتی ہے اگر دل میں بے ایمانی گھسی ہوئی ہو تو ہاتھ پیر بھی بے ایمان ہوں گے اور بے ایمانی کی حرکتیں کریں گے اور دماغ بھی بے ایمان ہو جائے گا۔ سوچے گا تو بے ایمانی کی باتیں سوچے گا اسلئے کہ دل کی نیت خراب ہے چنانچہ دل کو اصل قرار دے کر انبیاء اسکی اصلاح کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ اسکے اندر نور و چمک پیدا کریں تاکہ اس کے اندر عالم غیب کی چیزیں روشن ہو جائیں اور یہ اسی وقت ہوگا جب کہ قلب پر ایمان وارد ہو اور قلب چونکہ پاک ظرف ہے اس لئے اس میں پاک چیز یعنی ایمان داخل ہوتا ہے اور پھر عمل بھی ویسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ اگر دل میں خوشی ہے تو چہرے پر بھی خوشی کے آثار ظاہر ہوں گے چونکہ خوشی درحقیقت قلب کی صفت ہے مگر چہرے سے نظر آتی ہے۔ دل میں اگر غم بھرا ہوا ہے تو چہرے سے معلوم ہو جاتا ہے دیکھنے والے کہتے ہیں کہ آج تم بڑے غمگین نظر آتے ہو حالانکہ غم چھپی ہوئی چیز ہے وہ آنکھوں سے دیکھنے کی چیز نہیں ہے۔ چونکہ دل کا اثر چہرے پر پڑتا ہے تو ہر جاننے والا جان لیتا ہے کہ یہ غم زدہ ہے اور واقعی وہ غم زدہ ہوتا ہے۔ تو غمی و خوشی محبت و عداوت۔ اور کرنا۔ نہ کرنا یہ چیزیں انسان کے قلب سے متعلق ہیں اگر دل درست ہے تو سب چیزیں درست ہیں اگر دل خراب ہے تو اسکی وجہ سے سب چیزیں خراب ہیں اور اسی وجہ سے ہاتھ پر۔ پیر پر اثر پڑتا ہے اور وہ اثر جو قلب پر وارد ہوتا ہے وہ متعدی ہو کر اعضاء و جوارح پر طاری ہوتا ہے اچھا ہو یا بُرا۔

ملک الموت کے نزع روح کی کیفیت

حدیث میں آتا ہے کہ جب کسی آدمی کے انتقال کا وقت قریب آتا ہے اور ملائکہ نزع روح کرتے ہیں تو ہاتھوں کو اور پیروں کو سونگھتے ہیں اور دماغ کو اور دیگر بدن کو بھی سونگھتے ہیں اور ایمان کی خوشبو سونگھنا چاہتے ہیں۔ دل میں اگر ایمان ہے تو ہاتھ پیر میں بھی اس کے اثرات رچے ہوئے ہوتے ہیں ہاتھوں کو بھی سونگھتے ہیں کہ ان میں بھی ایمان کی خوشبو ہے یا نہیں اصل خوشبو کا مرکز تو دل ہے

مگر اعضاء پر اس کے اثرات پہنچ جاتے ہیں جیسے خوشبو کا مخزن تو باغ ہے اور پھول ہے مگر کپڑوں سے بھی خوشبو آنے لگتی ہے اور باغ والی خوشبوں کے اثرات سے جہاں جہاں ہوا پہنچے گی وہ شے معطر ہوتی چلی جائے گی بہرحال میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اندر دل اصل ہے اس کو درست کیا جائے اور اسکی درستگی کی پہلی بنیاد ایمان ہے۔ ایمان رہتا ہے قلب کے اندر اور اس کے اثرات ہاتھ پیر پر عمل کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

ایمان کا محل قلب اور اسلام کا محل اعضاء ہیں

اس سے معلوم ہوا کہ دل ایمان کی جگہ ہے اور ہاتھ پیر اسلام کی جگہ ہیں ایمان چھپی ہوئی شئی ہے جو دل میں رہتا ہے اور اسلام کھلی ہوئی شئے ہے جو ہاتھ اور پیروں پر آتا ہے۔ آپ نے نماز پڑھی ہاتھ پاؤں سے پڑھی، دیکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ نے نماز پڑھی مگر اس فعل کا سرچشمہ قلب کے اندر ہے اگر اس میں جذبہ عقیدت کا محبت کا اور اللہ کی چاہت کا پیدا نہ ہوتا تو کبھی نماز نہ پڑھتے معلوم ہوا کہ اصل میں نماز پڑھنے والا دل ہے لیکن عمل کی صورت ہاتھ پیر پر ظاہر ہوتی ہے۔ ایمان کا محل دل ہے اس کے اثرات جب ہاتھ پاؤں پر آتے ہیں تو وہ اسلام بن جاتے ہیں چونکہ ایمان پوشیدہ شئے ہے اور اسلام ظاہر شئے ہے اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے اَلْاِیْمَانُ سِرٌّ وَالْاِسْلَامُ عَلَانِیَۃٌ کہ ایمان چھپی ہوئی چیز ہے جس کو دل لئے ہوئے ہے اور اسلام کھلی ہوئی شئے ہے جو ہاتھ پاؤں پر ظاہر ہوتی ہے تو وہی اندرونی شئے جب تک چھپی رہتی ہے اسے ہی ایمان کہتے ہیں اور وہی شئے جب ہاتھ پاؤں پر آتی ہے اُسے اسلام کہتے ہیں

ایمان کے معنیٰ اور اسکی حقیقت

ایمان کے معنیٰ کیا ہیں؟ اور کس طرح سے ہمارے اندر آتا ہے؟ اور اس کے آثار کیا ہیں؟ اور کیسے پہچانا جائے؟ تو سنیئے! ایمان کی حقیقت ہے محبت اگر اللہ کی محبت کامل ہے تو کہیں گے کہ اس کا ایمان کامل ہے اور نبی کریمؐ کی محبت دل میں رچ گئی ہے تو کہیں گے کہ ایمان آگیا اسی لئے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان میں اللہ کی محبت اور عشق سرایت کئے ہوتے ہے۔ اگر عشق و محبت نہ ہوتا تو ایمان کبھی نہ آتا۔ اگر نبی کریمؐ پر ایمان لائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دل کے رگ و پے میں حضورؐ کی محبت بس گئی ہے اور اللہ کی محبت

جم گئی ہے۔ تو محبت درحقیقت ایمان کا دوسرا نام ہے ایمان نہیں محبت نہیں محبت نہیں تو ایمان نہیں۔ اصل چیز اللہ و رسول کی محبت ہے یہ ہی چیز ایمان بناتی ہے۔ یہ ہی اعتقاد قائم کرتی ہے اسی کو فرمایا نبیؐ کریم نے کہ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّلَدِہٖ وَوَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ کوئی بھی تم میں مومن نہیں بنے گا جب تک کہ قلب میں میری اتنی محبت نہ ہو کہ اس کو اتنی نہ اپنے ماں باپ کی اور نہ اولاد سے محبت ہو اور نہ کسی اور سے اتنی محبت ہو۔ بغیر حُبِّ نبی کے ایمان کامل نہیں ہوتا ہے۔

ایمان و محبّت کے آثار و علامات

علامت اسکی یہ ہے کہ ایک طرف تو ہے اولاد کی محبت ایک طرف اللہ و رسول کی محبت ہے جب ٹکرا جائیں تو اللہ و رسول کی محبت کو اختیار کرے اولاد کی محبت کو چھوڑ دے یہ علامت ہوگی کہ واقعی محبت رسول موجود ہے اگر آدمی نے اولاد کی محبت کو اختیار کیا اور رسول کی محبت کو چھوڑ دیا تو کہا جائے گا کہ رسول سے محبت نہیں بلکہ اولاد سے محبت ہے تو ٹکراؤ کے وقت پتہ چلتا ہے کہ کون سی محبت غالب ہے مثلاً آپ لحاف میں آرام سے پڑے ہوتے ہیں بڑی خوشگوار نیند آرہی ہے اچانک مؤذن نے آواز دی حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح دوڑو نماز کی طرف دوڑو کامیابی کی طرف، آپ نے اس پر لبیک نہیں کہا تو کہیں گے کہ نفس کی محبت غالب ہے اور اگر آرام چھوڑ کر کھڑے ہو گئے اور وضو کیا اور مسجد میں گئے نماز پڑھی تو کہیں گے کہ محبتِ خدا اور رسول غالب ہے تو ٹکراؤ کے وقت آدمی جدھر مائل ہوتا ہے اسی طرف کی محبت کا حکم لگا دیا جاتا ہے تو حضورؐ فرماتے ہیں کہ تم مومن نہیں بن سکتے جب تک میری محبت اولاد ماں باپ وغیرہ سب کی محبت سے غالب نہ ہو جائے کہ جب ماں باپ کی محبت میری محبت سے ٹکرائے تو مجھے اختیار کرو، ماں باپ کو چھوڑ دو اور جب میری محبت اولاد کی محبت سے ٹکرا جائے تو مجھے اختیار کرو اولاد کی محبت کو چھوڑ دو یہ ہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہؓ کرام میں محبت نبوی اتنی غالب تھی کہ آپؐ نے جب ہجرت فرمائی تو صحابہ نے بھی اس محبت کی وجہ سے وطن چھوڑا۔ گھر بار چھوڑا۔ عزیز و اقارب چھوڑے۔ جائدادیں چھوڑیں اور اللہ کے رسول کے ساتھ ہو لئے مکہ میں ساری تجارتیں ترک کیں اور مدینہ میں غربت کی زندگی اختیار کی ان کو کس چیز نے مجبور کیا؟ یہ اللہ و رسول کی محبت

ہی تو تھی اسس محبت کی وجہ سے عیش و آرام کا سب ساز و سامان ترک کیا مفلس و قلاش ہو کر رہنا گوارہ کیا مگر خدا و رسول کو چھوڑنا گوارہ نہیں کیا۔

حُبِّ رسول ؐ کے متعلق ایک واقعہ

حدیث میں ایک واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے کہ غزوہ بدر میں تین سو تیرہ ۳۱۳ صحابی شریک تھے ان میں صدیق اکبرؓ بھی موجود تھے حضرت صدیقؓ کے چھوٹے بیٹے جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے بعد میں ایمان لائے وہ اس غزوہ میں کفار کی طرف سے لڑنے کے لئے آئے تھے ایمان لانے کے بعد ایک روز صدیقؓ اکبر سے عرض کیا کہ ابا جان غزوہ بدر کے موقع پر کئی موقعے ایسے آئے کہ آپ بالکل میری زد پر تھے اگر میں وار کرتا تو آپ بچ نہیں سکتے تھے مگر میں نے سوچا میرے باپ ہیں کس طرح ان پر حملہ کروں تو میں ایک طرف کو ہو گیا یہ بات بیٹے نے باپ سے کہی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ اچھا یہ موقعے آئے ہیں کہ میں اور تو آمنے سامنے آ گئے تھے۔ بیٹے نے کہا کہ ہاں۔ فرمایا کہ مجھے خبر نہ ہوئی اگر تو میری زد پر آتا تو سب سے پہلے تجھے قتل کرتا اسس واسطے کہ تو دشمن تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور رسول کی محبت کے مقابلے میں اولاد کی محبت کوئی چیز نہیں ہے اسلئے اگر تو میری زد پر آتا تو میں پہلے تجھے قتل کرتا۔ وہ کفر کی بات تھی یہ ایمان کی بات ہے

محبت کے بدلے آدمی اپنے کو بیچ دیتا ہے

معلوم ہوا کہ ایمان جب کسی کے دل میں گھر جاتا ہے اور محبت غالب آجاتی ہے تو اپنے کو اس محبت کے بدلے فروخت کر دیتا ہے۔ پھر اس محبوب کی ہر ادا سے نسبت ہو جاتی ہے اسکے مقابلے میں نہ اولاد سے محبت رہتی ہے اور نہ ماں باپ کی محبت کوئی حیثیت رکھتی ہے سب کی محبتیں ختم ہو جاتی ہیں اور ایک ہی محبت غالب آتی ہے۔ صحابہؓ کرام نے ہجرتیں کیں، جائدادیں چھوڑیں، تجارتیں ترک کیں۔ یہ سب رسولؐ کی محبت کا نتیجہ تھا ان چیزوں کی کوئی پرواہ نہ کی اسلئے کہ رسول کی محبت غالب تھی تو پہلا حق نبی کریم کا یہ ہے کہ محبت ہو۔ محبت نہیں تو ایمان نہیں، ایمان نہیں تو پھر اسلام بھی نہیں تو بنیادی چیز محبت ہے اسی واسطے محبت پر زور دیا گیا ہے۔ یہ ہی صحابہؓ کا طریق تھا اور یہی بعد میں اہل اللہ کا طریق رہا ہے یہ قاعدے کی بات ہے کہ جس شخص کی محبت غالب ہوتی ہے اسکی ساری ادائیں محبوب بن جاتی ہیں اس کا چلنا پھرنا بھی

محبوب بن جاتا ہے اور اس کا لباس بھی محبوب بن جاتا ہے اس کا ذکر اور چرچا بھی محبوب بن جاتا ہے۔ فقط محبوب سے ہی محبت نہیں ہوتی بلکہ اس کے نام سے جو چیز منسوب ہو جاتی ہے اس سے بھی محبت ہو جاتی ہے۔

عشق کامل پر مجنوں کا واقعہ

کسی نے مجنوں کو دیکھا کہ لیلیٰ کے مکان کی اینٹ اینٹ کو چومتا پھر رہا ہے کسی نے کہا احمق تو یہ کیا کر رہا ہے اینٹوں میں کیا رکھا ہوا ہے اور اینٹوں کو چومنے سے کیا فائدہ ہے اس نے دو شعر میں جواب دیا ؎

أَمُرُّ عَلَى الدِّيَارِ دِيَارِ لَيْلٰى
أُقَبِّلُ ذَا الْجِدَارِ وَذَا الْجِدَارِ

کہ میں لیلیٰ کے مکان پر جب گذرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اس اینٹ کو چومتا ہوں کبھی اس دروازے کو چومتا ہوں کبھی اس دہلیز کو چومتا ہوں اور کیوں چومتا ہوں ؎

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِيْ
وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَ

مجھے ان اینٹوں سے محبت نہیں ہے وہ جو ان اینٹوں میں بیٹھی ہوئی ہے اس سے محبت ہے اسکی وجہ سے ان اینٹوں سے محبت ہو گئی ہے۔ اس کے کُتّے سے بھی محبت ہو گئی ہے۔ اسکی بلائیں لینے کو بھی تیار ہوں تو جب محبت ہوتی ہے تو ایک محبوب ہی سے محبت نہیں ہوتی بلکہ جو چیز اسکے نام سے لگ جاتی ہے وہ بھی محبوب بن جاتی ہے۔

مومن کو حضورؐ سے متعلق ہر شے محبوب ہوتی ہے

چونکہ آپ کو محبت ہے نبی کریمؐ سے تو گنبد خضرا بھی محبوب ہو گا اسکی زیارت کو آپ عبادت سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اگر ایک آنکھ گنبد پر پڑ جائے تو دنیا و آخرت کی سعادت مل جائے وہ کیوں؟ اس لئے کہ گنبد خضرا خود محبوب نہیں بلکہ اس میں جو آرام فرما ہیں اصل میں وہ محبوب ہیں۔ چونکہ اس گنبد پر نام لگ گیا ہے ان کا اس لئے وہ بھی محبوب ہو گیا گنبد تو پھر قریب ہے مدینہ سے محبت ہے، شعراء کو دیکھو تو مدینہ کی تعریف کرتے ہیں۔ اور نعتیہ کلام میں مدینہ کے فضائل بیان کرتے ہیں۔ مدینہ تو صرف ایک شہر ہے جیسے ہمارے یہاں شہر ہے۔ یہ شہر زیادہ

خوب صورت ہے وہ شہر اتنا بھی خوبصورت نہیں مگر پھر بھی محبت ہے اصل میں محبت ہے اللہ ورسول سے اسوجہ سے گنبد خضرا بھی محبوب ہوا اس محبت کی وجہ سے مسجد نبوی بھی محبوب ہوئی اسی محبت کی وجہ سے مدینہ بھی محبوب ہوا تو سلسلہ بسلسلہ ہر چیز تک محبت پہنچ جاتی ہے۔

آپ بیت اللہ شریف کی اینٹ اینٹ کو چومتے ہیں۔ کیوں؟ اسلئے کہ بیت اللہ کے مقام پر تجلی ربانی اتری ہوئی ہے اصل محبت اللہ سے ہے چونکہ بیت اللہ اللہ کی تجلی گاہ ہے اس لئے اس سے بھی محبت ہوگئی ہے اور وہ اینٹیں اسکی منسلک ہیں اس لئے اسکی اینٹ اینٹ سے محبت ہوگئی ہے اور جب خانہ کعبہ محبوب ہوا تو پوری مسجد حرام بھی محبوب ہوگئی اور اسکی محبت ظاہر ہوئی اسطرح پر کہ آپ اسکی عظمت کرتے ہیں اسکی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں جب مسجد حرام محبوب ہوئی تو مکہ محبوب بن گیا کہ وہ شہر پناہ ہے اس مسجد حرام کی لہٰذا وہ شہر بھی محبوب بن گیا اور چونکہ حجاز میں واقع ہے تو ہم حجاز مقدس کہتے ہیں کیونکہ سارے حجاز سے محبت ہوگئی ہے اور جب حجاز سے محبت ہوگئی ہے تو حجاز کے جتنے باشندے ہیں ان سب سے محبت ہوگئی یہ پڑوسی ہے اس کا لہٰذا یہ بھی محبوب ہے تو جب آدمی کے دل میں محبت آتی ہے تو فقط ایک محبوب ہی محبوب نہیں رہتا ہے بلکہ محبوب کی ساری ادائیں محبوب بن جاتی ہیں، چال ڈھال بھی محبوب، لباس بھی محبوب، کھانے کا طرز بھی محبوب رہن سہن کا طرز بھی محبوب۔ وہ تمام چیزیں محبوب بن جاتی ہیں جو محبوب کی پسندیدہ اور محبوب ہیں۔

اتباع سنت محبت کا اثر ہے

بہرحال یہیں سے اتباع سنت کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ یہ محبت کا اثر ہے۔ اگر محبت ہے تو اتباع سنت اختیار کرے گا۔ ورنہ نہیں۔ محبت ہی آمادہ کرتی ہے نبی کریم کی سنتوں کی پیروی کرنے پر کہ جس طرح آپ بیٹھ کر کھاتے تھے اسی طرح بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ جس طرح آپ آرام فرماتے تھے اسی ڈھنگ سے آرام ہو جس ڈھنگ سے آپ دوستوں سے معاملہ فرماتے تھے اسی ڈھنگ سے معاملہ کرو۔ جس ڈھنگ سے دشمنوں سے برتاؤ کرتے تھے وہی ڈھنگ تم بھی اختیار کرو ان چیزوں سے اتباع سنت کا جذبہ غالب ہوجاوے

گا۔ اگر محبت نبوی کا جذبہ غالب ہے تو بدعات سے نفرت ہوجائے گی۔ سنت کی پیروی سے محبت ہوگی کیونکہ محبوب کی ذات محبوب ہے اور جب ذات محبوب ہے تو ذات کی ادائیں بھی محبوب ہوں گی آپ کا طرز اسلام و کلام بھی محبوب ہوگا۔ ہر چیز محبت کے نیچے آتی چلی جائے گی اس کا نام اتباع سنت ہے کہ ہر شعبہ میں پیروی ہو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپؐ کے افعال کی اس میں خیر و برکت ہے حتیٰ کہ معاملات و معاشرت میں بھی جب پیروی کریں گے تو صدیق بن جائیں گے۔

سونے میں طریقِ سنت

میں کہتا ہوں۔ مثال کے طور پر ہم سوتے ہیں اس میں بھی ہم آزاد نہیں ہیں پابند ہیں سنت کے کہ اسطرح سے سوئیں جسطرح حضورؐ سوتے تھے۔ سونا تو ہے ہی لیکن حضورؐ کے طریقے پر سوئیں گے تو عبادت بن جائے گا اور آدمی چار طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر سوئے گا چت لیٹ کر سوتے گا یا اوندھا لیٹ کر یا دائیں کروٹ پر یا بائیں کروٹ پر سوتے گا بس یہی چار طریقے سونے کے ہیں۔ کوئی الٹا لٹک کر تو سونے سے رہا ان چار طریقوں میں ہم آزاد نہیں بنائے گئے بلکہ پابند ہیں سنت کے اوندھا لیٹنے کو شریعت میں مکروہ سمجھا گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ مسجد میں اوندھے لیٹے ہوتے سو رہے تھے آپ نے پیروں سے متنبہ کرتے ہوتے فرمایا کہ اے ابوہریرہؓ اوندھے لیٹ کر مت سوؤ اسلئے کہ یہ دوزخیوں کی ہیئت ہے کہ ان کو اوندھے گھسیٹ کر جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ اس لئے مومن کا کام نہیں کہ وہ جہنمیوں کی ہیئت اختیار کرے اور جہنمیوں سے مشابہت اختیار کرے اور پھر اوندھا لیٹنا صحت کے لئے مضر ہوتا ہے اس سے انتڑیاں الٹ پلٹ ہوجاتی ہیں ممکن ہے کہ کسی انتڑی میں گرہ لگ جاتے اور پیٹ میں درد شروع ہوجاتے یا کوئی اور تکلیف ہوجاتے اس لئے شریعت نے مکروہ سمجھا ہے اگر سوتے سوتے اوندھا ہوجاتے وہ دوسری بات ہے وہ اس کے اختیار سے باہر ہے اپنے ارادے سے آدمی اوندھا نہ لیٹے۔ اب رہ گیا چت لیٹنا تو چت لیٹ کر سونا جائز تو ہے۔ شرعاً ممنوع نہیں ہے۔ حرام نہیں۔ مگر شریعت کے نزدیک پسندیدہ نہیں اس واسطے کہ چت لیٹنا بے قابو ہوجانے کی علامت ہے۔ جب آدمی بے حس ہوجاتا ہے تو چت لیٹ جاتا ہے اسی واسطے اگر کوئی پہلوان کسی کو پچھاڑ دے تو کہتے ہیں کہ چاروں خانے چت گرا کوئی نہیں

کہتا ہے کہ چاروں خانے پٹ گرا کیونکہ جو پٹ ہوتا ہے وہ اوندھا ہوتا ہے اسے کچھ قابو ہوتا ہے کہ وہ ہاتھ ٹیک کر کھڑا ہو جائے مگر چت لیٹنے والا بالکل بے قابو ہوتا ہے اور مسلمانوں کے لئے ضعیفوں کیسی ہیئت پسند نہیں کی گئی مومن کا کام ہے مضبوط ہونا مومن کا کام بیماروں کی طرح سے پڑنا نہیں ہے حدیث میں فرمایا گیا ہے المومن القوی خیرٌ من المومن الضعیف قوی مسلمان ضعیف مسلمان سے بہتر ہے۔ قوت ہوگی تو جہاد کرے گا قوت ہوگی تو مجاہدہ کرے گا اور ضعیف بیچارہ چارپائی پر بس پڑا ہوا ہے نہ جہاد کے کام کا نہ جنگ وجدل کے کام کا نہ مجاہدے کے کام کسی کام کا نہیں یہ شریعت نے پسند نہیں کیا ہے بلکہ یہ پسند کیا ہے کہ ہر معاملہ میں بہادرانہ افعال صادر ہونے چاہئیں حدیث میں فرمایا گیا ہے آدمی مریضوں اور ضعیفوں کی چال نہ چلے بلکہ اسطرح چلے کہ دیکھنے والا دیکھے کہ اسکے بدن میں کچھ جان ہے۔ کچھ قوت ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب آپ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے تو رکاب میں پیر رکھ کر سوار نہیں ہوتے تھے کہ یہ بھی ایک قسم کی محتاجگی ہے کہ آدمی بغیر رکاب کے سوار نہ ہو سکے بلکہ کود کر اور اچھل کر سوار ہوتے تھے تاکہ شجاعت اور بہادری ظاہر ہو۔ بہرحال اسلام نے مومن کے لئے کوئی ایسی حرکت پسند نہیں کی جس سے ضعف ٹپکتا ہو مجبوری ظاہر ہوتی ہو اور چونکہ چت لیٹنا بے قابو ہونے کی علامت ہے۔ ضعیفوں اور بیماروں کی علامت ہے اس لئے جائز تو ہے شریعت نے اسکی مخالفت نہیں کی مگر اس کو شریعت نے پسند نہیں کیا۔ اب رہ گیا بائیں کروٹ سونا تو مخالفت تو اسکی بھی نہیں ہے جائز ہے مگر پسندیدہ یہ بھی نہیں اسکی وجہ یہ بیان فرمائی گئی کہ بائیں جانب قلب ہے۔ جب بائیں کروٹ پر سوئے گا تو آدمی کے قلب کو راحت زیادہ ملے گی اور جب راحت زیادہ ملے گی تو نیند گہری آئے گی اور جب نیند گہری آئے گی تو اندیشہ ہے کہ تہجد قضا ہو جائے اور صبح کی نماز بھی قضا ہو جائے۔ دوسرے معمولات قضا ہو جائیں۔ اس لئے شریعت نے پسند نہیں کیا کہ آدمی اتنی زیادہ راحت کرے کہ گھوڑے بیچ کر سو جائے۔ اور مردوں سے شرط باندھ کر سو جائے آدمی کو چوکنا ہو کر سونا چاہیئے تاکہ جس وقت چاہے آنکھ کھلے آدمی کا قلب مضبوط ہو۔ راحت میں غرق ہو کر بے قابو نہ بنے اسی واسطے عزم پیدا کیا کہ اگر آدمی سوتے وقت یہ ارادہ کر کے سوئے کہ ہماری آنکھ صبح کو چھ بجے کھلنی چاہیئے تاکہ جماعت قضا نہ ہو تو ٹھیک چھ بجے آنکھ کھلے گی۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ نہ کھلے۔ اٹھنا نہ اٹھنا تو آدمی کے نفس کی بات ہے سستی سے نہ اٹھے مگر آنکھ ضرور کھل جائے گی تو مضبوط عزم وارادہ ضرور کام کرتا ہے اس کے لئے شریعت نے طریقہ بھی رکھا ہے

کہ سورہ کہف کی جو آخری آیتیں ہیں وہ پڑھ کر سویا کریں اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ لَہُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا الآیۃ ان آیتوں کا اثر یہ ہے کہ اگر ان آیتوں کو پڑھ کر سوتے اور ارادہ کرے کہ فلاں وقت اٹھنا ہے تو ضرور آنکھ کھلے گی مگر پہلی چیز عزم اور عزیمت ہے کہ ارادہ کرکے سوئے کہ مجھے اٹھنا ہے اور اگر ارادہ کرکے سوئے کہ مجھے تو سونا ہے چاہے اٹھے نہ اٹھے تو آٹھ بجے سے پہلے بالکل آنکھ نہ کھلے گی۔ انسان کے ارادے کو اللہ تعالیٰ نے بڑی قوت دی ہے۔ انسان کی عزیمت کو بڑی طاقت بخشی ہے ارادے پر ان آیتوں کو بھی پڑھ لے تو اور زیادہ مدد ہوگی۔ بہرحال شریعت کا منشا یہ ہے کہ گہری نیند مت سوؤ کہ سارے اذکار۔ سارے اعمال۔ ساری نمازیں نیند کی نذر ہو جائیں اس لئے شریعت نے پسند نہیں کیا کہ انسان بائیں کروٹ پر سوتے اور گہری نیند سوتے۔ اب دائیں کروٹ رہ جاتی ہے آپؐ نے فرمایا کہ یہ میرا طریقہ ہے اور یہی سارے انبیاء کا طریقہ رہا ہے۔ آپ دایاں ہاتھ سر کے نیچے رکھکر سوتے تھے۔ جب آدمی دائیں کروٹ سوئے گا تو قلب معلق رہے گا اور جب دل لٹک گیا تو زیادہ راحت نہیں ملے گی قلب چوکنا رہے گا ایسی نیند نہیں آئے گی کہ جس میں آدمی غرق ہو جائے اس لئے دائیں کروٹ پر لیٹنے کو آپؐ نے سنت قرار دیا ہے۔ اور دوسری ہیئتوں کو ممنوع تو قرار نہیں دیا مگر پسندیدہ نہیں فرمایا کیونکہ دوسری ہیئتوں میں مومن کا مقصد اصلی فوت ہو جاتا ہے میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ نماز روزہ تو بجائے خود عبادت ہے مگر عام زندگی میں بھی آپ آزاد نہیں پیدا کئے گئے بلکہ قانون خداوندی کے پابند بنائے گئے ہیں کہ سوؤ تو اسی ہیئت سے سوؤ جس ہیئت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ سوتے تھے کھانے بیٹھو تو اسی ہیئت سے کھاؤ جس ہیئت سے اللہ تعالیٰ کے رسول بیٹھ کر کھاتے تھے۔ جب آپ کوئی کام کریں تو اسی ہیئت سے کریں جس ہیئت سے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ اس کام کو کرتے تھے۔

حضورؐ ہر امر خیر کی ابتدا دائیں سے فرماتے تھے

چنانچہ آپؐ کی عادت کریمہ تھی جیسے کہ روایت میں ہے کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُحِبُّ التَّیَمُّنَ آپ اچھے کاموں میں ہمیشہ دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے اگر کنگھا کرتے تو پہلے دائیں جانب پھر بائیں جانب، اگر جوتا پہنتے

تو پہلے داہنیں پیر بس پھر بائیں پیر میں جوتا ڈالتے۔ اگر کرتہ پہنتے تو پہلے آستین میں دایاں ہاتھ ڈالتے پھر بایاں۔ دانتوں میں اگر مسواک کرتے تو پہلے داہنیں جانب لیجاتے پھر بائیں جانب ہر اچھی چیز میں آپ داہنیں جانب کو پہلے اختیار فرماتے تھے یہی کام مومن کا ہونا چاہیئے کہ ہر اچھے کام میں داہنیں جانب کو پہلے اختیار کرے اگر آپ کی مجلس مبارک میں کوئی چیز آتی اور آپؐ اس کو تقسیم فرماتے تو داہنیں جانب سے شروع فرماتے۔ داہنیں جانب تقسیم فرما کر پھر بائیں جانب متوجہ ہوتے۔ اور ہر بُری اور خسیس ترین شے کی ابتداء بائیں جانب سے فرماتے تھے۔ جیسے ناک صاف کرے تو بایاں ہاتھ استعمال کرے۔ استنجا کرے تو بایاں ہاتھ استعمال کرے یہ ہے سنّت اگر آپ اس سنت پر عمل کریں تو آپ کی ساری دنیا دین بن جاتے گی یہ کھانا پینا، رہنا سہنا اتباع سنت کی وجہ سے دین بنتا چلا جائے گا۔ اور اتباع سنت کب ہوتا ہے؟ یہ ہوتا ہے محبت کے غلبے کی وجہ سے اگر محبت غالب نہ ہو تو آدمی کبھی بھی اتباع سنت نہ کرے بس یہ سوچیں گے کہ مطلب نکل جانا چاہیئے کہاں کی محبت اور کہاں کا اتباع محبت غالب رہے گی تو قدم قدم پر خیال رہے گا۔

غلبۂ محبت اور اتباع سنت پر ایک بزرگ کا نصیحت آموز واقعہ

حضرت تھانوی کے ایک خلیفہ تھے وہ سہارنپور سے سوار ہوتے جانا تھا ان کو کانپور پہلے سہارنپور کے گنّے بہت مشہور تھے اب وہ گنا نہیں ہوتا۔ وہ گنّے بہت ملائم، بہت میٹھے اور بڑے ہی عمدہ ہوتے تھے تحفے کے طور پر لوگ بہت دور دور تک لے جاتے تھے تو انہوں نے بھی گنّے خریدے کہ کانپور پہنچ کر احباب میں تحفے کے طور پر تقسیم کر دوں گا۔ مگر گنّوں کا وزن چالیس سیر سے بھی زیادہ تھا اور ایک ٹکٹ سے اتنا وزن نہیں لیجا سکتے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ زائد محصول دے دوں گا۔ بابو سے انہوں نے ذکر کیا تو بابو نے ایک نیک صورت دیکھ کر کہ بھولا بھالا ہے بڑا مقدس آدمی ہے کہا کہ آپ لیجائیں کوئی محصول وغیرہ نہیں ہے گویا اس نے اپنے نزدیک بڑی عقیدت سے کام لیا کہ ایک نیک صالح آدمی ہے کیا اس سے پیسے لئے جادیں اس نے کہا کہ معاف ہے آپ لیجائیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں صاحب! آپ محصول لے لیں اگر ریل میں چیکر آگیا تو محصول بھی لے گا اور جرمانہ الگ

وصول کرے گا۔ وہاں ڈبل دینا پڑے گا اس نے کہا کہ ہم چیکر سے کہدیں گے وہ بھی آپ کو کچھ نہیں کہے گا انہوں نے کہا کہ صاحب! جب میں غازی آباد اسٹیشن پر دوسری گاڑی بدلوں گا تو دوسرا چیکر آتے گا وہ جرمانہ وصول کرے گا۔ مال زیادہ ہے ٹکٹ میں اتنی گنجائش نہیں سفر جتنا زیادہ لمبا ہوگا اتنا ہی زیادہ جرمانہ بھی ہوگا تو وہاں مجھے چوگنا دینا پڑے گا آپ مجھ سے نہیں لے لیں اس نے کہا کہ ہم اس چیکر سے کہدیں گے وہ اُس چیکر سے کہدے گا وہ آپ کو کچھ نہ کہے گا انہوں نے کہا کہ اچھا جب میں کانپور اتروں گا اور گیٹ سے پاس ہوں گا تو وہ گیٹ بابو کہے گا ۔ کہ بلٹی۔۔۔ وہ میرے پاس ہوگی نہیں وہ مجھ سے چوگنے وصول کرے گا اتنے میری جیب میں ہوں گے بھی نہیں اس بابو نے کہا کہ اس چیکر سے کہلوادیں گے وہ اس گیٹ بابو سے کہدیں گے وہ آپ کو کچھ نہیں کہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ پھر کیا ہوگا۔ بابو نے کہا پھر تمہارا گھر آجائے گا، انہوں نے کہا کہ گھر تو آجائے گا مگر خداوند عالم نے اگر یوں پوچھ لیا کہ ریلوے کی چوری کیوں کی تھی تو میں کیا جواب دوں گا تو اب وہ بیچارہ خاموش ہوا اس بابو نے کہا کہ یہ بیچارہ مجنون معلوم ہوتا ہے اس زمانے میں جو اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہے اس کو مجنون ہی کہتے ہیں۔

عقلمند کون؟ اور بے وقوف کون!

اہل دنیا عقلمند اس کو کہتے ہیں جو بے ایمانی زیادہ کرے چالاکیاں زیادہ کرے۔ دھوکہ زیادہ دے اُسے کہتے ہیں کہ بڑا بھاری دانشمند ہے۔ اور اگر کوئی بیچارہ بھولا بھالا سیدھا سادہ ایمانداری اور امانت داری سے پیش آئے اُسے کہتے ہیں کہ یہ دیوانہ ہے پہلے زمانہ کی روح اس میں آگئی ہے مگر حقیقت میں عقلمند وہی ہے جو اپنی آخرت کو پیش نظر رکھے وہ عقلمند نہیں جو انجام کو بھلا دے اور بعد میں مصیبتیں اٹھائے جس کو مولانا رومیؒ نے کہا ہے کہ ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد

اوست فرزانہ کہ فرزانہ نشد!!

دیوانہ وہی ہے جو کہ دیوانہ نہ بنا، عقلمند وہ ہے جو عقلمند بننا نہیں چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں دیوانگی ہی چاہتا ہے حقیقت میں دانشمند وہی ہے اور جو شخص اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کا نام زیادہ لے گا وہی لقب پائے گا مجنونوں کا خبطیوں کا۔ اور جو شخص چالاکیاں زیادہ

کرے گا وہ لقب پائے گا اہل دنیا کے نزدیک دانش مند اور عقلمند کا ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ وَ یُقَالُ لَہٗ (الرجل) مَا اَعْقَلَہٗ وَمَا اَدْرَکَہٗ وَلَیْسَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِّنَ الْاِیْمَانِ ایک آدمی کو کہا جائے گا کہ کتنا بڑا دانش مند ہے اور کتنا بڑا عقلمند ہے اور کیسا وسیع الظرف ہے اور کیسا دانا ہے اور کیسا مدبر ہے حالانکہ اس کے قلب میں ذرہ برابر بھی ایمان نہ ہوگا اور دنیا کہے گی کہ بڑا عقلمند ہے بڑا دانش مند ہے مگر چونکہ اس میں ایمان کا نشان بھی نہ ہوگا جو کچھ ہوگی وہ خود غرضی ہوگی۔ دنیا داری اور دنیا سازی ہوگی اس لئے وہ عقلمند نہیں ہے شریعت اُسے عقلمند کہتی ہے جو اپنے انجام کو سوچے اور دنیا کے بارے میں خیال کرے کہ بھلی بُری جیسی بھی ہوگی گذر جائے گی۔ وہاں جو مصیبت ہے وہ ابدی ہے ہمیشہ جھیلنی پڑے گی جو کہ قابل برداشت نہیں ہے۔ یہاں کی مصیبت ایک دن ختم ہو جائے گی چونکہ نہ یہاں کی مصیبت باقی رہنے والی ہے اور نہ یہاں کی نعمت باقی رہنے والی ہے اس لئے جو آدمی آخرت کے مصائب کی رعایت کر کے دنیا کے مصائب کا تحمل کرے وہ عقلمند ہے فرمایا گیا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی آخرت کا عذاب ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور شدید ہے اور یہاں کی مصیبت نہ شدید ہے اور نہ دیر تک باقی رہنے والی ہے۔

اکبر کے اشعار میں حضرت حکیم الاسلام کی تطبیق تک بندی اور تشریح

اکبر نے کیا خوب بات کہی ہے اور بڑی عمدہ بات کہی ہے لقب ہی اس کا لسان العصر ہے اس بنا پر ان کی بات بڑی ہی حکمت کی بات ہے انہوں نے کہا ہے کہ ؎

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے
یعنی جینا ہے اور مرنا ہے

یہ کام تمہیں بھی کرنا ہے اور مجھے بھی کرنا ہے اور سب کو کرنا ہے کیونکہ سب کو ہی جینا اور مرنا ہے آگے کہتا ہے۔ ؎

رہ گئی بحث رنج و راحت کی
وہ فقط وقت کا گذرنا ہے

رنج بھی گذر جائے گا اور راحت بھی گذر جائے گی بڑی ہی حکیمانہ بات کہی ہے کہ راستہ کے رنج وراحت پر نظر مت رکھو انجام پر نظر رکھو، منزل مقصود تک پہنچنے کی کوشش کرو اگر منزل پر پہنچکر مصیبت میں مبتلا رہے تو وہ ناقابلِ برداشت ہے تو اکبر نے کہا ہے کہ راستے کی رنج وراحت فقط وقت کے گذر جانے کا نام ہے۔ یہاں میرے دل میں ایک خلجان یہ پیدا ہوتا ہے کہ بات تو بڑی حکیمانہ کہی ہے راستے کے رنج وراحت کا خیال مت کرو مگر منزل مقصود نہیں بتلائی کہ جانا کہاں ہے۔ اسی بنا پر دو تین شعر میں نے اسمیں جوڑ دیئے ہیں اپنی طرف سے کہ اکبر نے راستہ کا پتہ دیا ہے میں منزل کا پتہ بتا دوں۔ میں کوئی شاعر نہیں ہوں اور نہ شعر کہنا میرا مشغلہ ہے پھر اکبر جیسا شاعر اور اس کے شعر میں اپنے شعر ملانا ایسا ہے جیسے مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگا دیں بس ایک تک بندی ہے جو میں نے کر دی ہے اور میں نے اکبر اشعار پر اضافہ کر دیا ہے تو دو ان میں سے راستے ہی کے بارے میں ہیں ان میں ایک آخری منزل کے بارے میں ہے اکبر نے تو کہا ہے کہ ؎

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے! یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
رہ گئی بحث رنج وراحت کی وہ فقط وقت کا گذرنا ہے

آگے میں کہتا ہوں ؎

رہ گیا عزّ وجاہ کا جھگڑا یہ تخیّل کا پیٹ بھرنا ہے

یعنی عزّت جسے ہم کہتے ہیں یہ فقط خیالی شے ہے اور خیال بھی دوسرے کا اگر ہمارے خیال سے ہماری عزّت ہو تو چوبیس گھنٹے ہم خیال کئے بیٹھے رہیں کہ ہم سے بڑا کوئی نہیں مگر مشکل یہ ہے کہ دوسرے بڑا مانیں تو عزّت ہوتی ہے ہمارے خیال باندھنے سے عزّت نہیں ہوتی ہے اور دوسروں کا خیال آپ کے قبضے میں نہیں۔ اگر خیال بدل گیا بس جب ہی ذلیل ہو گئے آج خیال یہ ہے کہ فلاں آدمی بہت بڑا ہے اسکے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال دیتے ہیں۔ لیڈر بن جاتے ہیں اور کل کو خیال بدل گیا تو دوسرے کے گلے میں ڈال دیا پہلے کی ساری عزّت ختم ہو گئی بس ذلیل ہو گیا یہ صرف خیالی عزت ہے۔ اصل عزّت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو حق تعالیٰ نے فرمایا وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ تو اصل عزّت یہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے مہر

ثبت کر دی ہے اس لئے میں نے کہا کہ ؎

رہ گیا عزّ و جاہ کا جھگڑا — یہ تخیل کا پیٹ بھرنا ہے

اور میں آگے کہتا ہوں ؎

قابل ذکر ہی نہیں خورد و نوش — یہ بہیمی کی خو سے لڑنا ہے

کھانا پینا یہ کوئی قابل ذکر نہیں اس لئے کہ یہ کوئی کمال کی چیز نہیں ہے کیونکہ چوپائے بھی کھاتے پیتے ہیں اگر آدمی نے کھالیا تو کونسا کمال کیا ہے جانور کی حد سے نہیں نکلے گا وہ بھی وہ بھی کھاتے ہیں تو کھانا کوئی کمال کی بات نہیں ہے بہرحال تین چیزیں ہوگئیں اکبر نے کہا تھا کہ راستے کے رنج و راحت کی پرواہ مت کرو یہ گذر جانے والی چیز ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کھانے پینے کا خیال مت کرو یہ تو جانوروں کی علامت ہے۔ نہ عزت و ذلت کا خیال کرو کیونکہ وہ خیالی شے ہے بلکہ منزل مقصود تک پہنچنے کا ارادہ کرو اور کوشش کرو آخری شعر میں اسی کا پتہ دیا ہے ؎

مقصدِ زندگی ہے طاعت حق — نہ کہ فکر جہاں میں پڑنا ہے

اصل مقصد اطاعت خداوندی ہے یہ مل گیا تو سب کچھ مل گیا۔ اگر محنت کر کے دنیا کا جغرافیہ یاد کر لیا اور اس پر عبور بھی ہو گیا کہ بنگلور میں اتنے درخت ہیں فلاں شہر ایسا ہے، فلاں ایسا ہے۔ آخرت میں ایک بھی نہ پوچھا جائے گا اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ حضورؐ کی کونسی سنت پر عمل کیا۔ علم دین کیا سیکھا تو آپ کہیں کہ حضور! عبادت تو نہیں کی البتہ دنیا کا جغرافیہ لے کر آیا ہوں یہ کام نہیں دے گا کیونکہ اس سے نجات نہ ہو سکے گی۔ آپ کہیں کہ معلوم کر کے آیا ہوں کہ دنیا میں پہاڑ اتنے ہیں۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہم نے تمہیں دنیا میں پہاڑ گننے کے لئے نہیں بھیجا تھا بلکہ تم کو طاعت و عبادت کے لئے بھیجا تھا۔ قانونِ خداوندی کی پابندی کیلئے بھیجا گیا تھا وہ بتاؤ کتنی کی ہے نجات کا مدار اسی پر ہے نہ جغرافیہ پر نہ سائنس پر نہ جدید تعلیم پر اس آخری شعر میں مقصدِ زندگی اور منزل کا پتہ دیا گیا ہے۔

میں یہ عرض کر رہا تھا | غلبہ محبت میں تلخیاں شیریں بن جاتی ہیں اور سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے

کہ اصل چیز محبت ہے پھر محبت سے ایمان بنتا ہے پھر اس ایمان کی ہی وجہ سے اعمال ہاتھ پیر پر آتے ہیں اور انسان کی زندگی بنتی ہے۔ محبت سے ہی سارا کام چلتا ہے۔ آدمی اس محبت میں مصائب بھی جھیلتا ہے۔ تکلیفیں بھی اٹھاتا ہے۔ مگر اللہ و رسول کی محبت غالب ہے تو پرواہ بھی نہیں ہوتی کسی چیز کی۔ اہل اللہ جیل خانے میں بھی گئے مگر انہیں پرواہ نہیں ہوئی کیونکہ تعلق مع اللہ قوی ہے۔ فقر و فاقہ آیا مگر انہیں پرواہ تک بھی نہیں اس لئے کہ دل میں تعلق موجود ہے۔ قلب مطمئن ہے اور اگر دل کا تعلق اللہ سے نہ ہو تو انسان ہمیشہ ڈانواں ڈول رہے گا۔ ہمیشہ پریشان رہے گا۔ چاہے لاکھوں کا مالک ہو مگر دل خالی ہے تعلق سے ہمیشہ اس پریشانی اور پراگندگی، تشددہی رہے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کا سکون صرف اللہ تعالیٰ کی یاد میں ہے۔ کسی اور چیز میں نہیں کروڑوں کا مالک ہو اس کو بھی سکون نہیں ملے گا بلکہ قلب بے سکون غیر مطمئن۔ پریشان۔ پراگندہ ہی رہے گا کہ اسکی حفاظت کیسے کروں اُسے ڈاکو نہ لیجائیں۔ کہیں پہریدار ہیں۔ کہیں چپڑاسی ہیں کہ چوروں سے حفاظت کرتے ہیں مگر قانونی چوری بھی تو ہوتی ہے اس سے کیسے حفاظت کرے گا۔ بہت سے لوگ قانون کے دائرے میں رہ کر چوری کرتے ہیں۔ ڈاکہ ڈالتے ہیں مثلاً کہیں فیس کی شکل میں رقم وکلاء کے پاس جا رہی ہے۔ کہیں بیرسٹروں کے پاس جا رہی ہے۔ کہیں ڈاکٹروں کے پاس جا رہی ہے۔ غرض روپیہ کیا ایک وبال جان بنا ہوا ہے ہر وقت پریشانی ہی پریشانی ہے۔ نہ اس سے سکون ملتا ہے نہ بلڈنگ سے سکون ملتا ہے اگر سکون ملتا ہے تو صرف اللہ کے نام میں ملتا ہے۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔ اللہ ہی کی ذکر سے دل چین پاتے ہیں دنیا کے ذکر سے چین نہیں ملتی وہ تو استعمال کی چیز ہے اُسے کھاؤ پیو استعمال کرو مگر مقصود مت بناؤ۔ اس سے محبت مت کرو۔ اس میں دل مت لگاؤ۔ اس کو جائز طریق پر استعمال کرو۔ اچھا کھانا بھی کھاؤ۔ اچھے مکان میں بھی رہو۔ مگر مکان کو خدامت سمجھو۔ لباس کو کعبہ مت بناؤ۔ خادم سمجھو۔ محبت کے لئے اللہ و رسول کی ذات کو اختیار کرو۔ ہماری زندگی یہ ہے کہ دل بیار دوست بکار۔ ہاتھ اور پاؤں کاروبار میں لگے ہوتے ہیں اور دل لگا ہوا ہے خالق و مالک کے اندر کہ دنیا میں رہو تجارت بھی کرو۔ زراعت بھی کرو۔ جب تک انسان دنیا میں رہے گا سب ہی کام کرے گا اور کرنے بھی چاہئیں مگر دل کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف رہنی چاہیئے اس سے تجارت بھی بابرکت بنے گی سب چیزیں عبادت

بنتی چلی جاویں گی۔ تو اصل چیز ہے قانون کی پیروی اور وہ ہو نہیں سکتی جب تک محبت نہ ہو تو محبت اصل ایمان اور اصل اسلام ہے اور در محبت تلخہا شیریں بود یعنی محبت میں تلخیاں بھی شیریں بن جاتی ہیں کیونکہ آدمی کا دھیان محبوب کی طرف رہتا ہے تلخیوں کی طرف نہیں رہتا۔ اس لئے وہ شیریں ہو جاتی ہیں۔ اور محبوب کی ہر ادا محبوب بن جاتی ہے۔

واقعہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ ہمارے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ جو ہماری ساری جماعت دیوبند کے شیخ طریقت ہیں اکابر اولیاء میں سے ہیں ۱۸۵۷ء میں انہوں نے جہاد کیا ہے پھر حضرت نے مکہ معظمہ کی طرف ہجرت فرمائی۔ وہیں انکی وفات ہوئی مکہ معظمہ میں بیٹھکر پوری عمر کبھی سیاہ جوتا نہیں پہنا۔ لوگوں نے شروع شروع میں تو اتفاقی بات سمجھا مگر جب لوگ کالے رنگ کا جوتا لاتے تو ان سے فرماتے کہ دوسرے رنگ کا لادو یا سفید لادو۔ یہ جوتا نہیں پہنوں گا۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ حضرت کا طریقہ ہے تو پوچھا کہ حضرت سیاہ جوتے میں کیا حرج ہے فرمایا کہ بیت اللہ شریف کا غلاف سیاہ ہے ادب مانع ہوتا ہے کہ وہ رنگ میں اپنے پیروں میں استعمال کروں۔ حالانکہ سیاہ جوتا پہننا شرعاً جائز ہے کوئی قباحت و نقصان نہیں ہے مگر چونکہ جب ادب کا غلبہ ہوتا ہے تو آدمی بعض جائز چیزوں کو بھی ترک کر دیتا ہے کیونکہ اس جائز چیز کے استعمال کرنے میں ادب مانع ہوتا ہے جیسے حضرتؒ نے فرمایا کہ مجھے حیا آتی ہے کہ وہ رنگ جو بیت اللہ کے غلاف کا ہے اس کو پاؤں میں ڈالوں تو ظاہر بات ہے کہ یہاں جائز و ناجائز کی بحث نہیں یہ تو محبت کا غلبہ ہے چونکہ محبت خداوندی اتنی غالب تھی اسی کے مطابق محبت کعبہ بھی اسی قدر غالب تھی کہ اس رنگ کو پاؤں میں لانا گوارہ نہ کیا۔ کیا ادب کی انتہا تھی۔

واقعہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند کلیر شریف جاتے تھے حضرت صابر کلیریؒ کے مزار کی زیارت کرنے کے واسطے۔ کلیر رڑکی سے پانچ میل دور ہے نہر کی پٹری پٹری چلے جاتے تھے اب تو سواری کا بھی انتظام ہے اس زمانے میں لوگ عموماً پیدل ہی جاتے تھے تو حضرت جب نہر کی پٹری پر جاتے اور سامنے کلیر ہوتا تو جوتے اتار

میں دبا لیتے اور ننگے پیروں جاتے۔ تو کیا جوتے پہن کر جانا ناجائز تھا! نہیں بلکہ محبت کا غلبہ تھا۔ حضرت صابر کلیری کی محبت قلب میں جاگزیں تھی ادب غالب تھا جب روضہ نظر آتا تھا تو جوتہ پہن کر جانا پسند نہیں کرتے تھے ننگے پیروں جاتے تھے چونکہ ادب غالب تھا، اور ادب غالب ہوتا ہے محبت کے غلبہ سے جب حضرت نانوتویؒ نے حج کیا تو بڑے بڑے اکابر ساتھ تھے مثلاً حضرت گنگوہیؒ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ اور دوسرے بڑے بڑے اکابرین اور بزرگوں کا ایک مجمع تھا آخری منزل جس کے بعد مدینہ طیبہ بالکل سامنے آجاتا ہے اور حرم شریف کے مینار نظر آنے لگتے ہیں اس آخری منزل کا نام ہے "بیر علی" یہاں ایک پہاڑی ہے جہاں اوپر چڑھے اور حرم شریف کے مینارے سامنے آجاتے ہیں تو یہ قافلہ جب "بیر علی" پر پہونچا اور حرم شریف کے مینارے سامنے نظر پڑے تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ ایک دم اونٹ سے اُچھل کر زمین پر گر پڑے جوتے اتار کر رکھے اونٹ کے کجاوے میں اور ننگے پیر چلنا شروع کیا۔ حضورؐ کی محبت غالب تھی اسلئے عاشقانہ اشعار پڑھتے ہوتے اور اپنے حال میں مست اور ننگے سر چلے جارہے تھے مدینہ کی کنکریاں جو ہیں وہ نوکیلی ہیں پیروں میں ایسی چبھتی ہیں جیسے کانٹے چبھتے ہیں۔ انکی وجہ سے پاؤں لہولہان ہوگئے مگر حضرت محبت اور عشق کی وجہ سے اپنے حال میں مست ہیں۔ دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں نے بھی اونٹوں سے اُتر کر پیدل چلنا شروع کردیا تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ یہ احمق کیوں نیچے اُتر کر چلنے لگے ان پر تو محبت اور عشق کی وجہ سے حال طاری ہے یہ نقالی کہاں تک کریں گے۔ اسلئے کوئی بیس قدم چل کر رُک گیا کوئی سو قدم چل کر رُک گیا کیونکہ ان کنکریوں پر چلنا ہی مشکل ہے مگر جو اپنے حال میں مست ہے وہ تو معذور ہے اُسے تو کچھ خبر نہیں رہتی چاہے اوپر تیر پڑیں چاہے تلواریں پڑیں لیکن جن کے ہوش و حواس باقی ہیں وہ اس طریقے سے چلیں وہ پورے نہیں اُتر سکتے ہیں اسی لئے کوئی پچاس قدم چل کر بیٹھ گیا اور کوئی سو قدم چل کر بیٹھ گیا اور حضرتؒ حرم تک پیدل چلے اور پیروں میں کنکریاں چُبھ چُبھ کر لہولہان اور خون خرابہ بھی ہوگئے تو در محبت تلخہا شیریں بود یعنی محبت کی وجہ سے تلخیاں بھی شیریں ہوجاتی ہیں اور آدمی ان کو بخوشی جھیل لیتا ہے۔

غزوہ احد میں گھاٹی پر پہرے دار صحابہؓ کا واقعہ | غزوۂ احد میں جنگ شروع ہوئی

احد پہاڑ کی ایک گھاٹی تھی حضورؐ نے اس پر چالیس تیر اندازوں کو مقرر کیا اور حکم دیا کہ وہ یہاں بیٹھے رہیں فتح ہو خواہ شکست ہو ہر صورت میں وہاں سے بغیر اجازت نہ ہٹیں چنانچہ صحابہ وہاں بیٹھے رہے جنگ شروع ہو گئی ان حضرات نے سوچا کہ ہم خالی بیٹھے ہوئے ہیں کچھ کام ہی کر لیں۔ دوسرے حضرات نے کہا کہ حضور کا حکم یہ ہے کہ صرف بیٹھے رہیں۔ بعض نے کہا ایسے بیٹھنے سے تو عبادت میں لگنا اچھا ہو گا۔ یہ سوچ کر نفلوں کی نیت باندھ لی اور نفلیں پڑھنی شروع کر دیں۔ ترکیب یہ کی چار آدمی نفلیں پڑھیں اور باقی آدمی حفاظت کریں اسی طریقے سے رات گذاری اور نوافل پڑھتے رہے۔ مشرکین مکہ نے تاک لیا کہ یہ صحابہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ کفاروں نے ان پر تیروں کی بارش کی جو لوگ نماز میں مصروف تھے وہ سامنے تھے اسی لئے کسی کی گردن میں لگا کسی کے سینے میں لگا اور کسی کی پیٹھ میں لگا۔ بدن لہولہان ہو گئے اور کپڑے خون میں رنگ گئے مگر ان کو کچھ خبر نہیں وہ اپنی نماز میں مستغرق ہیں۔ نہ تیروں کی خبر اور نہ نیزوں کی خبر۔ جب اخیر شب میں سلام پھیرا تو معلوم ہوا کہ کپڑے رنگے ہوتے ہیں۔ غور کیا تو معلوم ہوا کہ کوئی تیر یہاں گھسا ہوا ہے۔ کوئی تیر سینے میں۔ کوئی تیر پشت میں۔ پورا بدن چھلنی ہو رہا ہے معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ نے تیر مارے ہیں اتنا استغراق اور غلبہ تھا محبت کا کہ نہ انہیں تیروں کا پتہ چلا اور نہ انہیں نیزوں کا پتہ چلا نماز کے اندر غرق ہیں اور حق تعالیٰ کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں تو آدمی ساری تلخیاں جھیل جاتا ہے جب محبت کا غلبہ ہوتا ہے پھر نہ زخم کی پرواہ نہ تلواروں کی نہ نیزوں کی پرواہ ہوتی ہے یہی شان اہل اللہ کی بھی ہوتی ہے کہ جب محبت خداوندی اور محبت نبوی غالب آجاتی ہے تو نہ عیش کی پرواہ نہ آرام و راحت کی پرواہ ساری چیزوں کو تج دیتے ہیں۔

تمام چیزوں کا سرچشمہ محبت ہے

چنانچہ میں نے عرض کیا تھا کہ بنیادی چیز محبت ہے اور محبت کا ظرف دل ہے جب دل میں اللہ و رسول کی محبت آجائے گی تو ہاتھ پاؤں پر بھی اس کے اثرات ظاہر ہوں گے اور اعمال صالحہ بھی صادر ہوں گے اور اگر دل میں محبت نہیں تو نہ ایمان بنے گا اور نہ اسلام بنے گا اور نہ اعمال بنیں گے مسلم نام تو ہوں گے کام مگر اسلام کے نہیں ہوں گے جب دل میں ایمان ہوگا جب ہی کام کا اسلام ہوگا اسلئے ہمیں نام کے مسلمان نہیں ہونا چاہیئے بلکہ کام کے مسلمان ہونا چاہیئے۔ دل میں

محبت یہی جاہد ہاتھ پیر پر عمل ہو یہی عمل شہادت دے گا کہ ایمان ایک چیز ہے جو اندر چھپی ہوتی ہے۔

ایمان دعوئ ہے اعمال اُسکی دلیل ہیں

جب قیامت کے دن آدمی اپنے مومن ہونے کا دعویٰ کرے گا تو اس سے دلیل طلب کی جاوے گی کیونکہ کوئی دعویٰ بلا دلیل کے قابل سماعت نہیں ہوتا ہے اس بنا پر اس سے پوچھا جائے گا کہ تیرے ایمان کا ثبوت کیا ہے وہ کہے گا کہ میں نے نمازیں پڑھی ہیں روزے رکھے ہیں۔ زکوٰۃ دی ہے حج کئے ہیں یہ ثبوت ہوگا ایمان کا پھر اسکی نجات ہوگی۔ اگر آپ نے اپنے مومن ہونے کا دعویٰ کیا اور دلیل طلب کی گئی مگر وہاں نہ نماز ہے نہ روزہ ہے نہ زکوٰۃ ہے۔ نہ حج تو یہ دعویٰ بلا دلیل کے رہ جائے گا وہاں اسکی کوئی وقعت نہیں ہوگی۔ اسکی گردن ناپی جاوے گی اور اس کے دعویٰ کی تکذیب کی جاوے گی کہ تم جھوٹ بول رہے ہو تمہارے اندر ایمان کہاں ہے اگر ایمان ہوتا تو اس کے آثار ہاتھ پیر پر ظاہر ہوتے۔ حالانکہ کوئی اثر ظاہر نہیں اس لئے کہ اندر کچھ نہیں لہذا انتہائی ذلیل ہوگا اور کہا جائے گا کہ اپنے کئے کو بھگتو پھر وہاں کی سزائیں دی جائیں گی۔ مصیبتوں میں مبتلا کیا جاوے گا۔ اس لئے جب دعویٰ ہو تو اسکی دلیل بھی مہیا ہونی چاہیئے۔ طاعت۔ عبادت۔ اتباع سنت حضورؐ کی پیروی ہونی چاہیئے۔ آگے قبول کرنا نہ کرنا مالک کا کام ہے مگر ہمیں ثبوت مہیا کر دینا چاہیئے اور اس ثبوت پر ناز نہ ہو کہ میں نے اتنی عبادت کی بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ میں نے کچھ نہیں کیا یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

حکمت کی بات

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد ماجد اولیاء کبار میں سے ہیں وہ رات دن طاعت و عبادت ہی میں لگے رہتے تھے لوگوں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں کہ راتوں کو ذکر اللہ۔ دن بھر ذکر اللہ کیوں اتنی محنت کر رہے ہیں؟ جب ہم نے یہ سوال پڑھا تو ہم یہ سمجھے کہ حضرت نے یہ جواب دیا ہوگا کہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جاویں اس لئے میں یہ عمل کر رہا ہوں مگر یہ جواب نہیں دیا بلکہ جواب اور ہے۔ یہ تو ہمارے فہم کی رسائی تھی حضرت نے وہ جواب دیا جو ہمارے فہم سے بالاتر ہے اور اپنے مرتبے کے مطابق جواب دیا کیوں کہ بڑوں کی بات بڑی ہی

ہوتی ہے حضرت نے ان پوچھنے والوں کو جواب دیا کہ میں رات دن اس لئے عمل کرتا ہوں کہ میں پیدا ہی کیا گیا ہوں عمل کرنے کی خاطر یعنی مقصد زندگی ہی میرا یہ ہے۔ راضی ہونا۔ نہ ہونا ان کا کام ہے۔ راضی ہونا یا ناراض ہونا یہ فضل خداوندی ہے ہم کون ہیں اُن کے فعل میں دخل دینے والے۔ ہمارا کام تو وہ ہونا چاہیے جس کے لئے ہم پیدا کئے گئے ہیں طاعت و عبادت کے لئے بس ہم اپنا کام کئے جاویں اگر وہ راضی ہوں تو ان کا فضل ہے اگر وہ ناراض ہوں تو ہمارا عمل اس قابل نہیں کہ اس سے فریادی ہوں۔ تم اللہ تعالیٰ کے کاموں میں دخل مت دو۔ صرف اپنا کام کرتے رہو۔ کارِ خود کن بیکار مکن۔ اپنے کاموں میں لگے رہو قبول کرنا نہ کرنا اس کا کام ہے۔

یحییٰ بن اکثم کی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی

یحییٰ بن اکثم بہت بڑے عالم گذرے ہیں امام کے درجے کے عالم ہیں جب انکی وفات ہوئی تو بعض اہل اللہ نے انہیں خواب میں دیکھا اور خواب بھی کشف جیسا تھا۔ یہ دیکھا کہ انکی اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے یحییٰ کیا چیز لے کر آئے ہو ہمارے لئے۔ جواب دیا کہ اے اللہ تعالیٰ میں نے پچپن حج کئے ہیں۔ فرمایا ہمیں ایک بھی قبول نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اے باری تعالیٰ میں نے ایک سو باون قرآن ختم کئے ہیں۔ فرمایا کہ ہمیں ایک بھی قبول نہیں۔ انہوں نے کہا کہ یا اللہ میں نے اتنی نمازیں پڑھی ہیں۔ فرمایا کہ ہمیں ایک بھی قبول نہیں پوری زندگی کے اعمال ذکر کئے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ایک بھی قبول نہیں کیا اور بتاؤ کیا لے کر آئے ہو آپ عاجز ہو گئے۔ آخر میں کہا کہ اے اللہ بس تیری رحمت کا سہارا لے کر آیا ہوں اور کچھ لے کر نہیں آیا۔ فرمایا کہ اب بات تو نے ٹھیک کہی ہے ——————

وَجَبَتْ لَكَ رَحْمَتِي میری رحمت تیرے لئے واجب ہو گئی ہے جا تیرے لئے جنت اور مغفرت ہے تو عمل کے ساتھ ساتھ رضا خداوندی اور رحمتِ خداوندی کی توقع اور امید بھی ہونی چاہئے۔ اعمال پر گھمنڈ اور ناز نہیں ہونا چاہیے۔ جس عمل میں محبت کی آمیزش اور رحمت کی امید نہ ہو وہ عمل قابل قبول نہیں ہے اسی لئے میں نے عرض کیا تھا کہ اصل چیز محبت ہے پھر اس کے بعد عمل کا مرتبہ ہے اور اس محبت سے ہی عمل پیدا ہوتا ہے۔ عمل ہی محبت کی علامت ہے اسی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دل میں محبت ہے یا نہیں۔

مومن کو جنت میں حضورؐ کی معیت حاصل ہوگی

آپ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے مَنْ اَحَبَّنِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَمَنْ اَطَاعَنِیْ کَانَ مَعِیْ فِی الْجَنَّۃِ جو مجھ سے محبت کرے گا وہ میری اطاعت بھی کرے گا اور میری سنتوں کی پیروی بھی کرے گا اور جو میری سنتوں پر چلے گا وہ میرے ساتھ بھی ہوگا جنت میں وہ میرے سے الگ نہیں رہے گا۔ آپؐ نے بنیاد قرار دیا ہے محبت کو کہ مجھ سے محبت کرنا علامت ہے اس بات کی کہ وہ میری اطاعت کر رہا ہے اور میری اطاعت کرنا علامت ہے اس بات کی کہ وہ جنت میں میرا رفیق ہوگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل تو محبت ہے مگر محبت پہچاننے کی علامت اطاعت ہے اور اتباع سنت ہے جب یہ ہوگی تو معلوم ہوگا کہ محبت میں سچا ہے اسلئے فرمایا آپؐ نے لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّلَدِہٖ وَوَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ تم میں سے کوئی آدمی اسوقت تک مومن کامل نہیں بن سکتا جب تک کہ میری اس آدمی کو اتنی محبت نہ ہو کہ اتنی اس کو نہ اپنے ماں باپ سے ہو نہ اپنی اولاد سے ہو نہ اپنے سامان سے ہو نہ اتنی محبت اس کو اپنے عزیز و اقربا سے ہو جب دو محبتوں کا ٹکراؤ ہو تو ترجیح دے میری محبت کو تو کہا جائے گا کہ یہ مومن کامل ہے تو معلوم ہوا کہ اصل شے محبت ہی ہے۔

آدمی کی تمام خواہشات شریعت کے تابع ہونی چاہئیں

ایک دوسری حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ کہ تم میں سے کوئی شخص مومن کامل نہیں بن سکتا ہے اس وقت تک جب تک کہ اسکی خواہشاتِ نفس میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جاویں۔ ایک طرف شریعت ہے اور ایک طرف خواہشِ نفس ہے۔ اگر خواہش نفس کو ترجیح دی تو معلوم ہوا کہ خواہش کا بندہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا بندہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے اپنی مرضی کو ترجیح دی اللہ تعالیٰ کی مرضی پر اس لئے کہ یہ خواہشات نفس اور ہوائے نفس کا تابع ہے اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی کا تابع ہوتا تو اسی کو ترجیح دیتا اسی لئے فرمایا کہ وہ مومن کامل نہیں۔ حضورؐ کی لائی ہوئی شریعت کا تابع ہونا چاہیئے۔ جو کچھ کرے اتباع میں کرے

نماز پڑھے تو اتباع میں پڑھے ۔ روزہ رکھے تو اتباع سے سوئے تو اتباع سے جاگے تو اتباع سے کھائے پیئے تو اتباع میں پوری زندگی پر اتباع چھا جائے جب ہی اُس کے ایمان میں کمال آئے گا اور اس کو مومن کامل کہیں گے ۔

بندہ سے گناہ کا صُدور مستبعد نہیں

اب رہی بات غلطی سے گناہ کا صادر ہونا تو بندہ بشر ہے معصوم تو صرف انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ گرامی ہے ہم تو دن رات سینکڑوں گناہوں میں مبتلا رہتے ہیں اور گناہ بے شک ہوتے رہتے ہیں مگر اس کا حل یہ فرمایا کہ جب گناہ ہو جائے توبہ کر لے پھر اتباع شریعت میں کوئی فرق نہیں آئے گا ۔ اتباع کر رہے ہیں اور درمیان میں گناہ ہو گیا یا اللہ میری توبہ پھر نہیں کروں گا ۔ اللہ تعالیٰ سے عہد کیا پھر اتباع میں معروف ہو گئے ۔ اتباع سنت کے یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ کبھی بھی غلطی نہ ہو اور گناہ نہ ہو یہ شان تو انبیاء علیہم السلام کی ہے ۔ ہم سے گناہ ہوتے بھی ہیں اور ہم گناہ کرتے بھی ہیں مگر اس کا حل یہ ہے کہ فوراً توبہ کرلے اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں تھا ۔ توبہ کرتے ہی اس کا ریکارڈ صاف ہو گیا حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جس نے گناہ کے بعد توبہ کی وہ گناہ پر باقی نہیں رکھا جاتا ہے اسلئے جب بھی کوئی گناہ ہو جائے فوراً توبہ کر کے پاک ہو جائے یہ ہی مومن کی شان ہے اور یہ محبت اور ایمان کا کمال ہے ۔ بس دعا کیجئے کہ اللہ رب العلین اپنی رضا نصیب فرمائے اور حضورؐ کی محبت اور معیت عطا فرمائے اور اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمانِ کامل پر فرمائے آمین ۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

قرآن کا اعجاز

خطبۂ مسنونہ: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ اِلٰی کَآفَّۃِ النَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ وَلَقَدْ رَاٰہُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ۔ وَمَا ھُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ وَمَا ھُوَ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ فَاَیْنَ تَذْھَبُوْنَ اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ لِمَنْ شَآءَ مِنْکُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ۔

افتتاح کلام

بزرگان محترم آپ حضرات نے قرآن کریم کا ترجمہ شروع کر کے ایک بہت ہی بڑی سعادت حاصل کی ہے اور بہت بڑا اقدام کیا ہے اس کے برکات دنیا میں اور آخرت میں کھلے طور پر انشاء اللہ نمایاں ہوں گے اگر آپ نے اس کو پابندی سے اختیار کیا اور اس کو استقامت کے ساتھ آگے بڑھایا۔

ہر کلام میں متکلم مخفی ہوتا ہے

قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور ظاہر بات ہے کہ ہر کلام میں اثر ہوتا ہے جیسا متکلم ہوتا ہے ویسے ہی اثرات اس کے کلام میں نمایاں ہوتے ہیں، اور قرآن کریم درحقیقت نمایاں کرتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات کو اس کی صفات کو اس کے کمالات کو اس کے افعال کو۔ جو شخص خیال کرتا ہو کہ میں اللہ کو آنکھوں سے دیکھ لوں تو وہ دل کی آنکھوں سے قرآن کریم کی تلاوت کرے تو حق تعالیٰ نظر آجائیں گے۔ زیب النساء عالمگیر کی بیٹی تھی اور بہت بڑی شاعرہ بھی تھی جب دربار میں مشاعرے ہوتے تو اس کا کلام بھی پڑھا جاتا تھا اور بڑے بڑے شعراء بڑی توجہ سے سنتے تھے اور کلام بھی اس کا بہت عالی ہوتا تھا عالمگیر کا ایک درباری ایک شخص عاقل خاں نامی تھا اسکی زبان سے یہ لفظ نکلا کاش میں زیب النساء کو دیکھ لیتا۔ اس لئے کہ کسی کا اچھا کلام سنکر دیکھ لینے کو طبعاً دل چاہتا ہے۔ تو عاقل خاں نے یہ تمنا ظاہر کی کہ کاش کوئی ایسی صورت ہوتی کہ میں زیب النساء کو دیکھتا۔ مقولہ پہنچ گیا زیب النساء کو مگر وہ شاہی دور تھا بڑا عظیم پردہ ہوتا تھا، اسکی کوئی صورت ممکن نہیں تھی زیب النساء کو دیکھنے کی تو زیب النساء نے ایک شعر لکھ کر بھیج دیا اس تمنا کے جواب میں اس شخص کو لکھا، در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل

ہر کہ از من میل دارد در سخن بیند مرا

کہ میں اپنے کلام میں اس طرح چھپی ہوتی ہوں جیسے گلاب کی پنکھڑیوں میں خوشبو چھپی ہوئی ہوتی ہے تو جن کا دل مجھے دیکھنے کو چاہے وہ میرا کلام پڑھ لے اس کلام میں، میں نظر آجاؤں گی۔ میرے جتنے قلبی جذبات ہیں اور قلبی خیالات ہیں وہ سب میرے کلام سے نمایاں ہو جائیں گے یہی صورت یہاں ہے کہ جو اللہ کو دیکھنا چاہے وہ اس کا کلام پڑھ لے۔

مقصد عبادت دیدار الٰہی ہے۔

کونسا بندہ ایسا ہے جس کے دل میں اللہ کو دیکھنے کی تمنا نہیں ہے ساری عبادتیں ہی اس لئے کرتے ہیں کہ اس کو دیکھ لیں اور یہ کوئی محض طبعی تمنا نہیں ہے بلکہ شرعی تمنا بھی ہے

یعنی شریعت نے بھی یہی ہدایت کی ہے، فرمایا ہے۔
اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ اللہ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ رہے ہو اگر یہ صورت نہیں تو کم از کم یہ یقین رکھو کہ اللہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ یہ جو دیکھنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عبادت کی ہی جاتی ہے دیکھنے کے لیے کہ معبود کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔
یہ تمنا ہر شخص کے دل میں ہے۔ نماز کے ذریعہ دیکھنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب آدمی نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو ظاہر میں اس کی نظر ہوتی ہے چٹائی کے اوپر اور حقیقت میں نظر ہوتی ہے اللہ کے چہرے کے اوپر۔ لیکن آج نمازی کو محسوس نہیں ہو رہا ہے کہ میں اللہ کا چہرہ دیکھ رہا ہوں، مگر جب قلب میں جمتے جمتے اخیر وقت آئے گا اور تھوڑی عمر اسی تصور میں گذر جائے گی تو اچانک وہ جلوہ نگاہ کے سامنے آجائے گا جس کی تمنا میں آدمی عبادت کیا کرتا تھا تو عبادت کی ہی جاتی ہے دیکھنے کے لیے مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ عابد و معبود کا آمنا سامنا ہو جائے تو اس حدیث میں اس کی تدبیر بتلائی کہ دل میں تصور یہ باندھے کہ میں اللہ کے سامنے حاضر ہوں اس کے چہرے پر میری نگاہ ہے میں اس کو دیکھ رہا ہوں۔ پھر اس کے ساتھ کلام اللہ کی تلاوت ہوتی ہے نماز میں اس میں حق تعالیٰ شانہ کے اوصاف و کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ساری تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو پالنے والا ہے جہانوں کا رحمان و رحیم ہے۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ قیامت کے دن کا مالک ہے۔ جس میں سارے اولین و آخرین جمع ہوں گے آج بھی اس کی حکومت ہے مگر اس روز اس کی حکومت نمایاں ہو جائے گی سارے بنی آدم کے اوپر۔ تو حق تعالیٰ شانہ کو دیکھنے کی مشق کرتے رہنے سے جب عمر بھر یہ تصور رہے گا تو ایک نہ ایک دن وہ چیز سامنے آجائے گی جسے دل میں جما رکھا تھا۔
کسی چیز کے دل میں جمنے کے بعد اس کا دیدار آسان ہو جاتا ہے۔
یہ ایک انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز کا وہ تصور دل میں جما لیتا ہے وہ آنکھوں

کے سامنے آجاتی ہے بعض بزرگوں کے یہاں کچھ لوگ حاضر ہوئے ایک صاحب آئے انہوں نے بیعت کی ان بزرگوں نے ان کو اللہ کا نام بتلا دیا کہ ذکر کرو بیٹھ کر وہ کرتے رہے مگر قلب میں یکسوئی نہیں ہوئی کہ ہر طرف سے ہٹ کر قلب ایک ہی طرف متوجہ ہو جائے گا شیخ نے بہت تدبیریں کیں مگر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی، دل میں طمانیت اور دلجمعی پیدا نہیں ہوئی آخر میں شیخ نے کہا کہ تمہیں دنیا میں کسی چیز سے محبت بھی ہے! کہا مجھے بھینس سے محبت ہے تو شیخ نے ایک حجرے میں بٹھلا دیا کہ اچھا بھینس کا تصور کرو مقصد یہ تھا کہ جس چیز کی رغبت ہے جب اس کا تصور جما لے گا اور یکسوئی پیدا ہوگی تو قلب کو اللہ کی طرف متوجہ کر دوں گا۔

تو حکم دیدیا کہ اچھا بھینس کا تصور کرو۔ حجرے میں بٹھلا دیا چالیس دن بیٹھ کر تصور کرو بھینس کا وہ ہر وقت صبح شام حجرے میں بیٹھ کر بھینس کا تصور کرتے جب ایک چلّہ گذر گیا تو شیخ اس مرید کو اٹھانے کے لئے آئے اور کہا کہ چلو باہر نکلو چلّہ پورا ہو گیا وہ دروازے کے باہر آنے لگا۔ تو جھکا فرمایا نکلتے کیوں نہیں کہنے لگا کہ بھینس کھڑی ہے گو وہ تصور جمتے جمتے اتنا جما کہ بھینس کا نقشہ ہی سامنے آگیا شیخ نے جب دیکھا کہ تصور میں کمال پیدا ہو گیا تو انہوں نے اپنے تصرف سے اس کو متوجہ کر دیا حق کی طرف کہ بس دل میں اللہ ہی اللہ جم جائے۔ تو یہ ایک فطری بات ہے کہ آدمی جس چیز کا تصور دل میں باندھ لیتا ہے، وہ ہی چیز آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اسی طرح سے جب قرآن کریم پڑھتے ہوئے حق تعالیٰ کا دھیان دل میں جمائیں گے وہ جم جائے گا ایک وقت آئے گا کہ جس چیز کو دل میں جمایا تھا تو وہ آنکھوں کے سامنے آجائے گی۔ یہ فطرت کے مطابق ہے دنیا کی چیزیں چالیس دن بعد آجائیں گی، سو دن بعد آجائیں گی لیکن چونکہ یہ اعلیٰ ترین جمال ہے اسلئے اس میں پوری عمر چاہیئے اگر پوری عمر تصور جمائے تو پھر وہ شے سامنے آجائے گی اور جمال خداوندی نمایاں ہو جائے گا۔

اس لئے میں عرض کر رہا تھا کہ جس کو یہ شوق ہو کہ میں حق تعالیٰ کی زیارت کروں اس کا طریق یہی ہے کہ قرآن کریم پڑھتے ہوئے ہر ہر حرف پر اس کا دھیان جماتے اور

جماکر اس کو دل میں راسخ کر لے تو دنیا میں بھی جلوے نمایاں ہوں گے اور آخرت میں بھی دیدار ہو جاتے گا، تو آپ نے بہت بڑا اقدام کیا ہے اور بڑی سعادت کا اقدام ہے کہ قرآن کریم کا ترجمہ شروع کیا ہے۔

قرآن کریم کو دستور العمل سمجھ کر پڑھنا اور سننا چاہیئے۔

اگر ترجمہ سرسری طور پر سنا جائے تو ثواب تو ملے گا ہی لیکن اس دھیان سے ترجمہ ہو کہ میرے اللہ نے کیا کہا ہے پھر کیا دستورالعمل ہے جس پر میں چلوں تو ایک تو ہے محض معنے سمجھ لینا ایک ہے اس معنی کو اپنا دستور العمل بنانا کہ اس پر مجھے چلنا ہے۔ چونکہ قرآن کریم قانون کی کتاب ہے اور قانون محض اس لئے نہیں پڑھایا جاتا کہ آدمی اس کو رٹ لے اس لئے پڑھایا جاتا ہے کہ گورنمنٹ کے احکام اور اس کی پالیسیاں معلوم ہوں تاکہ جرائم سے بچے اور صحیح طور پر چلے قانون کے اوپر۔ تو اللہ نے اپنا کلام نازل فرمایا مگر محض تلاوت کے لئے نہیں کہ اس کو رٹ لیا جائے یہ تو ابتدائی درجہ ہے اصل یہ ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ اس میں کہا کیا جا رہا ہے یہ کلام کیوں کیا ہے۔ اس میں خطاب کیا ہے مجھے کس طرح سے زندگی گذارنی ہے۔ یہ میرا دستور العمل ہے۔ اس نیت اور قصد سے اور اس عزم سے جب آپ پڑھیں گے تو کیفیات کچھ اور ہوں گی تو اسلئے میں نے عرض کیا کہ ایک بہت بڑی سعادت کی بات آپ نے کی ہے کہ ترجمہ شروع کیا ہے۔

کلام متکلم کے اندر سے نکلتا ہے

قرآن کریم کے بارے میں حدیث نبوی میں ارشاد فرمایا گیا ہے تَبَرَّكُوا بِالْقُرْآنِ فَإِنَّهُ كَلَامُ اللهِ وَخَرَجَ مِنْهُ برکت حاصل کرو اس کلام خداوندی سے اس لئے کہ یہ اللہ کے اندر سے نکل کر آیا ہے کلام جو ہوتا ہے وہ متکلم کے اندر سے نکل کر سامنے آتا ہے وہ اس کے جذبات ہوتے ہیں ان کو الفاظ کا جامہ پہنا دیا جاتا ہے۔ میں کوئی بات ہنسی کی کہوں تو آپ ہنس پڑیں گے یہ لفظوں کا اثر نہیں ہے بلکہ یہ اس جذبہ کا اثر ہے جو میرے قلب میں موجود ہے کہ میں آپ کو ہنساؤں لفظوں کو تو آڑ بنایا ہے۔ اگر جی چاہا کہ آپ کو رلایا جائے تو ایسا کلام کیا جائے کہ آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑیں تو وہ لفظوں کا محض اثر نہیں وہ ان جذبات کا اثر ہوتا ہے جن کا بولنے والے نے قصد کیا ہے آج لفظوں

کو آڑ بنایا اور جذبات اپنے پیوست کر دیئے قلب کے اندر، کہ رو پڑا آدمی، پھر آپ کے دل میں جذبہ آیا کہ فلاں کو خوش کر دوں اور ہنسا دوں تو کچھ ایسے بول بولے کہ خواہ مخواہ ہنس پڑا اور خوش ہو گیا۔ وہ محض لفظ نہیں ہیں بلکہ وہ اندر کے جذبات ہیں جنہوں نے الفاظ کا جامہ پہن کر اس کے دل میں اثر ڈالا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم کے الفاظ نازل فرمائے ان الفاظ میں وہ کمالات چھپے ہوئے ہیں جو بولنے والے کے اندر تھے وہ کمالات ظاہر ہوتے ہیں ان الفاظ کے ذریعہ۔ دنیا میں کوئی بھی جذبہ بغیر لفظوں کے سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے لفظوں کو بیچ میں لانا لازمی ہے اور ان ہی الفاظ کے اندر اللہ تعالیٰ نے کھپایا ہے اپنے کمالات کو اور ان ہی الفاظ کے ذریعہ ان کمالات کو بندوں تک پہنچایا ہے اور ان کے دل میں اتارا ہے ان کمالات کو اپنے دل میں حاصل کرنے کی نیت سے اگر آپ تلاوت کریں گے اور دھیان اس پر دیں گے کہ کیا کہا جا رہا ہے اور میرے دل میں کمالات کس طرح اتر رہے ہیں تو پھر اور ہی شان ہوگی اسی کو حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے تبرّك بالقرآن فانّه كلام الله وخرج منه. برکت حاصل کرو اس قرآن سے یہ اللہ کا کلام ہے اور اس کے اندر سے نکلا ہے بولنے والا جو بولتا ہے وہ اندر سے بولتا ہے لفظ آڑ ہوتے ہیں۔

کلام اللہ ذریعہ ہے تعلق مع اللہ کا

یہ جو فرمایا ہے خرج منه۔ اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ جس نے کلام اللہ سے اپنا پورا علاقہ قائم کر لیا ہے اس نے اللہ کے باطن سے علاقہ قائم کر لیا ہے اور جب وہ باطن سامنے آئے گا۔ تو اسوقت معلوم ہو جائے گا کہ بندہ جڑ چکا ہے حق تعالیٰ کے باطن سے اس کے کمالات سے تو قرآن کریم ایک تبرک ہے اور جتنی بھی عالم میں چیزیں ہیں وہ سب تبرکات ہیں اللہ کے۔ یہ زمین بھی اللہ کا تبرک اور عطیہ ہے۔ جس سے ہم کام چلاتے ہیں یہ آسمان اور چاند سورج بھی اللہ کے تبرکات ہیں جن سے ہم فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لیکن آسمان و زمین، چاند، سورج۔ یہ اللہ کے اندر سے نکل کر نہیں آتے ہیں اللہ نے ان کو پیدا فرمایا ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں ہی ایسی ہیں کہ اللہ کے حکم سے وہ پردۂ عدم سے وجود میں آتی ہیں اللہ کے اندر

سے نکل کر نہیں آتیں مگر قرآن اندر سے نکل کر آیا ہے۔ یہ تو کلام ہے اسلئے قرآن سے تعلق اللہ کے باطن سے تعلق ہے آپ کو اوپر کھینچنے کے لئے اللہ نے ایک رسّی لٹکا دی ہے جس کے ذریعہ آپ کو کھینچ لیا جائے شیخ محی الدین ابن عربی بہت بڑے صوفیاء دین ہیں اور بہت بلند درجہ اکابر اولیاء میں سے ہیں وہ کہتے ہیں کہ صرف ان کا اپنا دعویٰ نہیں قرآن و حدیث سے بھی یہی نکلتا ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک جتنا علاقہ ہے یہ جہنم کا علاقہ ہے اسی میں قیامت کے دن آگ اور تکلیف وہ چیزیں نمایاں ہوگی۔ تو اب یوں سمجھنا چاہیے کہ اسوقت ہم سب جہنم میں موجود ہیں۔ حق تعالیٰ نے اوپر سے ایک رسّی لٹکائی کہ جسے نکلنا ہو وہ اس رسی کو پکڑ لے جب ہم اس رسی کو کھینچیں گے وہ بھی کھنچکر ہمارے پاس آجائے گا اور اس علاقہ سے نکل جائے گا وہ رسی درحقیقت قرآن کریم ہے اسی کو قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے، وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا۔ اللہ کی رسی کو سب مضبوط تھام لو، بِحَبْلِ اللّٰہِ الْمَمْدُوْدِ یہ لٹکائی ہوئی رسّی ہے جو عرش سے لٹکائی گئی ہے اور زمین پر آئی ہوئی ہے جب وہ رسی کھنچکر اوپر جائے گی تو جنہوں نے اس رسی کو تھام رکھا ہے وہ بھی اس علاقۂ جہنم سے کھنچکر اوپر کو چلے جائیں گے۔ تو کفار کو جہنم میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی وہ تو ہیں ہی جہنم میں۔ مؤمن کو بھاگ نکلنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ رسی کو مضبوط تھام لے جب رسی کھنچی جائے گی یہ بھی کھنچکر اس علاقۂ جہنم سے نکل جائے گا

اللہ کی رسی دل سے پکڑی جاتی ہے ہاتھ سے نہیں

اب ظاہر بات ہے کہ رسی کوئی سن کی بٹی ہوئی تو ہے نہیں اور ریشم کی نہیں کہ اس کو ہاتھ سے تھاما جا سکے، یہ تو علوم و کمالات کی رسی ہے جس کے تھامنے کے معنی یہ ہیں کہ دل سے ایمان لاکر اسے دل میں جمائے ہاتھ سے پکڑنے کی چیز نہیں دل سے پکڑنے کی چیز ہے جس نے اس رسی کو دل کے ہاتھوں سے تھام لیا وہ بٹ گیا اللہ کی رسی میں اس لئے فرمایا گیا کہ وہ بھی کھنچکر اللہ کے باطن تک پہنچ جائے گا یعنی اس کے ساتھ مربوط ہو جائے

مؤمن کا مقصد اصلی دیدار الٰہی ہے۔

آدمی کسی کو دور سے بھی دیکھ سکتا ہے مگر اتنا قریب ہو کہ وہ اپنے پہلو میں ہی

بٹھلا دے تو دیکھنے کے ساتھ ساتھ ملنا بھی ہو جائے گا، یہی وجہ ہے کہ آدمی اپنے کسی بڑے سے ملتا ہے تو دیکھنے پر قناعت نہیں کرتا جی چاہتا ہے کہ مل بھی لوں پھر مصافحہ بھی کرتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ملاحق ہو گیا بدن سے پھر اور بہنات چاہتا ہے کہ معانقہ بھی کر لوں تاکہ پوری طرح سے اس کے ساتھ پیوست ہو جاؤں گا، تو محض دیکھ لینے پر ہی قناعت نہیں بلکہ ملنے کو بھی آگے بڑھتا ہے اور ملنے میں بھی یہ نہیں کہ چھوڑ دے بلکہ معانقہ کر کے چمٹ بھی جاتا ہے تاکہ پوری طرح سے اس کے اثرات اس کے اندر آجائیں تو یہ آدمی کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ انسان کی جس طرح کی عظمت دل میں ہوتی ہے اس انداز سے ملنے کو بھی جی چاہتا ہے محبت کا یہی تقاضا ہے۔ تو حق تعالیٰ شانہ نے یہ قرآن اس لئے اتارا کہ اس کے کلام کو پڑھ کر دیکھ لو اس واسطے کہ اس کے کمالات نظر آجائیں گے۔ اس کے بعد دل میں جم جائیں گے۔ جب دل نے ان کے کمالات کو قبول کر لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس رسی کو دل کے ہاتھوں سے مضبوط پکڑ لیا پھر جب حق تعالیٰ اس رسی کو کھینچیں گے یہ بھی کھنچ کر چلا جائے گا، ملاقات بھی ہو جائے گی معانقہ بھی ہو جائے گا، اور حق تعالیٰ کے پہلو میں جا بیٹھے گا۔

اہل محشر کے مختلف گروہ

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن کچھ پارٹیاں بنا دی جائیں گی۔ مختلف اوصاف کے لحاظ سے ان میں کچھ وہ ہوں گے جن کے پاس اعمال سیئہ ہیں ان میں جو عمل غالب ہوگا اسی اعتبار سے گروہ بنائے جائیں گے۔ مثلاً معاذ اللہ زانیوں کا ایک گروہ ہوگا، چوروں کا ایک گروہ ہوگا اسی لحاظ سے اور دوسری پارٹیاں ہوں گی، اور کچھ لوگ وہ ہوں گے جو اللہ کے پسندیدہ اور محبوب بندے ہیں ان میں جو عمل سب اعمال میں غالب ہوگا اس کے اعتبار سے جماعت بندی کر دی جائے گی۔ مثلاً جس شخص کو اپنے اعمال میں نماز سے زیادہ شغف رہا ہے اس کو نمازیوں کی جماعت میں شامل کر دیا جائے گا، اور جس کو روزہ سے زیادہ شغف رہا ہے اس کو روزے داروں کی جماعت میں شامل کر دیا جائے گا جس میں صدقات کا غلبہ تھا اسکی ویسی ہی جماعت بنا دی جائے گی اور

ہر جماعت لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں ہوگی جس میں بھی جو وصف اور عمل غالب رہا ہے اسی انداز سے ان کی جماعتیں بنادی جائیں گی، اسی طرح سے دنیا میں جو اہل مصیبت گذرے ہیں ان کی جماعتیں الگ ہوں گی۔ مثلاً نابینا جتنے ہیں ان کی ایک جماعت کی جائے گی۔ آدم علیہ السلام کی اولاد میں جتنے نابینا گذرے ہیں وہ سب ایک جماعت میں ہوں گے اور ان کا امام بنایا جائے گا، حضرت شعیبؑ کو آخری عمر میں ان کی بینائی زائل ہوگئی تھی۔ ان کے ہاتھ میں ایک سفید جھنڈا ہوگا، وہ بجلی کی طرح چمکتا ہوگا۔ حق تعالیٰ ان اندھوں سے خطاب کر کے فرمائیں گے کہ میں نے دنیا میں تمہاری آنکھیں چھین لی تھی ایک بڑی نعمت سے تمہیں محروم کردیا تھا مگر تم نے صبر کیا کوئی جزع فزع نہیں کیا آج تم کھلی آنکھوں ہو اور یہ حضرت شعیبؑ نورانی جھنڈا لئے جا رہے ہیں۔ اب تم میرے چہرے اور جمال کو دیکھتے رہو ابدالآباد تک تمہاری بینائی آج کھولدی گئی اور فرمایا جائے گا کہ یمین عرش (عرش کی دائیں جانب) میں آ کر قیام کرو تم ہمارے مہمان ہو۔ ان کے سامنے نعمتیں رکھی جائیں گی خدا کا کتنا بڑا احسان ہوگا کہ میدانِ محشر بپا ہے مخلوق کا حساب کتاب ہو رہا ہے اور یہ نابینا لوگ کھلی ہوئی آنکھیں اور اللہ کے یہاں مہمان ہونگے اور نعمتیں استعمال کر رہے ہوں گے تو جب ان نابینا حضرات کی جماعت اس شان سے آئیگی اور حق تعالیٰ ان سے کلام فرما کر مہمان بنائیں گے ٹھیک اسی وقت میں علماء کی جماعت آگے بڑھے گی اور علماء کہیں گے کہ ہماری ہی تلقین سے اور ہمارے ہی بتلانے سے انہوں نے صبر کیا ہمیں کوئی پوچھتا نہیں اور ان اندھوں کو یمین عرش میں جگہ دیدی گئی۔ حق تعالیٰ ان نابینا حضرات سے فرمائیں گے۔ کہ انہیں کہنے دو۔ تم آؤ یمین عرش میں وہ عرش کی دائیں جانب نعمتوں میں ہوں گے۔ علماء وہیں کھڑے رہیں گے۔

اس کے بعد بلایا جائے گا، ان کو جو جذام کے مرض میں مبتلا تھے کہ دنیا والوں نے ان کو اچھوت بنادیا تھا۔ محشر کے دن ان کے بدن چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے اور ان کا امام بنایا جائے گا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو۔ اور ان کو سبز جھنڈا دیا جائے گا۔ کیونکہ انہوں نے بہت تکلیفیں اٹھائیں، اور بہت بیماریاں سہیں حق تعالیٰ

فرمائیں گے کہ تم بھی یمین عرش میں آجاؤ۔ پھر علماء ابھر بیں گے کہ ہمارے ہی کہنے سے تو انہوں نے صبر کیا اور دل میں تسکین پیدا ہوئی اور ہمیں ہی کوئی پوچھتا نہیں۔ اندھوں کو بھی بٹھلا دیا اور کوڑھیوں کو بھی بٹھلا دیا اور ہمیں کوئی پوچھتا نہیں حق تعالےٰ فرمائیں گے کہنے دو تم ان علماء کو تم آگے چلو۔ اسی طرح سے معاملہ ہوگا ۔۔۔۔ اور اہل مصیبت کا جب یہ سب نمٹ جائیں گے پھر حق تعالےٰ علماء کو خطاب فرمائیں گے۔ کہ کیا تم صرف نعمتیں ہی حاصل کرنا چاہتے ہو؟ کیا تم اسی لئے پیدا کئے گئے تھے کہ صرف اپنی ذات کا ہی نفع ڈھونڈو؟ نہیں۔ بلکہ تم بھیجے گئے تھے دنیا کی ہدایت کے لئے یہاں لوگوں کی شفاعت کرو کھڑے ہو کر جب سب کو بخشوا لوگے تب تم آگے بڑھنا تم اپنے کام کے لئے نہیں پیدا کئے گئے بلکہ دنیا کے کاموں کے لئے پیدا کئے گئے تھے۔ کہ دنیا کے انسانوں کو نفع پہنچاؤ۔ اس وقت ان کا رتبہ ظاہر ہوگا۔ وہ شفاعتیں کریں گے اور لاکھوں آدمی ان کی شفاعت کے بدولت بخشے جائیں گے۔ رب العالمین فرمائیں گے کہ اب تم نے اپنا کام پورا کیا ہے دنیا میں ہدایت کی یہاں شفاعت کی۔ تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں کوئی عہدہ مل جائے، کوئی نعمت مل جائے، یہ تمہارا کام نہیں تھا۔ تمہارا کام یہ تھا کہ دنیا کو سب کچھ ملے اور تم الگ کھڑے رہو اس کے بعد تمہیں اجر ملے۔ تو بہرحال یہ جو یمین عرش میں جائیں گے۔ یہی ہیں وہ جسے میں نے عرض کیا تھا کہ اللہ کے پہلو میں جگہ مل جائے گی کہ دنیا میں انہوں نے اللہ کو عقیدہ کی آنکھ سے دیکھا تھا۔ قبر میں اس کے جلوے دیکھے، میدان محشر میں اس کی تجلّی دیکھی اور آخر میں جا کر مل جائیں گے یمین عرش میں حق تعالیٰ کے پہلو میں بیٹھ جائیں گے۔

قرآن کریم میں سعادت ایک بڑی سعادت ہے

یہ قرآن کا اثر ہوگا کہ آپ پڑھیں گے پڑھ کر اس کی چیزیں جمائیں گے دل میں اللہ کے کمالات آئیں گے، عظمت بیٹھے گی۔ ایمان مضبوط ہوگا اس کے انوار و برکات قلب کے اندر آئیں گے اور پھر وہ انوار محسوس طریق پر قبر میں نمایاں ہوں گے اور پھر اس سے زیادہ محسوس طریق پر تجلیات کی صورت میں میدان محشر میں نمایاں ہوں گے اور اس کے بعد حق تعالیٰ کا پہلو ہے کہ بس ہمارے پاس آجاؤ تو وہ

ساری چیزیں پوری ہوجائیں گی جو عبادت سے مطلوب تھیں۔ کہ دیکھ بھی لیں۔ اپنے معبود کے قریب بھی ہوجائیں اس سے مل بھی لیں، اس کے پہلو میں بھی جا بیٹھیں۔ یہ صرف قرآن کریم ہی کے ذریعہ تمنا پوری ہوسکتی ہے۔ تو آپ نے ترجمہ شروع کرا کر قرآن کریم کا درحقیقت راستہ کھولا ہے مسلمانوں کے لئے کہ وہ اللہ کو دیکھ لیں مل بھی لیں۔ اور اس کے پہلو میں بھی جا بیٹھیں اور اس سے ملاحق ہوجائیں آپ نے یہ بہت بڑی سعادت کا کام کیا ہے۔

قرآن کریم انقلابی کتاب ہے

یہی قرآنِ کریم ایک انقلابی کتاب ہے دلوں کو بدل دیتا ہے۔ روحوں کو بدل دیتا ہے۔ جنہوں نے اسے ہاتھ نہیں لگایا وہ تو نہیں جانتے کہ کیا چیز ہے کیونکہ انہوں نے استعمال نہیں کیا اس کو۔ اور جب تک کسی چیز کو استعمال نہ کیا جائے اس کے فوائد معلوم نہیں ہوسکتے ہیں اور نہ ہی اس کا کوئی اثر ہوسکتا ہے، جیسے قیمتی سے قیمتی دوا ہو لیکن اس کو استعمال نہ کیا جائے تو وہ کیا اثر کرے گی۔ مثلاً شہد کو کہا گیا ہے کہ اس میں شفاء ہے لیکن کوئی شخص شہد سے گھبرائے اور خیال کرے کہ شہد میرے گھر میں بھی داخل نہ ہوسکے، تو کیا فائدہ ظاہر ہوگا، ایسے ہی اگر قرآن کریم سے بچتے رہیں گے کہ قرآنِ کریم کو سنے بھی نہ اور اس کے پاس پھٹکے بھی نہ تو کیا اس کا نور ظاہر ہوگا، اسی کے لئے نور ظاہر ہوگا جو اس کو آکر سنے، اس کو پڑھے، اس کو دل میں جمائے۔ اسی سے اس کے انوار و برکات نمایاں ہوں گے تو اس کے لئے دیکھا جائے تو قرآن کریم ایک انقلاب کی کتاب ہے دلوں کو بدل دے۔ روحوں کو بدل دے، کایا پلٹ کردے۔ زمانۂ جاہلیت جو اسلام سے قبل کا زمانہ ہے اس کے اندر، دلوں میں۔ روحوں میں ہر برائی جمی ہوئی تھی، شرک میں وہ مبتلا تھے بدعات میں وہ مبتلا تھے، منکرات میں وہ مبتلا تھے۔ چوری ڈکیتی، زناکاری، ساری حرکتیں ان کے اندر موجود تھیں۔ عقیدہ صحیح، نہ عمل صحیح، نہ حال درست۔ بس جیسے جانور گذارتے ہیں اس طرح سے زمانہ جاہلیت کا دستور تھا، رات دن ڈکیتی۔ رات دن مار دھاڑ، قبیلوں میں جنگ اور کشت وخون۔ ہر وقت کا یہی مشغلہ تھا، قرآن کریم آیا

جن دلوں نے اس کو قبول کیا اور اس سعادت کو حاصل کیا تو ایک دم کایا پلٹی شروع ہوگئی پہلے ان کا نام تھا جہلاء مکہ۔ جب اس کو قبول کر لیا اب ان کا نام ہو گیا صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تو جہلائے مکہ سے بن گئے صحابۂ کرام کا وہ زمانہ زمانہ جاہلیت تھا اب اس کا نام ہوگیا خیر القرون کہ دنیا کے سارے زمانوں میں بہترین زمانہ ہے یہ۔ وہ لوگ جو جہالت میں مبتلا تھے وہی حضرات علماء کے استاد بنے۔ عرفاء کے شیخ بنے۔ پوری دنیا کو نور سے منور کر دیا ایک دم کایا پلٹ ہوگئی۔ جو ایک ایک پیسے کے لئے ڈکیتیاں ڈالتے تھے گردنیں کاٹتے تھے۔ اور مرتے تھے پیسے کے اوپر آج کی یہ کیفیت ہے کہ گھر بھرے ہوئے ہیں خزانوں سے اور وہ رُخ کر کے بھی نہیں دیکھتے۔

حضرت علی رضؓ کا واقعہ

حضرت علیؓ ایک مرتبہ خزانے میں تشریف لے گئے تو سونے اور چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، بیت المال میں لاکھوں روپیہ جمع تھا۔ سونے چاندی کو خطاب کر کے فرمایا یا دنیا غُرّی غیری اے دنیا دھوکہ کسی اور کو دینا۔ ہم تیرے دھوکہ میں آنے والے نہیں۔ اور خزانچی کو اسی وقت حکم دیا کہ غرباء میں دولت تقسیم کی جائے، رات بھر دولت تقسیم ہوئی۔ اندازہ لگایا تو لاکھوں روپے تقسیم ہوئے، یہ لوگ تھے جو پہلے ایک ایک پائی کے لئے جان دیتے تھے اور آج خزانے پڑے ہوئے ہیں اور اس کو خطاب کر رہے ہیں کہ ہم تجھ پر ریجھنے والے نہیں، ہم تجھ پر مرنے والے نہیں ہیں یہ کایا پلٹ کہاں سے ہوئی! اس قرآن نے ہی تو دلوں کو بدل دیا تھا، روحوں کو پلٹ کر رکھ دیا تھا، پہلے مال کی محبت تھی، اب کمال کی محبت ہوئی، پہلے مخلوق کی محبت تھی اب خالق کی محبت شروع ہوئی اور محبت میں مستغرق ہو گئے، غرق ہو گئے۔ کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔

حضرت جابر رضؓ کا واقعہ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ لکھ پتی صحابہ میں ہیں ایک دن گھر میں تشریف لائے تو اہلیہ محترمہ نے دیکھا کہ کچھ غمگین اور اُداس ہیں پوچھا کہ آج آپ اداس کیوں ہیں فرمایا

کہ خزانے میں روپیہ زیادہ جمع ہوگیا ہے دل کے اوپر بوجھ پڑ رہا ہے کہ اتنی خرافات
کہاں میرے سر پر لدگئی۔ اسکی وجہ سے غمگینی ہے۔ بیوی بھی صحابیہ تھیں انہوں نے
کہا کہ پھر غم کی کیا بات ہے اللہ کے نام پر غرباء کو تقسیم کر دو۔ بس تشریف لے لئے
اور خزانچی کو بلا کر حکم دیا کہ غرباء میں روپیہ تقسیم کیا جائے یتیموں اور بیواؤں کی مدد
کی جائے، تمام رات مدینہ کی گلیوں میں روپیہ تقسیم ہوتا رہا صبح کو جو حساب لگایا تو رات
بھر میں چھ لاکھ روپیہ تقسیم ہوا۔ صبح کو گھر پہنچے بہت بشاش بشاش۔ بیوی کے ہاتھ
چومے اور کہا کہ بہت عمدہ تدبیر تبلائی تھی میرا دل ہلکا ہوگیا تو پہلے یہ کیفیت تھی کہ
ان کا دل ہلکا ہوتا تھا جبکہ دولت زیادہ ہوتی تھی یا آج ہلکا ہونے لگا جب دولت ختم
ہوجائے یہ کایا پلٹ نہیں تھی تو اور کیا تھا، انقلاب نہیں تھا تو اور کیا تھا دل بدل گئے

دولت سے عورتوں کو زیادہ محبت ہوتی ہے مگر قرآن نے اس کو بدل کر رکھ دیا

دولت کی محبت سب سے زیادہ عورتوں کو ہوتی ہے اور ان ہی سے یہ روگ
مردوں کو بھی لگتا ہے اگر عورتیں نہ ہوں تو یہ بھی اس روگ میں مبتلا نہ ہوں اور یہ محبت
عورتوں میں اس لئے ہوتی ہے کہ پیدا ہوتے ہی یہ زیوروں کی جھنکار میں ہی پرورش
پاتی ہیں آج اس کے کان میں سوراخ کر دیئے تو بالیاں پڑ گئیں۔ ناک پھوڑ دی تو اس
میں لونگ گھس گئی ہاتھ پاؤں میں سونے چاندی کی بیڑیاں ڈالدیں وہ بندھ گئیں۔
تو پیدائش سے لیکر وہ مبتلا ہوتی ہیں سونے چاندی میں اس لئے اس کے دل میں
محبت بیٹھ جاتی ہے سونے چاندی کی۔ جس کو قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ اَوَمَنْ يُنَشَّؤُ فِي
الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ۔ کیا یہ عورت جو رات دن زیوروں کی جھنکار میں
پرورش پا رہی ہے یہ عقل کامل رکھتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر خاوند سے تو تو میں میں
ہوجائے تو خاوند تو اپنے دلائل پیش کرے گا اور یہ وہی مرغے کی ایک ٹانگ ہانکے جائے
گی نہ دلیل نہ حجت یہ اسی پر جمی رہے گی تو جو کلام کی ایک قوت ہوتی ہے وہ نہیں رہتی
کیونکہ علم نہیں اور علم اس لئے نہیں کہ مال یعنی سونا چاندی اندر گھسا ہوا ہے علم نورانی ہے

اور دولت سیاہ چیز ہے اور سیاہی کے ساتھ نور جمع نہیں ہوتا ہے اور سیاہی آنکھوں سے نظر آتی ہے آپ خود دیکھتے ہیں اب تو خیر وہ روپیہ نہیں رہا۔ سونے چاندی کا اب تو کاغذ رہ گئے ہیں مگر جب سونے چاندی کے سکے تھے تو اگر پچاس روپیہ گن لیں تو انگلیاں سیاہ ہو جاتی تھیں تو سونے چاندی میں کالک بھری ہوئی ہے گنتے گنتے ہاتھ بھر سیاہ ہو جاتے تھے جو عورتیں رات دن پیروں میں زیور پہنتی ہیں تو ان کے ٹخنوں پر سیاہ داغ پڑ جاتے ہیں حضرت مولانا نانوتوی کا مقولہ میں نے سنا اسی کے بارے میں فرمایا کہ دست زر آلود این قدر بد بو میکند۔ قلب زر د آلود چہ قدر بد بو خواہد کرد یعنی جو ہاتھ سونے چاندی کو لگتے ہیں اس میں اس قدر بد بو آجاتی ہے اگر کوئی دل اٹک جاتے سونے چاندی میں تو دل پر کتنی بد بو پیدا ہو گی اور کتنا تعفن پیدا ہو گا تو عورتوں کے بارے میں فرمایا اَوَمَنْ یُنَشَّؤُا فِی الْحِلْیَۃِ جب وہ عورتیں زیورات میں ہی نشو ونما پاتی ہیں تو ان کے اندر علم و کلام کی قوت کہاں سے ہو سکتی ہے وہ تو مرغ کی ایک ہی ٹانگ ہانکے جائیں گی، نہ حجت، نہ دلیل۔ دوسرا لاکھ دلیلیں بیان کرے وہ اپنی ہی ہٹ پر رہیں گی چونکہ دولت سے زیادہ محبت ہوتی ہے مگر قرآن کریم نے عوتوں کے دل اتنے بدل دیئے تھے کہ بجائے محبت کے بیزاری پیدا ہو گئی تھی سونے چاندی سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بھانجے حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ مکہ کے حاکم ہو گئے تھے تو انہوں نے بوریاں بھر کر گیہوں کی اور زیوروں کی اپنے خالہ کے ہاں ہدیہ کے طور پر بھیجی تو اندازہ کیجئے کتنے ہزاروں اور کتنے لاکھوں روپے ہوں گے جبکہ دو بوریاں بھری ہوئی ہوں ایک طرف سونا اور ایک طرف چاندی یہ تمام سامان لے کر خالہ کے گھر پہنچے، حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ میں کیا کروں گی اتنی دولت کو اس کو غریبوں میں تقسیم کر دو وہ دولت غریبوں کو تقسیم ہونی شروع ہو گئی۔ صبح سے تقسیم کرنا شروع ہوئی اور شام تک دو بوریاں خالی ہو گئیں باندی نے عرض کیا کہ ام المومنین تین وقت سے آپ پر فاقہ ہے کچھ آپ نے بھی رکھ لیا ہوتا فرمایا کہ بیوقوف پہلے سے کیوں نہیں کہا دو چار روپے میں بھی رکھ لیتی تو حالت یہ تھی کہ ذہن میں یہ بھی نہیں کہ تین وقت سے فاقہ میں ہوں اور مجھے کچھ رکھ لینا چاہیئے

اس قدر گویا کہ غنی ہو گئی تھیں زر سے اور دولت سے کہ یہ بھی یاد نہیں تھا کہ مجھے فاقہ ہے کچھ مجھے رکھنا چاہیئے باندی کے یاد دلانے پر یاد آیا تو عورتوں کے دل میں زیادہ محبت ہوتی ہے یہ انقلاب تھا قرآن کا پیدا کیا ہوا کہ عورتوں کے قلوب کو بھی اتنا پاک بنا دیا تھا کہ انہیں یہ بھی یاد نہیں آتا تھا کہ پیسہ پاس نہیں ہم فاقہ سے ہیں یہ قرآن کا ہی تو انقلاب تھا تو قرآن کریم دنیا میں بھی انقلاب پیدا کرتا ہے آخرت میں بھی۔ دنیا میں تو یہ کہ دل کے اندر بجائے کفر و معصیت کے ایمان کی حلاوت پیدا کرتا ہے اور آخرت میں جہنم سے بچا کے جنت میں پہنچاتا ہے فتنوں سے نکال کر امان میں پہنچاتا ہے قرآن یہاں بھی انقلاب لاتا ہے اور آخرت میں بھی انقلاب لائے گا اور برزخ میں قبر کے اندر بھی انقلاب لائے گا

فضیلت سورۂ تبارک

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سورۂ تَبَارَكَ الَّذِیْ کے بارے میں حکم یہ ہے کہ عشاء کے بعد اس کی تلاوت کر کے سویا کرو۔ اس کے بارے فرمایا گیا هِيَ الرَّافِعَةُ هِيَ الْمُنْجِيَةُ هِيَ الْمَانِعَةُ یہ واقعہ بھی ہے کہ عذاب کو دفع کرتی ہے، یہ مانعہ بھی ہے کہ روک لگاتی ہے مصیبتوں پر یہ منجیہ بھی ہے جو نجات دلاتی ہے عذاب سے، تو قبر کے اندر نجات دلا دینا۔ عذاب کو دفع کر دینا اور روک دینا یہ خاصیت ہے تبارک الذی کی۔ اسی واسطے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سوتے وقت سورۂ تَبَارَكَ الَّذِیْ پڑھ کر سویا کرو۔ اس لئے کہ سونا اور مرنا برابر ہے سونے والا گویا کہ موت کے منہ میں جا رہا ہے موت سہل ہونے کے لئے ہی فرمایا ہے کہ سورۂ تبارک الذی پڑھو۔ یہ برزخ میں بھی نجات دلائے گی میدان محشر میں بھی بچائے گی یہ امر ہے شریعت کا اگر کوئی حافظ ہے تو حفظ پڑھ لیا کرے اور حافظ نہیں ہے تو دیکھ کر پڑھ لیا کرے پانچ منٹ کی کیا بات ہے عشاء کا وضو ہوتا ہی ہے پڑھ کر سو جائے اس کی برکات حاصل ہوں گی

سورۂ تبارک کا فرشتوں اور حق تعالےٰ کے ساتھ مکالمہ

حدیث میں آیا ہے کہ جب میت کو قبر میں لٹا یا جائے گا اور عذاب کے فرشتے ہر

طرف سے گھیریں گے، اس وقت سورۃ تَبَارَكَ الَّذِی کو ایک شکل دی جائے
گی۔ وہ اس شکل میں آکر کہے گی کہ خبردار جو تم آگے بڑھے اس عذاب کو فوراً روک لو
تو ملائکہ عذاب کہیں گے کہ ہم کو تو اللہ کا حکم ہے ہم آپ کے کہنے سے کیسے رُک جائیں
گے وہ کہے گی کہ میں اللہ کا کلام ہوں. فرشتے کہیں گے کہ یہ سب کچھ صحیح ہے کہ آپ اللہ
کا کلام ہیں مگر وہاں سے .... ہمیں کلام والے کا آرڈر ہے کہ عذاب دو تو ہم کیسے
رُک جائیں تو یہ سورۃ غضب ناک ہو جائے گی ان پر ملائکہ عذاب کہیں گے کہ آپ اللہ
سے کہیں ہمیں نہ روکیں ہم آپ کے کہنے سے رُک نہیں سکتے۔ ہم تو آرڈر کے پابند ہیں
تو وہ سورۃ کہے گی کہ ایک منٹ رک جاؤ۔ اسی وقت عروج ہوگا اور پہنچے گی حق تعالےٰ
شانہ کی بارگاہ میں اور جا کے کہے گی بہت غصّے سے کہ یا تو اے اللہ مجھے اپنے کلام سے
نکال دے کہ میں آپ کے قرآن کی سورت نہ رہوں۔ اور اگر میں سورت ہوں تو اس کے
کیا معنے ہیں کہ ملائکہ میری تعمیل نہیں کرتے ہیں۔ میں تو آپ کا کلام ہوں۔ میں آرڈر دیتی ہوں
کہ وہ روکیں عذاب کو مگر وہ روکتے نہیں تو یا تو مجھے قرآن سے نکال دیجئے اور رکھنا ہے تو
اس کے کوئی معنے نہیں کہ میرا حکم نہ چلے حق تعالےٰ شانہ فرمائیں گے۔ مَا أُرَاكِ غَضِبْتِ
میں دیکھتا ہوں تو تو بہت غصہ میں بھری ہوئی ہے تو کہے گی وَحُقَّ لِیْ اَنْ اَغْضَبَ
مجھے حق ہے کہ میں غصہ کروں، میں کوئی معمولی چیز نہیں ہوں میں آپ کا کلام ہوں
کیا وجہ ہے کہ میری تعمیل نہ کی جائے۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے اس میت کو تیرے
سپرد کر دیا جو مناسب سمجھے تو کر اب آئے گی آرڈر لیکے اور ملائکہ عذاب سے کہے گی خبردار
جو تم آگے بڑھے یہ آرڈر ہے تو حدیث میں آتا ہے کہ وہ ملائکہ منہ بسورتے ہوئے رخصت
ہوں گے جیسے کوئی شرمندہ شکست کھا کر جاتا ہے کہ ہماری کچھ بات بھی نہ چلی وہ منہ
بسورتے ہوئے واپس ہوں گے۔ اور قبر خالی ہو جائے گی ملائکہ عذاب سے۔

سورۃ تبارک کا میت کے ساتھ برتاؤ

حدیث میں ہے کہ یہ سورہ میت کے منہ پر اپنا منہ رکھے گی جیسے کوئی بوسہ لیتا ہے
اور کہے گی کیسا مبارک منہ ہے کہ جس سے میری تلاوت کی گئی تھی۔ پھر سینے پر منہ رکھے

گی کہ کیسا مبارک سینہ ہے کہ جس میں محفوظ تھی۔ پھر قدموں پر منہ رکھے گی کہ کیسے مبارک قدم ہیں کہ جن سے کھڑے ہو کر میری تلاوت کی گئی تھی اور اس وقت میت سے کہے گی کہ تو آرام سے اور اطمینان سے رہ کوئی تیرے اوپر بار نہیں میں موجود ہوں کوئی فکر کرنے کی بات نہیں۔ تو قرآن کریم دنیا میں کایا پلٹ کر دے تو قلوب کو نورانی بنا دیتا ہے برزخ میں کایا پلٹ کر کے عذاب کو دفع کرتا ہے اور میدان محشر میں اللہ کے یمین میں پہنچا دیتا ہے۔ تو قرآن کریم میں ایک تبدیل اور انقلاب کا مادہ ہے کہ دلوں کو بدل دے روحوں کو بدل دے، ناپاک کو پاک بنا دے یہ انقلاب کا مادہ قرآن کے اندر موجود ہے

انقلابِ عظیم

دنیا میں کتنا بڑا انقلاب بپا ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قرآن کریم کی تلاوت کی ہے تو لوگ بدل گئے جو جاہلین مکہ تھے وہ صحابہ کرام بن گئے زمانہ بدل گیا جاہلیت کے بجائے خیر القرون اس کا نام ہو گیا اور صحابہ اس مقام پر پہنچے کہ امت کا عقیدہ ہے کہ اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عُدُوْلٌ سارے صحابہ متقی۔ پارسا۔ پاک دامن اور قلوب کے اندر کامل تقویٰ لئے ہوئے ہیں حق تعالیٰ نے ان ہی کے لئے فرمایا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الرَّاشِدُوْنَ یہی لوگ ہیں جو بزرگ اور برتر ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی یہی وہ لوگ ہیں جو جانچے اور پرکھے ہوئے ہیں کہ اللہ جانچ چکا ہے ان کے تقوے اور پاکیزگی نفس کو اس امتحان کے بعد صحابہ سے کسی عمل میں کسی غلطی کا ہو جانا تو ممکن ہے مگر نیت کی خرابی سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی ہے اللہ نے شہادت دی ہے کہ قلوب ان کے پاک ہیں اس لئے بدنیتی سے وہ کوئی عمل نہیں کریں گے۔ یہ ممکن ہے کہ رائے کی غلطی سے۔ خطائے اجتہادی سے یا خطائے فکری سے کوئی کام کرلیں لیکن قلوب ہوتے ہیں پاک۔ تو متقی آدمی سے اگر کبھی گناہ بھی ہو جاتے تو وہ متقیوں کے دائرے سے کبھی خارج نہیں ہوتا اس لئے کہ قلب میں پاکیزگی ہے۔ بشری غلطی ہر ایک کے ساتھ لگی ہوتی ہے۔ انبیاء معصوم ہیں۔ انبیاء کے بعد کوئی بھی معصوم نہیں۔ تو گناہ بھی ہو سکتا ہے غلطی بھی

ہو سکتی ہے مگر دلوں کا کھوٹ صحابہ میں نہیں اسی کی شہادت قرآن میں دی ہے کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى یہی وہ لوگ ہیں جو جانچے پرکھے ہیں یہ تقوی وطہارت سے بھرے ہوئے ہیں اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ یہی ہیں بزرگ لوگ۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ وہ لوگ جو اول اول ایمان لائے مہاجرین ہوں یا انصار ہوں پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ان کے تابع ہو کر ایمان لائے سب کے بارے میں فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہوا وہ اللہ راضی ہیں یہ وعدہ قیامت تک کیلئے ہے کیونکہ یہ قرآن میں مذکور ہے اور قرآن قیامت تک رہے گا۔ تو رضا کا جو اعلان ہے یہ بھی قیامت تک ہے یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ درمیان میں معاذ اللہ کچھ صحابہ ہٹ گئے ہوں اگر ہٹ جاتے تو اس قول کے کوئی معنے نہ رہتے یہ تو ابدی قول ہے ازل سے چلا ہے اس لئے صحابۂ کرام اول سے لیکر اخیر تک مرضی اور پسندیدۂ رب اور مقبولان خداوندی میں سے ہیں

صحابہ کا مقام غیر کے مقابلہ میں۔

اس لئے امت کا عقیدہ ہے کہ اس امت میں بڑے سے بڑا غوث قطب اور ولی کامل بھی بن جائے مگر صحابی کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا ہے، اس لئے کہ صحابہ نے ان آنکھوں سے زیارت کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی ان کانوں سے سنا ہے کلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا، ان ہاتھوں سے مصافحہ کیا ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم اور آپ بعد کے لوگ تو عقیدے سے جانتے ہیں وہ آنکھوں سے ہاتھوں سے جانتے تھے۔ تو جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ متصل ہیں اور برکتیں لی ہیں وہ برکت دوسروں میں نہیں آسکتی دوسرے اگر لیں گے تو ان کی تابعداری اور پابندی کر کے تو لے سکتے ہیں اور اگر تابع ہونے سے الگ رہ جائیں تو کچھ بھی نہ ملے گا بہر حال ایک تو وہ شخص ہے کہ براہ راست دھوپ میں آکر کھڑا ہو جائے اور سورج اس کے سر پر ہے تو گرمی اور تپش اور نورانیت کتنی ہو گی؟ اور ایک وہ شخص ہے کہ مکان میں بیٹھا ہوا ہے۔ اور آفتاب کی روشنی تو آرہی

ہے مگر آفتاب سر پر نہیں تو یقیناً نور بھی ہلکا ہو جائے گا۔ اور گرمی بھی ہلکی ہو جائے گی۔ تو صحابہ وہ ہیں کہ انہوں نے آفتاب نبوت کی گرمی کو بلا واسطہ اپنے سر کے اوپر لیا ہے۔ اور ہم وہ ہیں کہ مکانوں کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں کچھ روشنی پہنچ گئی جس سے ہماری آبادی آنکھیں کھل گئیں۔ براہ راست سورج ہمارے سر کے اوپر نہیں ہے تو صحابی کی شان جیسی غیر صحابی نہیں بن سکتی ہے صحابہ بہت اونچے مقام پر ہیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّہِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ میرے سارے صحابہ ستاروں کے مانند ہیں جس کی روشنی میں چل پڑو گے ہدایت پاؤ گے۔ آپؐ نے پوری قوم کو ہادی اور ہدایت یافتہ فرمایا۔ گومن حیث الطبقہ۔ کوئی طبقہ ایسا نہیں ہے کہ جس کی قرآن نے تقدیس اور بزرگی بیان کی ہو سوائے صحابہ کے کہ ان کی بزرگی کا قائل خود قرآن کریم ہے تو ان سے زیادہ مقدس پارسا۔ پاکباز کون ہو سکتا ہے۔ تو امت میں بڑے سے بڑا ولی، غوث قطب۔ بھی بنے صحابی کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔

مرتبۂ صحابہ پر ایک واقعہ۔

حضرت حسن بصری رح سے کسی نے پوچھا تھا کہ امیر معاویہ افضل ہیں یا عمر بن عبد العزیز افضل ہیں امیر معاویہ صحابی ہیں۔ اور عمر بن عبد العزیز تابعی ہیں انہوں نے حضورؐ کو نہیں دیکھا ہاں حضرات صحابہ کرام کو دیکھا ہے۔ مگر عادل اتنے بڑے تھے کہ لوگ ان کو عمر ثانی کہتے ہیں یعنی حضرت عمرؓ کا دور لوٹ آیا تھا ان کے زمانۂ خلافت میں عدل و انصاف انتہائی درجہ پر تھا۔ اس عدل و انصاف کے باوجود تین سو نفلیں بھی ثابت ہیں جو روزانہ پڑھتے تھے اور علمی مشغلہ الگ رہا تو حضرت عمر ابن عبد العزیز کا بہت ہی اونچا مقام ہے اور امیر معاویہ سے ان کے دور خلافت میں کچھ خطاء اجتہادی اور خطائے فکری بھی ہوئی ہیں اس بنا پر لوگوں نے حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا کہ حضرت عمر ابن عبد العزیز افضل ہیں یا امیر معاویہ۔ حضرت حسن بصریؒ نے جواب دیا کہ اگر امیر معاویہ گھوڑے پر سوار ہوں اور گھوڑے کی ناک میں کچھ پانی

آجائے اور اس پانی پر کچھ گرد بیٹھ جائے وہ گرد ہزار درجہ افضل ہے عمر ابن عبدالعزیز سے اس لیے کہ عمر ابن عبدالعزیز تابعی ہیں اور امیر معاویہ صحابی ہیں اور کوئی شخص کتنے ہی اونچے مقام پر پہنچ جائے مگر صحابہ کی گرد کو نہیں پہنچ سکتا ہے۔

صحابہؓ نے دنیا بھر میں انقلاب برپا کیا !!!

صحابہ کرامؓ نے حضور اقدس سے بلاواسطہ قرآن اخذ کیا دل بدل گئے ارواح بدل گئیں جذبات بدل گئے۔ پھر جہاں بھی یہ حضرات پہنچے وہاں بھی انقلاب برپا کر دیا۔ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے۔ خیر تخت الٹ دینا تو یہ ہے کہ ملک فتح کر لیا قیصر کا ملک فتح ہوگیا رومی ماتحت بن گئے، کسریٰ کا ملک فتح ہوگیا۔ ایران پر حکومت قائم ہوگئی۔ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے مگر بڑی بات یہ ہے کہ جہاں بھی صحابہ پہنچے ملک بدل دیا، تہذیب بدل دی مذہب بدل دیا، زبان بدل دی۔ ساری چیزوں میں تبدیلی پیدا ہوگئی۔ آج آپ۔ ممالک عربیہ کہتے ہیں مصر کو شام عراق کو۔ حالانکہ یہ عرب ممالک نہیں تھے۔ عراق جو ہے۔ وہ خراسان کا ملک ہے اس میں اور زبان بولی جاتی تھی۔ عربی نہیں بولی جاتی تھی۔ مصر قبطیوں کا ملک ہے اس میں قبطی زبان بولی جاتی تھی، شام عیسائیوں کا ملک تھا اس کے اندر رومی زبان بولی جاتی تھی، فلسطینی بولی جاتی تھی۔ یہ صحابہ کی شان ہے کہ عراق میں پہنچے مذہب بھی بدل دیا۔ زبان بھی بدل دی۔ مصر میں پہنچے مذہب بھی بدل دیا اور زبان عربی ہوگئی۔ تمدن تک بدل دیا۔ تہذیب تک بدل دی تو یہ تبدیلی اور انقلاب کی شان صحابہ میں کہاں سے آئی؟ اس قرآن کے ذریعہ سے آئی۔ صحابہ اسی کو لے کر کھڑے ہوئے۔ اسی کو دستور العمل بنایا تو عالم کی کایا پلٹ دی

قرآن سے دوری فساد کا سبب ہے

آج جتنا قرآن سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اتنا ہی فساد برپا ہو رہا ہے اور شرک کا انقلاب آتا جا رہا ہے کہ خیر سے شرک کی طرف آ رہے ہیں لوگ علم سے جہالت کی طرف آ رہے ہیں۔ تہذیب سے بدتہذیبی کی طرف تو انقلاب خیر اور انقلاب حسن کو قرآن پیدا کرتا ہے اور انقلاب شر ترک قرآن پیدا کرتا ہے۔ قرآن کو ترک کر دو گے دوسرا انقلاب

آتا چلا جائے گا۔ تہذیب سے بدتہذیبی ہوتی چلی جائے گی، شائستگی بدل جائے گی۔ ناشائستگی سے علم ختم ہو جائے گا۔ جہالت سے اخلاق حسنہ جاتے رہیں گے۔ بداخلاقیاں پیدا ہوتی جائیں گی اس لئے علم، اخلاق اور کمالات یہ قرآن ہی سکھاتا ہے جب آدمی اس جڑ سے وابستہ نہ رہے تو کمالات کی شاخیں سامنے کہاں سے آجائیں گی۔ بہرحال قرآن برکت بھی ہے۔ ہدایت بھی ہے۔ نور بھی ہے۔ اور وہ انقلاب بھی ہے کہ جب آتا ہے تو کایا پلٹ دیتا ہے۔

جنات کا اسلام

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جنات اور شیاطین آسمانوں کے دروازوں تک پہنچ جاتے اور ملائکہ کی گفتگو سن لیتے اس میں کچھ جھوٹ ملا کر اپنے مقتقدوں میں اسکی تبلیغ کرتے۔ یہ ان کا مشغلہ تھا۔ آپ کی بعثت کے وقت یہ سلسلہ ان کا منقطع کر دیا گیا اب کوئی آسمان پر اگر جاتا ہے تو اسے آگ کے بم مارے جاتے ہیں جس سے وہ بھسم ہو جاتا ہے۔ فرشتے ان کو آسمان کے قریب بھٹکنے بھی نہیں دیتے یہ جنات اس جستجو اور ٹوہ میں تھے کہ کونسی ایسی وجہ ہے کہ جس کی وجہ سے ہم کو روک دیا گیا ہے۔ یہ تو سمجھتے تھے کہ کوئی حادثہ ضرور پیش آیا مگر کونسا حادثہ ہے یہ معلوم نہ ہو سکا تھا۔ اسکی جستجو اور تلاش میں نکلے اور ان جنات کا وفد مکہ مکرمہ پہنچا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرما رہے تھے قرآن کریم کی۔ انہوں نے قرآن کریم کو سنا اور سمجھ گئے کہ یہی وہ کلام ہے جس کے نازل ہونے کی وجہ سے ہمارے راستے بند ہوئے ہیں تاکہ ہم اس میں خلط ملط نہ کر سکیں۔ تو انہوں نے جا کر اپنی قوم سے کہا۔ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا یَّهْدِیْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا۔ ہم آج ایسا کلام سُن کر آئے ہیں کہ جو بزرگی کی طرف لیجاتا ہے رہنمائی کرتا ہے کمالات کی طرف۔ ہم تو اس کلام پر ایمان لے آئے۔ اور ہم شرک نہیں کریں گے۔ ہمیں تو توحید کامل نصیب ہو گئی ہے اس کلام کو سنکر۔ یہی ہے وہ کلام جس کی وجہ سے ہمارے راستے روکے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات میں مشرکین بھی تھے۔ مشرکین آئے انہوں نے قرآن سُنکر توبہ کی۔ کہ وَلَنْ

نُشْرِكَ بِرَبِّنَا اَحَدًا اب ہم شرک نہیں کریں گے۔ یہ کمال تو ہمیں آج معلوم ہوا کہ توحید اتنی کامل ہے جس کو قرآن لے کر آیا ہے وَاَنَّہٗ تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَۃً وَّ لَا وَلَدًا۔ اور ہم توبہ کرتے ہیں اس سے جو ہم نے عقیدہ جمار کھا تھا کہ اللہ کے یہاں کوئی بیٹا ہے۔ اللہ کی کوئی اولاد ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اندر عیسائی بھی تھے جو کہ عقیدہ ابنیت کے قائل تھے۔ اس سے توبہ کی جنات نے۔ تو قرآن کے وہ لفظ کان میں پڑے تھے کہ ایک انقلاب پیدا کر دیا کفر سے ایمان کی طرف آگئے۔ شرک سے توحید کی طرف آگئے۔ ناشائستگی سے شائستگی کی طرف آگئے

قرآن کریم اخلاق حسنہ پیدا کرتا ہے

یہی قرآن کریم ہے جو لوگوں کے دلوں کو بدلتا ہے۔ اگر اس کو پکڑے ہوئے ہیں تو خیر کی طرف پھرتے رہیں گے اگر اسے ترک کر دیا تو شر کی طرف بڑھیں گے فتنوں کی طرف بڑھیں گے ایک سے دوسرے کو چین نہیں ملے گی تو قرآن نے پیدا کیا، ایثار، ہمدردی، محبت، خدمت گذاری جذبہ اطاعت۔ اپنے نفع پر اپنے بھائی کے نفع کو ترجیح دینا یہ جذبات پیدا کر دیئے تھے۔ خود غرضی مٹا کر لاغرضی پیدا کر دی اور اس درجہ کہ موت گوارہ مگر اپنے بھائی کا نقصان گوارہ نہیں۔

غزوہ بدر کے اندر بعض صحابہ زخمی ہو کر گرے۔ لشکر میں کچھ آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں جو مجاہدین کی ضرورت پوری کرتے ہیں مثلاً مرہم پٹی وغیرہ۔ انہوں نے آکر مرہم پٹی کی۔ ایک صحابی تھے ان کو پیاس کا غلبہ ہوا تو فرمایا پانی اسوقت ایک آدمی کٹورہ بھر کر پانی کا لایا منہ کے قریب لے گئے کہ قریب سے ایک اور آواز آئی کہ پانی فرمایا کہ پہلے ان کو پلاؤ۔ میں بعد میں پیوں گا۔ وہاں لے گئے۔ ان کے منہ سے لگایا، ایک تیسری آواز آئی کہ پانی انہوں نے کہا کہ پہلے اسے پلاؤ میں بعد میں پیوں گا۔ وہاں پہنچے تو چوتھی آواز آئی، وہ نہیں پینے پائے کہ پانچویں آواز آئی وہاں پہنچے تو چھٹی آواز آئی۔ غرض سات آوازیں آئیں ساتویں تک پہنچے تو وہ شہید ہو چکے تھے چھٹے کے پاس لوٹ کر آئے تو وہ بھی شہید ہو چکے تھے پھر لوٹے کہ پانچویں کو پلاؤں وہ بھی شہید ہو چکے تھے۔ اسی طرح لوٹ کر واپس آتے رہے اور دیکھتے رہے کہ شہید ہو چکے ہیں یہاں

تک کہ ساتوں کے ساتوں پیاسے شہید ہوئے مگر یہ گوارہ نہ کیا کہ میں پانی پیوں اور میرا بھائی برابر میں پیاسا لیٹا رہے موت گوارہ کی مگر دوسرے کا پیاسا رہنا گوارہ نہ کیا وہی لوگ جو ایک پانی کے لئے دوسروں کے گلے کاٹتے تھے آج ان میں اس درجہ ایثار پیدا ہوگیا کہ موت گوارہ کی مگر دوسرے کی پیاس گوارہ نہیں۔ یہی وہ عظیم انقلاب ہے جو قرآن کریم نے پیدا کیا ہے صحابہ کرام کے اندر۔ ان ہی معشت خاک کو کیمیا بنادیا۔ سونا چاندی بنادیا اور ایسا بنادیا کہ دنیا کی کایا پلٹ کردی انہوں نے۔

کلام الٰہی مخلوق نہیں، روح ہے۔

قرآن کریم کے بارے فرمایا گیا کہ تَبَرَّكُوْا بِالْقُرْاٰنِ الخ برکت حاصل کرو قرآن سے اس لئے کہ یہ اللہ کے اندر سے نکلی ہوئی چیز ہے یہ پیدا کی ہوئی چیز نہیں ہے کلام خداوندی اس کا پیدا کردہ نہیں ہے بلکہ اس سے صادر ہورہا ہے۔ اس نے سورج پیدا کیا اس نے چاند پیدا کیا۔ زمین پیدا کی اور کلام خود بخود اندر سے نکل کر آتا ہے اس لئے کلام مخلوق نہیں ہے۔ مخلوق میں روح بنکر کلام بھرا ہوا ہے جس کی وجہ سے اشیاء اپنی اصلیت پر قائم اور صحیح معلوم ہوتی ہیں اسی لئے فرمایا کہ کلام اللہ سے برکت حاصل کرو اس لئے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اور اللہ کے اندر سے نکل کر آیا ہے۔ پیدا کیا ہوا نہیں ہے پیدا کئے ہوئے تو ہم اور آپ ہیں خداوند عالم نے ان مخلوقات کو اپنے اندر کی چیز نکال کردی ہے تاکہ ان کے اندر اس کلام کی برکت سے تہذیب پیدا ہو۔ شائستگی پیدا ہو۔ تو اس اعتبار سے دو عالم ہوئے ایک عالم خلق ہے جس کو اللہ نے پیدا کیا۔ اور ایک عالم ارواح ہے کہ اپنے حکم سے اپنے کلام سے اس کے اندر روح ڈالی ہے تو قرآن کریم درحقیقت روح الٰہی ہے روح خداوندی ہے جس سے اقوام زندہ ہوئیں۔ جو نہیں آیا وہ نہیں پایا، جس نے اسے لے لیا وہی زندہ ہوا۔ حضرات صحابہ نے اس روح کو لیا اس لئے وہ ایسے زندہ ہوئے کہ لاکھوں کروڑوں مردوں کو زندہ کردیا انہوں نے۔

ہمارا حال

ہم نے آج اس روح کو نکال دیا ہے پس پڑے ہوئے ہیں بے جان جس کا جی چاہے مارے جس کا جی چاہے کاٹ دے جس کا جی چاہے کچھ کرلے چونکہ ہمارے اندر جان ہی باقی نہیں ہے اور نہ ہی روح باقی ہے گیند کو آپ نے دیکھا ہوگا، گیند میں جب ہوا بھری ہوئی ہوتی ہے تو اگر اسے زمین پر دے ماریں تو گیند کھا کر چار گز اوپر کو اچھلتی ہے وہ نیچا دیکھنا نہیں چاہتی۔ ربڑ کی یہ خاصیت نہیں ہے بلکہ وہ جو ربڑ میں ہوا بھری ہوئی ہے۔ وہ اسے اچھال رہی ہے۔ اگر سوئی لگا کر اس کی ہوا نکال دو۔ اور پھر نیچے ڈال دو۔ وہ پھس پھسی ہو کر نیچے گر جائے گی جس کا جی چاہے جہاں پھینکدو اب وہ گیند ابھی نہیں کھائے گی اس لئے کہ اس کے اندر روح تو ہے ہی نہیں یعنی ہوا نہیں ہے تو مومن کے اندر جو چیز ہوا بھرتی ہے وہ ہے قرآن کریم پھر اگر اس کو ٹھنچو گے تو اچھل کر چار گز اوپر جائے گا۔ نیچا دیکھنا نہیں چاہے گا اَلْقُرْاٰنُ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلیٰ جیسا کہ اَلْاِسْلَامُ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلیٰ اسلام بلند ہے اسے کوئی پست نہیں کرسکتا ہے اسکی روح جس میں آجائے گی وہ بھی بلند ہو جائے گا جس میں سے نکل جائے گی وہ پست ہو جائے گا آج ہماری مثال گیند کی سی ہے مگر وہ گیند جس میں سے ہوا نکل گئی ہو اس لئے جس کا جی چاہے ٹھوکریں مار دے اور جس کا جی چاہے پامال کر دے کیونکہ طاقت نہیں کہ چوں بھی کر سکے لیکن وہ روح ہوتی تو کسی کی مجال نہیں تھی کہ کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ آخر یہ ہی اقوال چار سو پانچ سو برس پہلے بھی تھیں جو آج ہیں اس وقت بھی تھیں اس لئے کہ وہ روح نہیں ہے جو اس وقت روح تھی ڈر پیدا ہوتا ہے زندہ آدمی سے۔ میت سے کوئی تھوڑا ہی ڈرتا ہے، میت کو چاہے لاٹھی ماردو چاہے جلا دو۔ چاہے زمین میں دفن کردو کوئی کہنے والا نہیں ہے۔ بلکہ اگر دفن کر دیا جائے تو لوگ شکریہ ادا کریں گے اچھا ہوا دفن کر دیا۔ ورنہ بو پھیلتی۔ لاش گلتی۔ سڑتی۔ لاش کو دفن کرنے پر کوئی برا نہیں مانتا۔ بلکہ تعریف کرتے ہیں۔ اور شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہاں اگر کوئی زندہ کو دفن کر دے تو مقدمہ قائم ہو جاتے گا اور پوری پبلک خلاف میں کھڑی ہو جائے گی۔ اور لوگ کہیں گے کہ کیا حق تمہیں زندہ دفن کرنے کا۔ تو

آج ہم لوگ جب میت بن گئے تو جس کا جی چاہے دفن کر دے جس کا جی چاہے جلا دے جس کا جی چاہے گرا دے چوں کرنے کی بھی طاقت نہیں ہے، کیوں کہ روح نہیں ہے جس سے ابھرتے تھے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ وہ روح پیدا کی جائے۔ اور وہ روح یہ ہی قرآن کریم ہے جس کو اللہ نے اپنی روح کہا ہے فرمایا وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا اے پیغمبر ہم نے آپ کی طرف اپنی روح کی وحی کی ہے آپ کے اندر اپنی روح ڈالی ہے عالم امر سے جس سے آپ بلند و بالا ہیں اور جس کے اندر آپ یہ روح ڈالیں گے وہ بھی بلند و بالا ہوتا چلا جائے گا اور جو عمل نہیں کرے گا وہ پھس پھسا ہو کر رہ جائے گا۔ جیسے گیند میں سے ہوا نکال دی جائے پھر جس کا جی چاہے اسے جوتے سے مسل دے جس کا جی چاہے تلوے کے نیچے رگڑ دے یہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ تو آج ضرورت اسکی ہے کہ قرآن کریم کو سنبھالا جائے۔ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ کچھ دولت ہو ہمارے پاس کچھ بلڈنگیں ہوں کچھ جائیدادیں ہوں۔ جب ہی ہم پنپ سکتے ہیں حالانکہ پنپنے کی یہ صورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں چھن بھی سکتی ہیں۔ انقلابات میں گھر تک چھن جاتے ہیں جائیدادیں تک چھن جاتی ہیں۔ دوکانیں تک بک جاتی ہیں۔ بازار تک جلا دیئے جاتے ہیں۔ اگر ان سے شوکت وابستہ ہو تو وہ سب ختم ہو جائیں گی لیکن اگر اندر روح بھری ہوتی ہے تو لاکھ بازار جلیں تو وہ چلتے رہیں۔ پھر سینکڑوں قائم ہو جائیں گے مگر مومن کو ذرا برابر فکر نہ ہو گی نہ جلنے کی نہ آنے کی اس واسطے جہاں اور تدابیر کرتے ہیں وہ ثانوی درجہ کی ہیں، پہلی تدبیر یہ ہے کہ مسلمان مسلمان تو بنے اور بننے کے معنی یہ ہیں کہ اس قرآن کی روح کو اپنے اندر داخل کریں

آمدم بر سر مطلب

بہر حال یہ سلسلہ جو آپ حضرات نے قائم فرمایا ہے مبارک سلسلہ ہے مگر اس کو رسمی نہ بنایا جائے بلکہ پڑھایا جائے اور پڑھانے کے ساتھ سنا بھی جائے یعنی پڑھانے والا اور ترجمہ کرنے والا کبھی کبھی امتحان بھی لیتا رہے کہ کل ہم نے کیا بتایا تھا۔ اس فلاں آیت کا کیا مطلب ہے۔ اس پر آپ نے کچھ عمل بھی کیا ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ محض پڑھا دینا

ہی کافی نہیں بلکہ تربیت بھی ضروری ہے علم کے ساتھ ساتھ پھر اس کو دستور زندگی بنانا بھی ضروری ہے علم اس وقت تک نفع نہیں پہنچا سکتا ہے جب تک کہ اس کو دستور زندگی نہ بنایا جائے اور اس پر عمل نہ کیا جائے

علم ایک نعمت ہے اگر اس پر عمل ہو ورنہ تو مصیبت ہے

علم کے ساتھ اگر عمل ہے تو نافع اور نعمت ہے اور اگر عمل نہ ہو تو علم وبال جان ہے حدیث میں ہے کہ وَيْلٌ لِلْجَاهِلِ مَرَّةً وَوَيْلٌ لِلْعَالِمِ سَبْعَ مَرَّاتٍ جاہل ایک دفعہ برباد اور عالم سات دفعہ برباد ہو جاہل تو یہ کہدے گا کہ صاحب مجھے تو مسئلہ کا علم نہیں ہے میں کیسے کرسکوں عالم یہ بات نہیں کہہ سکتا ہے اس لئے عالم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات بددعائیں دی ہیں اور جاہل کو ایک بددعا دی ہے اس واسطے کہ عالم ہو کر عمل نہ کرے وہ زیادہ وبال جان ہے بہ نسبت اس کے کہ جاہل ہو کر عمل نہیں کرتا، کسی درجے میں عذر تو ہے کہ صاحب مجھے پتہ نہیں ہے۔ متنبی نے کہا تھا۔ فَإِنْ كُنْتَ لَا تَدْرِي فَتِلْكَ مُصِيبَةٌ فَإِنْ كُنْتَ تَدْرِي فَالْمُصِيبَةُ أَعْظَمُ اگر تم نہیں جانتے تو بے شک یہ ایک مصیبت ہے اور ایک برائی ہے کیونکہ جاہل ہے۔ لیکن بہر حال یہ ایک مصیبت ہے اور اگر جانتے ہو عمل نہیں کرتے تو یہ ڈبل مصیبت ہے اس سے بہتر یہ ہے کہ جاہل ہی رہے

مترجم کو تاکید

آپ نے قرآن کا ترجمہ پڑھایا۔ احکام سمجھائے اخلاق بتلائے پھر چند دن کے بعد جانچ بھی کرتے رہیں۔ پوچھ گچھ بھی کرتے رہیں۔ کہ بھائی کتنا عمل ہوا۔ کتنا نہیں۔ نہیں ہوا تو اس کی ترکیب بتلائیں جیسے کہ احادیث میں دعائیں وارد ہوئی ہیں اور قرآن کریم میں بھی بہت سی دعائیں ہیں۔ یہ تمام کی تمام سکھادی جائیں اور پھر سنی بھی جائیں ان سے معاشرت کی اصلاح ہوتی ہے اخلاق درست ہوتے ہیں۔ ماحول بنتا ہے اس لئے محض ترجمہ پڑھا دینا ہی ذمہ داری نہیں ہے میں تو یہ کہتا ہوں کہ ترجمہ پڑھانے والا۔ عمل بھی دیکھتا رہے اور تربیت بھی کرتا رہے۔ یہ نہ دیکھے کہ بس ان کو علم ہو گیا ہے۔ یہ تو اور مصیبت بن

جائے گی حکمت کے ساتھ ان کی تربیت کرتا رہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض تعلیم ہی نہیں دی ہے صحابۂ کرام کو کہ صرف قرآن کے معنے بتلا دیئے ہوں یا سمجھا دیئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کی بھی مشق کرائی ہے اور عمل کی نگرانی بھی فرمائی ہے۔

حضورؐ کا طرزِ تعلیم اور حکمت عملی

حدیث میں ہے کہ ایک قبیلہ حاضر ہوا کہ یا رسول اللہ ہم ایمان لانا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا، بسم اللہ اہل قبیلہ نے کہا کہ ایک شرط ہے۔ وہ یہ ہے کہ صبح کی نماز نہیں پڑھیں گے، عشار کی نماز نہیں پڑھیں گے۔ باقی تین وقتوں کی پڑھیں گے آپ نے قبول فرمالیا وہ اسلام قبول کر کے چلے گئے انہوں نے نہ صبح کی نماز پڑھی اور نہ عشار کی۔ ظہر عصر مغرب کی پڑھتے رہے لوگوں کو تعجب ہوا کہ جیسے تین وقت کی نماز فرض ہے ویسے ہی دو وقت کی فرض ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شرط کیسے مان لی۔ اس پر سب کو حیرت تھی۔ مگر ایک مہینے کے بعد ان لوگوں کے دلوں میں خود یہ خیال پیدا ہوا کہ بھائی فرض تو ساری ہی نمازیں ہیں ہم تین نمازیں ادا کر رہے ہیں دو نہیں ادا کر رہے ہیں اس پر گنہگار ہو رہے ہیں تو فائدہ کیا ہوا اسلام لانے سے یہ سوچ کر پڑھنی شروع کی اور مہینہ ڈیڑھ مہینہ کے بعد پانچوں نماز کے پابند ہو گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے آپ نے انوار باطن سے پہچان لیا تھا کہ یہ اس شرط پر رہیں گے نہیں اور پڑھنی شروع کر دیں گے۔ اس لئے آپ نے شرط مان لی تھی تو یہ حکمت تربیت کی تھی۔ تعلیم میں تو سب برابر ہیں۔ تعلیم میں تو یہی کہا جاتا ہے کہ بھائی جیسے ظہر، عصر، مغرب فرض ہیں، ویسے ہی عشا اور صبح بھی فرض ہیں مگر اس سے آگے عمل کی بات ہے اور عمل میں تربیت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور تربیت میں حکمت کی ضرورت ہوتی ہے تعلیم تو ایسی ہے جیسے کسی طبیب نے طب کی کتاب پڑھا دی ہو۔ اور علاج ہوتا ہے مطلب سے تعلیم میں تو طبیب سب کے سامنے ایک ہی مسئلہ بیان کرے گا۔ لیکن اگر علاج کرنے بیٹھے گا تو ہر ایک نسخہ الگ الگ لکھے گا چونکہ ہر ایک کا مزاج الگ ہے بیماری الگ ہے، تو تعلیم کے درجہ میں تو سب برابر ہوتے ہیں لیکن عمل کرانے کے درجے

میں ہر ایک کا مزاج الگ ہونے کی وجہ سے اس کے مزاج کی رعایت کرنی پڑے گی اور اسی کی مناسبت سے نسخہ تجویز کرنا پڑے گا۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مربی بھی ہیں۔ اس لئے ان کا مزاج پہچان کر مزاج کی رعایت کرتے ہوئے ان کی اس شرط کو قبول کر لیا۔ اور انوار باطنی سے پہچان بھی لیا تھا کہ بعد میں اس کو یہ قبول کر لیں گے۔ اس لئے آپ نے کوئی ردّ و کد نہ فرمائی۔ اور ہوا یہی کہ بالآخر پڑھنے لگے۔ یہ سب کچھ حکمت تھی تربیت کی۔

حکمت تربیت پر حضرت حاجی صاحب کا واقعہ

ہمارے حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہٗ کے مرید تھے جلال آباد کے ایک نوجوان پٹھان۔ جوان تھے۔ خوشرو۔ بہت ہی خوبصورت تھے نوجوانی میں ہی مرید ہو گئے تھے۔ نماز نہیں پڑھتے تھے لوگوں نے شکایت کی کہ آپ کے مرید ہیں مگر نماز نہیں پڑھتے۔ حضرت حاجی صاحب نے بلایا وہ آ گئے۔ شفقت سے سر پہ ہاتھ رکھا، کمر پہ ہاتھ رکھا۔ اور فرمایا کہ بیٹا! جب تم مرید ہو گئے تو نماز پڑھا کرو نماز ہی اسلام کا ستون ہے۔ نماز ہی سے فرق پیدا ہوتا ہے مسلم میں اور کافر میں۔ نماز کا ترک کرنا بہت بری بات ہے۔ انہوں نے کہا کہ حضرت نماز تو پڑھ سکوں مگر میں اپنی بات عرض کر دوں۔ مجھے ڈاڑھی چڑھانے کی عادت ہے۔ اس زمانہ میں نوجوانوں کا تمدن یہی تھا کہ بجائے ڈاڑھی منڈانے کے چڑھاتے تھے۔ تو انہوں نے کہا کہ ڈاڑھی چڑھانے میں تقریباً سوا گھنٹہ لگتا ہے۔ پہلے اس میں گوند لگاؤ، پھر اس کو پتوں سے باندھوں پھر جب وہ خشک ہو جائے تو تیل لگاؤ۔ اس میں سوا گھنٹہ لگتا ہے پھر آپ کہیں گے بے وضو نماز نہیں ہوتی ہے جب میں وضو کروں گا گوند وند سب دُھل جائے گا۔ پھر سوا گھنٹہ مجھے ڈاڑھی چڑھانے میں چاہیئے۔ نمازیں تو پانچوں ہو جائیں گی ایک گھنٹہ میں۔ اور ڈاڑھی چڑھانے میں لگ جائیں گے سات گھنٹے اب ضرورت تھی حکمت تربیت کی فرما دیا کہ بھائی ڈاڑھی چڑھانا خود مکروہ ہے۔ چھوڑ دو۔ ڈاڑھی چڑھانا۔ مگر دیکھا کہ یہ مان نہیں سکتے۔ یہ فعل ان کے دل میں جما ہوا ہے۔ فرمایا کہ

میں نے وضو کا ذکر نہیں کیا۔ میں نے یہ کہا کہ نماز پڑھا کرو۔ اس نے کہا کہ حضرت بے وضو پڑھ لیا کروں۔ فرمایا پھر وضو کا ذکر میں تو وضو کا نام ہی نہیں لے رہا ہوں، بس تم نماز پڑھا کرو۔ ان خان صاحب نے بلا وضو نماز پڑھنا شروع کر دی۔ وہ بے وضو نماز پڑھ رہا ہے اور حضرت دیکھ رہے ہیں۔ حالانکہ احادیث میں آتا ہے کہ لا تقبل صلوٰۃ بغیر طھور۔ بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی ہے اور آپ دیکھ بھی رہے ہیں مگر بول نہیں رہے ہیں پندرہ بیس دن کے بعد نوجوان پٹھان کے دل میں خود خیال پیدا ہوا کہ تو محنت بھی کر رہا ہے اور اکارت جا رہی ہے بے وضو کے نماز ہوتی ہی نہیں۔ تو ساری نمازیں ہی بے کار ہو گئیں۔ اور چھوڑ یوں نہیں سکتا ہے کہ پٹھان کی زبان ہے جو کٹ چکی ہے پیر کے آگے کہ نماز پڑھوں گا لہٰذا چھوڑنے کا تو سوال ہی نہیں اور بے وضو پڑھوں تو وہ بے کار ہے، اب انہوں نے یہ کیا کہ صبح کی نماز کے لئے وضو کرتے اور نماز کے بعد ڈاڑھی چڑھاتے اور اس وضو کو عشاء تک باقی رکھتے سب نمازیں ایک وضو سے ہی پڑھتے۔ اب ظاہر بات ہے کہ نوجوان آدمی بارہ گھنٹے ایک دم باوضو رہے یہ ممکن نہیں مشکل ہے، اپھارا۔ ریح۔ حبس شروع ہوا بیمار ہونے لگے تو اب یہ کیا کہ ایک وضو صبح کو کی۔ نماز کے بعد ڈاڑھی چڑھائی پھر ایک وضو ظہر کے وقت کیا اور اس کو باقی رکھتے عشاء تک اس سے ظہر سے عشاء تک کی نمازیں پڑھتے مگر چھ گھنٹے باوضو رہنا ایک نوجوان آدمی کے لئے مشکل ہوتا ہے اس لئے انہوں نے کہا کہ اس ڈاڑھی چڑھانے کی ہی ساری مصیبت ہے اس دن سے ڈاڑھی چھوڑ کر باوضو نماز شروع کر دی اب شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت حاجی صاحب نے بہت شاباش دی۔ فرمایا کہ جو رتان سعادت مند ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ماشاء اللہ بہت دل بڑھایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ بھائی تم نے بے وضو کتنے دن نمازیں پڑھی ہیں۔ عرض کیا کہ حضرت جی! پندرہ دن کی۔ کہا اسے لوٹا لینا۔ وہ ہوئی نہیں اس کے بعد فرمایا کہ تمہاری عمر کیا ہو گی؟ عرض کیا کہ حضرت! پندرہ سال پورے ہو چکے ہیں سولہواں سال لگ رہا ہے۔ فرمایا کہ بھائی جب چودہ سال پورے ہوتے ہیں تو آدمی شرعاً بالغ ہو جاتا ہے اور نماز فرض ہو جاتی

ہے اس لئے ایک سال کی نمازیں دوہرالینا، وہ سرکاری ملازم تھے انہوں نے رخصت لے کر ایک ہفتہ میں ساری نمازیں پڑھ ڈالیں۔ پکے نمازی بن گئے۔ یہ حکمت تھی تربیت کی۔ مسئلہ تو یہ تھا کہ بلا وضو کے نماز نہیں ہوتی۔ مگر محض مسئلہ ہی نہیں بتانا تھا تربیت بھی کرنی تھی تربیت میں مزاج کو دیکھا جاتا ہے چونکہ بعض مزاج نرم ہوتے ہیں اور بعض مزاج سخت ہوتے ہیں جیسے مزاج ہوتے ہیں ویسی ہی دوادی جاتی ہے جیسا آدمی ویسی ہی خادمی۔ تعلیم ہوتی ہے عام اور تربیت ہوتی ہے۔ خاص وہ ہر ایک کی الگ الگ ہوتی ہے۔

اختتام کلام !!

میں عرض کر رہا تھا کہ ترجمہ کرانے والے تعلیم کے درجہ میں تو سب کو ایک ہی طرح سمجھائیں گے مگر اس میں تربیت کی شان بھی ہونی چاہیئے۔ اور وہ ہونی چاہیئے جداگانہ ہر ایک مزاج کی مناسبت سے ہفتہ میں دو ہفتہ میں جانچ پڑتال کرتے رہنا چاہیئے کہ عمل کر رہے ہیں یا نہیں کر رہے ہیں۔ اگر نہیں کر رہے ہیں تو کیا رکاوٹ ہے اس کو دور کیا جائے اس طرح سے تربیت ہو کر اچھے خاصے مسلم بن جائیں گے اس وجہ سے کہ محض علم کافی نہیں ہے جب تک کہ استعمال کا طریقہ نہ بتلایا جائے اور عمل کرا کے اسکی مشق نہ کرائی جائے، اسوقت ثابت ہوگا کہ قرآن کریم نے نفع پہنچایا۔ اور کس طرح سے اسکی کایا پلٹ کی ہے، بہر حال یہ چند باتیں میں نے اس لئے عرض کر دی ہیں کہ آپ حضرات قابل مبارکباد ہیں کہ آپ نے ترجمہ کلام اللہ کا آغاز کیا ہے یہ نہایت مبارک اقدام ہے حدیث میں فرمایا گیا ہے خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ قرآن پڑھنے والا بھی خیر ہے پڑھانے والا بھی خیر ہے کہ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ۔ قرآن کریم کے نہ دائیں طرف سے باطل آسکتا ہے نہ بائیں سے نہ سامنے سے نہ پیچھے سے یہ چیز باطل سے بری ہے، حق محض ہے، اس لئے جس میں سرایت کر جائے گا۔ اس کے پاس باطل نہ آسکے گا۔ وہ بھی حق ہی کے اوپر جئے گا۔ تو آپ نے خیر کا کارخانہ کھولا ہے۔ پڑھانے والا بھی خیر ہوگا سننے والے

بھی خیر ہوں گے پھر اگر اس کے ساتھ عمل بھی مستقیم ہو جائے تو سبحان اللہ۔ تو اس کے اثرات اندر اتر جائیں گے، پھر اس کے فوائد ظاہر ہوں گے یہ چند باتیں ذہن میں آئیں جو میں نے عرض کردی ہیں اللہ تعالیٰ اس پر استقامت عطا فرمائے۔ اس کے فوائد و برکات دنیا و آخرت میں ظاہر ہوں اور اللہ تعالیٰ ہمیں مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لَنَا بِخَيْرٍ۔ وَاخْتِمْ لَنَا بِخَيْرٍ۔ وَاجْعَلْ ثَوَابَهُ الْجَنَّةَ اٰمِيْن۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّعَمَلًا صَالِحًا وَرِزْقًا وَّاسِعًا وَشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ۔ وَارْزُقْنَا يَا رَبِّ حُسْنَ الْخَاتِمَةِ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادِ اَللّٰهُمَّ وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِيْنَ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا مَفْتُوْنِيْنَ۔ وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔

احقر۔ نثار احمد قاسمی سہارنپوری
خادم تدریس مدرسہ خادم العلوم باغونوالی
ضلع مظفر نگر۔ یوپی

سیرت رحمۃ للعالمین

خطبہ مسنونہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ اِلٰی کَآفَّۃٍ لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ۔

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم! یہ قرآن کریم کی آیت ہے جس کا مطلب ہے کہ اے رسولؐ ہم نے آپ کو جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے قرآن کریم نے دوسری صفات بھی آپ کی ذکر کی ہیں ایک آیت ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا کہ ہم نے آپ کو خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ جنت کی خوش خبری سناتے ہیں مومنین متقین کو اور جہنم سے ڈراتے ہیں فاسقین و کافرین کو اور آپؐ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں۔ یہ ہی سیرت کا مفہوم و خلاصہ ہے جس کے لئے آپ نے اصرار کیا ہے کہ سیرت کے بارے میں کچھ عرض کروں، تفصیلی حیثیت سے اس سلسلے میں علماء کرام کے بیانات ہوتے رہتے ہیں اور کتابیں بھی بہت سی لکھی گئی ہیں اور آج تک لکھتے چلے آرہے ہیں۔

قلب کا رُخ

لیکن فیصلہ قلب کے رُخ پر ہے۔ اگر قلب انسانی کا رُخ صحیح ہے تو سیرت کے پہلو کو بھی صحیح سمجھے گا اور تمام باتوں کو اسی نہج پر پرکھے گا جس طریقے پر اللہ کے رسولؐ نے کر کے دکھایا ہے اور بتایا ہے اور اگر قلب کا رُخ الٹا ہے

تو اس کو تمام باتیں الٹی ہی نظر آئیں گی اور ان سے لٹے ہی معانی نکالنے کی کوشش کرے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے یہود کے بارے میں قرآن کے اندر ارشاد فرمایا ہے سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ کریں ان سے اپنی آیات پھیروں گا الگ رکھوں گا اس لئے کہ وہ زمین میں تکبر کرتے ہیں ناحق۔ اور اگر وہ کوئی علامت معجزہ وغیرہ دیکھتے ہیں تو اس پر ایمان نہیں لاتے اور اگر وہ ہدایت کا راستہ دیکھتے ہیں تو اسے اختیار نہیں کرتے اور اگر وہ گمراہی اور ضلالت کا راستہ دیکھتے ہیں تو اُسے اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ تمام پھٹکار اس لئے ہے کہ انہوں نے آیات خداوندی کی تکذیب کی اور ان آیات سے غافل رہے اور زمین میں تکبر کرتے تھے اور کبر کا خاصہ ہے کہ کیوں جھکے کسی کی طرف تو یہود نہ اللہ کی طرف جھکے اور نہ رسولؐ کی طرف جھکے، اس لئے ان میں غرور و نخوت پیدا ہو گئی۔ اور نصاریٰ زیادہ تر عبادت میں منہمک رہے ان کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا۔ انہوں نے ایسی ایسی رہبانیتیں اور شاق شاق مجاہدات اور ریاضتیں اختیار کیں کہ انہیں نباہ نہ سکے اور مبتلا ہو گئے شرک میں، بدعت میں، تو اسی طرح اس امت میں ایک طبقہ تو وہ ہے کہ علم ہے مگر شکار ہے نخوت کا۔ اور ایک طبقہ وہ ہے کہ عبادت و زہد میں مصروف ہے مگر شکار ہے تذلل و شرک و بدعت کا جب تک کہ علم اور عشق دونوں چیزیں جمع نہ ہوں گی اس وقت تک راہِ استقامت سامنے نہیں آسکتی ہے

سیرت نبویؐ کا مضمون تو سب کتابوں میں تقریب قریب یکساں ہی ہے لیکن اگر قلب کا رُخ الٹا ہے تو ان سب سے الٹے ہی معانی نکلیں گے اور قلب کا رُخ اگر سیدھا ہے تو معنے سیدھے ہی نکلیں گے اور صاف صاف باتیں نکلیں گی اس کے لئے ضرورت پڑتی ہے اہل اللہ کی صحبت کی اور معیت کی۔ اور ان کی نگرانی میں رہ کر ریاضت اور مجاہدہ کی تاکہ قلب کا تصفیہ ہو اور اخلاق صحیح ہوں لوگ یہ کرتے نہیں اس لئے مبتلا ہیں شرک

بدعت ہیں کبر و نخوت ہیں اور تمام اخلاقِ رذیلہ ہیں۔

حقیقی سیرت

جہاں تک سیرت کا تعلق ہے، یہ تو بہت بڑی بات ہے۔ سیرت کے عنوان سے جلسہ کا عنوان بہت آسان ہے۔ مگر سیرت کا بیان ایک عظیم ذمہ داری ہے، اس لئے کہ سیرت کہتے ہیں، ذاتی خصائل کو اور ذاتی حالات کو اور ان کے تذکرہ کا مقصد اصلی یہ ہے کہ ہم ان کی پیروی کر سکیں تو سوال یہ ہے کہ کون شخص حضورؐ اکرم کے خصائل و عمل پر عمل پیرا ہونے کا مدعی ہو سکتا ہے اور کون ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کا پورا اتباع کر سکے آپ کی شان بہت اونچی، آپ کی شخصیت بہت اونچی ذاتی سیرت کا ہم کامل طور پر اتباع کر سکیں، یہ ہمارے لئے ممکن نہیں، اور ذاتی سیرت یہ ہے کہ سترہ سترہ دن آپ پر فاقے کے گذرتے تھے، اسود ین پر گذر تھا یعنی ایک کھجور کھالی ایک کٹورہ پانی کا پی لیا اور صوم وصالی یعنی بلا کھاتے پیتے روزہ رکھنا لیکن امت کو آپ نے ممانعت فرمائی کہ ایسا مت کرو، سحری کھاؤ، روزہ رکھو اور افطار کرو اور کھانا کھاؤ، اور آپ سترہ سترہ دن تک بلا افطار، بلا سحر کھاتے روزہ رکھتے تھے، صحابہ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ آپ نے ہمیں صوم وصالی کی کیوں ممانعت فرمادی اور خود حضورؐ رکھتے ہیں فرمایا اَیُّکُمْ مِثْلِیْ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَیُسْقِیْنِیْ۔ تم میں مجھ جیسا کون ہے مجھے تو میرا رب کھلاتا پلاتا ہے، تو وہاں کھلانے پلانے کا یہ مطلب نہیں، کہ پلاؤ زردے کے خوان اترتے تھے، بلکہ ذکر اللہ رگ و پے میں رچا ہوا تھا، اس نے بدن کو سنبھال رکھا تھا اگر زندگی بھر بھی حضورؐ کچھ نہ کھاتے تب بھی آپ کی زندگی میں کچھ فرق نہ پڑ سکتا تھا، روحانی قوت عظیم تھی، عمر بھر بھی جو آپ نے تناول فرمایا اس کی مقدار گنی چنی ہے وہ اظہار عبدیت کے لئے اور امت کے لئے نمونہ قائم کرنے کے لئے تھا کہ کھانا اور پینا تمہارے لئے مباح ہے، واقعتہً اگر آپ حساب لگانے لگیں تو شاید یہ مقدار غذا روزانہ کے اعتبار سے دس پانچ تولہ ہی بنتی ہو، اسی لئے میں کہتا ہوں کہ آج کون ہے جو اس کا اتباع کرے کہ اتنی مقدار غذا جو پر عمر گذار دے تو سیرت سے مراد ذاتی خصلت اور ذاتی عادت ہے۔ کون ہے جو اس ذاتی عادت کی اقتدا کر سکے اور اس پر چل سکے۔

حدیث شریف میں ہے کہ آپ مغرب کی نماز پڑھانے کے لئے حجرہ شریفہ سے باہر تشریف لائے، مصلے پر پہنچ گئے، تکبیر ہو چکی تھی، ایک دم گھبرا کر آپ مصلے سے واپس ہوئے اور گھر میں تشریف لے گئے اور تھوڑے وقفے کے بعد مصلے پر تشریف لاکر نماز پڑھائی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مصلے پر تشریف لا چکے، تکبیر ہو چکی پھر آپ خلافِ معمول واپس تشریف لے گئے، کیا وجہ پیش آئی، فرمایا کہ مجھے یاد آیا کہ میرے گھر میں طاق میں ایک دینار پڑا ہوا ہے اور فرمایا کہ نبی کے گھر کے لئے زیبا نہیں کہ اس پر رات گذرے اور اس میں سونا یا چاندی ہو، تو جاتے ہی میں نے اس کو صدقہ کیا اور اس کے بعد آکر نماز پڑھائی۔ تو آج کون ہے جو اس سیرت کی اقتدار کرے کہ گھر میں نام نشان سونے چاندی کا نہ رہے اور فارغ البال بنے تو عبادات ہوں، یا معاشرت ہو، جو ذاتی عادات ہیں ممکن نہیں کہ کوئی ان کی اقتدار کر سکے۔

حضرت ابو ذرؓ کا زہد اور تقویٰ

در صحابہ ہیں حضرت ابو ذر غفاریؓ ہیں جن کا زہد مشہور ہے اور حدیث شریف میں ان کو "عیسائے امت" فرمایا گیا ہے کہ یہ نظیر ہیں اس امت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان یہ تھی کہ نہ گھر، نہ در، نہ سامان، ان کے پاس کل دو چیزیں تھی، ایک چمڑے کا تکیہ کہ جہاں نیند آئی وہیں لیٹ گئے۔ تکیہ سر کے نیچے رکھ لیا۔ ایک لکڑی کا پیالہ تھا، ضرورت پڑی اس میں کھانا کھالیا۔ ضرورت پڑی اس میں لیکر پانی پی لیا اور وضو کر لیا۔ ایک دن ایک شخص کو دیکھا کہ سر کے نیچے کہنی رکھ کر سو رہا ہے تو فرمایا اللہ اکبر! ہم نے اتنی دنیا زائد کر رکھی ہے اس کے بغیر بھی گذر رہے ہے، تو تکیہ کو اسی وقت صدقہ کر دیا۔ اب صرف پیالہ رہ گیا، پھر ایک مقام پر ایک شخص کو دیکھا کہ دریا میں کھڑا ہے اور چلو سے پانی پی رہا ہے اور چلو سے ہی وضو کر رہا ہے تو فرمایا اللہ اکبر! ہم نے اتنی دنیا زیادہ کر رکھی ہے اس کے بغیر بھی تو گذر ہو سکتی ہے، اس کو بھی صدقہ کر دیا تو عیسیٰ علیہ السلام کا زہد تمام انبیاء علیہم السلام میں معروف ہے اور ممتاز ہے حضرت ابو ذر غفاریؓ کا مذہب یہی تھا کہ وہ حضورؐ کے ذاتی افعال کی اقتدا کرتے تھے، ان کے

یہاں مذہبًا ناجائز تھا کہ رات کے کھانے کے بندوبست کے لئے آدمی کچھ رکھے،
جو پاس تھا کھا لیا اور رات کے لئے اللہ پر توکل، مل گیا تو کھا لیا نہیں ملا تو فاقہ کر لیا ایک
وقت کا کھانا موجود ہونے پر وہ دوسرے وقت کے کھانے کے بندوبست کو ناجائز سمجھتے
تھے وہ حضورؐ کی ذات کا اتباع تھا، جو لباس ان کے بدن پر تھا اس کے سوا اور کوئی کپڑا
ان کے پاس نہ تھا اسی کو اوڑھ لیا اسی کو پہن لیا۔

جب شام فتح ہوا تو جا کر ملک شام میں حکم دیا اور یہ حضرت عثمان غنیؓ کی خلافت کا زمانہ
تھا، شام متمدن ملک تھا۔ صحابہ کے یہاں دولت بھی آئی یہ اتفاقاً جس کے گھر پہنچے دیکھا
کہ دستر خوان پر دو کھانے جمع ہیں بس خفا ہوتے ہوئے اس کو ڈانٹنا شروع کر دیا کہ حضورؐ کے دستر خوان
پر دو کھانے کب جمع ہوئے جو تم نے کئے۔ کرو اس کو صدقہ ورنہ لاٹھی سے
خبر لوں گا۔ چونکہ صحابی تھے اس لئے لوگ اُن سے دبتے تھے۔ صدقہ کرا کے اتنا چھوڑتے
تھے کہ جتنا وہ کھالے کسی کے گھر معلوم ہوا کہ کچھ پیسہ جمع شدہ ہے۔ بس لاٹھی لے کر
پہنچ گئے کہ حضورؐ کے گھر میں کب جمع تھا پیسہ جو تم نے جمع کر رکھا ہے۔ کرو اسے صدقہ،
لوگ عاجز آ گئے اور حضرت عثمان غنیؓ کے یہاں شکایت کی کہ انہوں نے تو ہماری زندگی
تلخ کر دی شریعت نے جن چیزوں کو جائز قرار دیا ہے، ان سے بھی منع کرتے
ہیں غرض ان کا مسلک ہی یہ ہے کہ حضورؐ کی ذاتی زندگی پر ہر شخص کو عمل کرنا چاہیئے تو
بھلا اس پر کون چل سکتا ہے کس کی مجال ہے، لہٰذا انہیں حکم دیجئے کہ وہ یہاں سے چلے
جاویں ورنہ ہماری زندگی تلخ ہو جاوے گی۔ اس پر حضرت عثمان غنیؓ نے حکم دیا کہ ابوذرؓ
سب سے الگ تھلگ ربذہ نامی مقام پر رہیں، جو جنگل میں واقع تھا، شہر میں نہ رہیں
چونکہ امام عادل کا حکم تھا، واجب التعمیل تھا۔ اسی دن شام سے نکل گئے اور ریگستان
میں ربذہ مقام میں ایک جھونپڑی ڈال دی اور وہیں عمر گذار دی۔ اسی جگہ وفات ہوئی
اور جب وفات کا وقت آیا تو وہاں کوئی اڑوس نہ پڑوس، صرف ایک جھونپڑی تھی۔
ان کی بیوی رونے لگیں، فرمایا رومت دروازہ پر بیٹھ جاؤ، تمہیں ایک قافلہ آتا ہوا نظر
پڑے گا۔ جب وہ آئے تو اس سے کہنا کہ لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک

صحابی کی وفات کا وقت قریب ہے، اتر جاؤ۔ تجہیز و تکفین کا بندوبست کرو۔

وہ دروازہ پر بیٹھ گئیں۔ چنانچہ گرد اڑی اور پانچ اونٹیاں نظر آئیں پانچ سوار قریب آئے تو بیوی نے پکار کر کہا کہ لوگو! اللہ کے رسول کے ایک صحابی کی وفات کا وقت قریب ہے، آپ سب اتر جادیں، تجہیز و تکفین کریں اور نماز جنازہ پڑھیں۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی تھے، انہوں نے پوچھا کہ کون صحابی ہیں بیوی نے کہا کہ ابوذر غفاریؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ چلا پڑے اور کہا صَدَقَ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ وَیْحَکَ اَبِیْ ذَرٍّ یَعِیْشُ فَرِیْدًا وَیَمُوْتُ فَرِیْدًا سچ فرمایا تھا اللہ کے رسولؐ نے کہ اے ابوذر، زندگی بھی تنہائی میں گذرے گی اور موت بھی تنہائی میں آئے گی یہ لوگ اتر گئے، اس وقت ہوش و حواس درست تھے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا کہ میرے پاس کفن کے لئے کوئی چیز نہیں بس یہی کرتا پہنے ہوتے ہوں اور یہی لنگی باندھے ہوتے ہوں، اس کے سوا کوئی چیز نہیں۔ کسی کے پاس اگر کوئی چادر ہو تو مجھے وہ دیدے کفنِ سنت نہیں۔ کفن کفایہ کافی ہوگا۔

کفنِ سنت یہ کہ تین کپڑے ہوں اور کفن کفایہ یہ کہ ایک کپڑا ہو، اور اس میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے۔ تو یہ فرمایا کہ کفنِ سنت کی ضرورت نہیں کفن کفایہ ہی کافی ہوگا صرف ایک چادر، مگر شرط یہ ہے کہ وہ شخص چادر دے جو حکومت کا ملازم نہ ہو۔ اور بالخصوص زکوٰۃ وصول کرنے پر ملازم نہ ہو۔ کیونکہ وہ لوگ زیادتی کرتے ہیں۔ کبھی اچھا مال لے لیتے ہیں کبھی بُرا مال لے لیتے ہیں معتدل طریق پر نہیں رہتے۔ عدل نہیں کرتے ہیں، اس لئے وہ شخص کپڑا دے جو ملازم نہ ہو۔ حالانکہ خلافت کا زمانہ ہے خیر القرون ہے مگر ان کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ اس زمانہ کی حکومت کے ملازم کو تھے، تو عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میرے پاس ایک چادر ہے جو میری ماں کے ہاتھ کا کاتا ہوا سوت ہے اور گھر میں ہی اس کو بنا ہے کہنے لگے کہ ہاں بس وہ کافی ہے جب ان کی وفات ہوگئی تو اسی چادر میں ان کو دفن کر دیا گیا۔

گو ایک صحابی ہیں جنھوں نے رسولؐ کی ذاتی زندگی کو اپنا مسلک ٹھہرایا تھا، جسے صحابہ بھی برداشت نہ کرسکے، شہر میں گذر نہ ہوسکا اور آج ہیں اور آپ حوصلہ کریں

کہ سیرت سنیں اور سیرت پر چلیں، یہ اپنے حوصلہ سے بہت آگے کی بات ہے، بعض دفعہ تو واقعۃً مجھے ڈر محسوس ہوتا ہے، جب اعلان کرتے ہیں کہ سیرت کا جلسہ ہوگا، اصلاحی جلسہ نام رکھو، مذہبی جلسہ نام رکھو، تعلیمی جلسہ نام رکھو۔

سیرت کے جلسے کے یہ معنی ہیں کہ ہم عظیم دعویٰ کر رہے ہیں اور اس دعوے پر چل سکیں گے نہیں، تو کیوں ہم ایسا عنوان اختیار کریں کہ جس سے بہت بڑی بڑائی ٹپکے، تو میں عرض کر رہا ہوں کہ سیرت جس کے معنی ہیں، واقعی اس کا بیان مشکل ہے اگر بیان بھی ہو جائے تو اس پر عمل بھی مشکل ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور ان کی خانقاہ

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ کی خانقاہ میں دس دس ہزار مہمان ہوتے تھے، ایک ایک وقت میں ایک دن آپ باورچی خانہ میں تشریف لے گئے، پوچھا کیا پکتا ہے کہنے لگے گوشت روٹی، فرمایا اللہ اکبر ہم مدعی ہیں اتباعِ سنت کے اور حضورؐ نے تو گوشت کبھی اتفاق سے کھالیا اور ہمارے یہاں روز گوشت پکتا ہے اور روز روٹی پکتی ہے یہ کیا اتباعِ سنت ہے! حکم دیا گیا کہ آج سے وہی جو کی روٹی اور "جو" بھی چکی کا پسا ہوا نہیں بلکہ جیسے حضورؐ کی عادت کریمہ تھی کہ "جو" کو کوٹ ڈالا اور پھونک ماری، بھوسہ اڑ گیا موٹے موٹے دانے رہ گئے۔ اس کی ایک آدھ ٹکیہ پک گئی بس حضورؐ کا یہ کھانا ہوتا تھا آج سے خانقاہ میں بھی یہی کھانا ہوگا۔ چنانچہ گوشت روٹی بند ہوگئی۔ اور وہی گدرے "جو" کی ٹکیاں پکنے لگیں۔ کس کو عادت تھی، کس کے معدہ میں تحمل تھا، کوئی بیمار ہوا، کسی کے پیٹ میں درد ہوا، کسی کو بخار آیا کسی کو دست آنے لگے اور خانقاہ یا تو ذکر اللہ سے گونجتی تھی، یا سارے بیمار پڑے ہیں، فرمایا کیا بات ہے، ذکر اللہ کی آواز نہیں آتی ہے عرض کیا گیا کہ حضرت! آپ نے حکم دیا تھا کہ "جو" کی روٹی کھاؤ، وہ ہضم ہوتی نہیں، اس لئے لوگ بیمار پڑے ہوتے ہیں۔ تو کانوں پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ ہم نے بہت ہی جرأت اور جسارت کی ہے کہ حضورؐ کی ذاتی زندگی کے اتباع کی کوشش کی یہ ہماری مجال نہیں اور حکم دیا کہ آج سے وہی گوشت روٹی پکا کرے۔

سیرت نام ہے اسلامی قانون کا

تو بڑے بڑے اکابر نہیں چل سکے۔ ہیں
جس کو حقیقی سیرت کہتے ہیں۔ اور ہم سیرت
کا دعویٰ کر کے اس پر کیا چل سکیں گے۔ سیرت کے اندر ایک حصہ معجزات کا ہے ظاہر
بات ہے کہ معجزات تو ہم لے ہی نہیں سکتے، یہ تو نبی کی خصوصیت ہے ایک آپ کے علوم
و کمالات ہیں، وہ اتنے اتنے ارفع و اعلیٰ کہ امت تو امت انبیاء کو بھی وہ علوم نہیں ملے
ہیں تو ہم کیسے حاصل کریں گے۔ ایک حصہ ذاتی معاشرت کا ہے اس کا اتباع مشکل ہے
تو سیرت کے سیدھے معنی ہیں۔ اسلام کے اسلامی قانون کے، اور اسلامی احکام کے، اور
اسلامی احکام میں توسّع ہے امیر غریب سب گذر بسر کر سکتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ اگر کوئی دولت مند ہو تو زکوٰۃ ادا کر دے صدقات واجبہ ادا کر دے۔ اس
کا مال پاک ہو گیا، اور یہ کہ سارا مال گھر سے نکال دے یہ ہے ذاتی سیرت۔ اسے کون برداشت
کرے گا، روزے کے معنی یہ ہیں کہ سال بھر میں ایک ماہ کے روزے ادا کر دو، نفل
ممکن ہو تو کر لو نہ ممکن ہو تو معاف ہے۔ مگر سترہ سترہ دن صوم وصال کون رکھے گا۔
کس کی مجال اور کس کی قدرت ہے۔ اس لئے سیرت کا سیدھا سیدھا مفہوم، بس
اسلام سمجھے، کہ اسلامی قانون سے باہر نہ نکلے۔ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ اس دور میں اگر کوئی
شخص حرام سے بچ جاتے اور حلال کے دائرے میں رہے تو وہ اس زمانہ کا جنید و شبلی ہے
کیونکہ اُن جنید و شبلی کا دور تو گذر چکا جو پہلے ہوتے ہیں کہ جو مکروہ تنزیہی سے بھی اتنا ہی بچتے
تھے کہ جتنا ہم حرام سے بھی نہیں بچتے اور وہ ایک ایک مستحب کو ادا کرتے تھے اور ہم سے
فرض بھی ادا کرنا مشکل ہے، یہ اس زمانہ کے جُنید و شبلی کے حالات ہیں۔ آج کا جنید
و شبلی وہ ہے کہ جو حرام سے بچ جاتے اور حلال کے دائرے میں رہے تو لوگ حوصلہ کرتے
ہیں سیرت کا اور عمل نہیں ہوتا جائز کاموں پر بھی کوئی ناجائز میں پڑا ہوا ہے کوئی حرام میں، کوئی
مکروہات میں، تو اس لئے بعض وقت تو بڑا ڈر معلوم ہوتا ہے سیرت کے اعلان سے
کہ ہم اور سیرت پر عمل کریں گے "ہماری مجال" تو سیدھے معنی سیرت کے ہیں کہ اسلامی
قانون پر چلتے رہو۔ جن چیزوں کو اللہ نے فرض واجب قرار دیا ہے ان کو ادا کرتے رہو، جن چیزوں کو حرام اور
مکروہ تحریمی کہا ہے ان چیزوں سے بچتے رہو۔

تو انشاء اللہ نجات ہو جائے گی، تو شریعت کے قانون میں سعادت اور گنجائش ہے اور ذاتی زندگی بہت ارفع و اعلیٰ ہے اس کی تو ایسی مثال ہے جیسے کوئی شخص آپ سے کہے کہ بھائی خدا کے راستے میں ایک پھول دو، اور وہ کہے کہ میں پورا باغ ہی دیئے دیتا ہوں یہ ہر ایک کا کام نہیں۔ بس مانگنے پر پھول ہی دیدو، تو اب آپ مومن ہیں، انشاء اللہ نجات ہو جائے گی اب ہم باغ دینے کا وعدہ تو کریں اور دے نہ سکیں پھول بھی تو دعویٰ دعویٰ رہ جائے گا جس کو جسارت اور سوء ادبی ہی کہا جائے گا، اور جو یقیناً قابل گرفت بات ہو گی۔ تو سیرت میں ایک جُز ہے علوم و کمالات کا۔ اس کا چربہ ہم نہیں اتار سکتے، ایک جزء ہے معجزات کا وہ ہمیں نصیب نہیں ہو سکتا۔ ایک جزء ہے خصوصیاتِ نبوت کا، وہ ہمارے اندر نہیں آ سکتا اب جو آگے رہ جاتا ہے، وہ اسلامی قانون رہ جاتا ہے اور وہی معنے اتباعِ سیرت کے ہیں تو اسلام پر چلتے رہیں۔ یہ ہی حقیقی سیرت ہے۔

حضورؐ کے اخلاقِ مبارکہ کیا تھے؟ کسی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ حضورؐ کے اخلاق کیا تھے؟ فرمایا

کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآنُ۔ آپ کے اخلاق دیکھنے ہیں تو قرآن پڑھو، جو اس میں اخلاق جیزیں ہیں وہی آپکے اخلاق ہیں۔ جو قرآن کہتا ہے، وہی آپ کا عمل ہے، اور جو آپ کرتے ہیں، وہی قرآن کہتا ہے قول قرآن کا عمل آپ کا دونوں ایک دوسرے کے بالکل مطابق ہیں پھر اس میں آگے درجات ہیں کہ ایک حصّہ اولیاء کاملین کا ہے۔ ایک صحابہ کا ہے اور ایک حصّہ حضورؐ کی ذاتِ بابرکات کا ہے اور ایک ہم جیسے عوام کا حصّہ ہے۔ تو ہم احکام پر عمل کریں۔ یہ ہی ہمارے لئے کافی ہے پھر حق تعالیٰ کس کو بڑھادیں اور ترقی دیں۔ یہ اس کا فضل ہے نیت اپنی یہ ہو کہ ہم اسلامی احکام کے دائرے سے باہر نہ جاویں گے۔ یہ ہی سیرت پر عمل کرنا ہے۔

شبِ معراج میں حضورؐ اور حضرت موسیٰؑ کی گفتگو حدیث میں ہے کہ شبِ معراج میں آپؐ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ گویا پچاس رکعتیں۔ اس لئے کہ حقیقی نماز ایک ہی رکعت

ہے اس امت پر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا احسانِ عظیم ہے کیونکہ جب آپ واپس تشریف لائے، پوچھا کہ اللہ نے کیا انعام دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پچاس نمازیں حضرت حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا کہ مجھے آپ کی امت سے توقع نہیں کہ وہ پچاس وقت کی نمازیں ادا کرسکیں گی۔ اور یہ ہوگئی ہیں فرض اگر ادا نہ کرسکی تو امت گنہگار ہوگی۔ اس میں تخفیف کرائیے۔ آپ واپس تشریف لے گئے اور حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ! یہ تو امت پر بہت ہی شاق گذرے گی۔ درخواست منظور ہوئی اور پانچ نمازیں کم کردی گئیں۔ پینتالیس رہ گئیں۔ پھر آئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ مجھے توقع نہیں کہ آپ کی امت یہ پینتالیس نمازیں بھی ادا کرے گی اور کم کرائیے پھر آپ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض ومعروض کی۔ پانچ اور کم ہوئیں۔ پھر واپس آئے پھر گئے۔ جب اخیر میں پانچ رہ گئیں تو موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ مجھے اس کی بھی توقع نہیں کہ امت یہ پانچ نمازیں بھی پوری ادا کرے گی اور کم کرائیے آپ نے فرمایا کہ اب مجھے بار بار آنے جانے سے حیا آتی ہے۔ بس اتنی ہی رہنے دو۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے پچاس میں سے پینتالیس کم کرکے پانچ رکھی مگر مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ ہمارے یہاں قول بدلا نہیں جاتا۔ پانچ ہی نمازوں پر ہم پچاس نمازوں کا اجر دیں گے۔ گویا ایک حصہ پر عمل دس کے برابر رکھا گیا۔ مگر حضورؐ نے عمر بھر وہ پچاس وقت کی نمازیں اپنے اوپر فرض رکھی اور ادا فرمائیں۔ یعنی دن رات میں اتنے نوافل ادا فرماتے کہ وہ پچاس وقت کی نمازوں کے برابر ہیں لیکن امت کے حق میں تخفیف چاہی، تو سیرت پر عمل کوئی کرتا ہے۔ تو پچاس وقت کی نمازیں ادا کرے۔ کس کے اندر یہ ہمت وجرأت ہے! اور پھر کہے میں سیرت کو سنتا ہوں اور سیرت پر عمل کروں گا تو نمازوں میں پچاس نمازیں پڑھیں۔ مالیات میں حبہ برابر بھی نہ رکھے اور روزوں کے اندر پورے ایک سال کے روزے رکھے۔ تو آخر یہ کس کی جرأت ہے! اس کو کون کرے اور پھر ہم دعویٰ کریں کہ ہم سیرت پر چلیں گے۔

یہ دعویٰ ہی دعویٰ ہے ؎

برنتابد کوہ را یک برگِ کاہ   آرزو می خواہ لیک اندازہ خواہ

آرزو کرو مگر اپنے حوصلہ کے مطابق۔ ایک تنکا گھاس کا پہاڑ کو کیسے سر پر اٹھالے گا۔

تو تنکا اتنی ہی فرمائش کرے جتنی وہ برداشت کر سکتا ہے پہاڑ نہ مانگے جسے برداشت نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی شریعت کو آسان کر دیا ہے۔ اس پر ہم عمل کر لیں یہ ہماری نجات کے لئے کافی ہے اس میں عمل کرتے کرتے حق تعالیٰ برکت دے۔ اعلیٰ مقامات پر پہنچا دیں اس کا فضل ہے۔ لیکن ہم یہ نیت کریں کہ دائرے سے باہر نہ ہوں گے۔ جو کچھ واجبات و فرائض سے ہیں ادا کریں گے۔ اور ادا کرنے والوں کو اللہ نے بہت کچھ دیا ہے یہ بھی اس دور میں بہت کافی ہے۔

بعد والوں کی فضیلت

بلکہ حضورؐ نے بعد والوں کی فضیلت بیان کی ہے آپ نے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ بتاؤ سب سے زیادہ عجیب و غریب ایمان کس کا ہے عرض کیا گیا، یا رسول اللہ، ملائکہ کا ایمان سب سے زیادہ عجیب ہے فرمایا کہ ملائکہ کو کیا ہوا کہ وہ ایمان نہ لاویں۔ عرش ان کے سامنے، کرسی ان کے سامنے۔ جنت و دوزخ ان کی آنکھوں کے آگے۔ وہ بھی ایمان نہ لاویں گے اور کون ایمان لاوے گا، اس لئے ان کا ایمان کیا عجیب، ان کو تو ایمان لانا ہی چاہیئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ، پھر انبیاء کا ایمان عجیب ہے فرمایا کہ انبیاء کو کیا ہوا۔ جو وہ ایمان نہ لاویں۔ رات دن وحی ان پر اترتی ہے۔ معجزات ان کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں ملائکہ کو وہ آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ وہ ایمان نہ لاویں گے اور کون ایمان لاوے گا، ان کا ایمان کیا عجیب ہے عرض کیا یا رسول اللہؐ پھر صحابہ کا ایمان عجیب ہے فرمایا تمہیں کیا ہوا، جو تم ایمان نہ لاؤ۔ رسول تمہارے سامنے۔ معجزے تمہاری آنکھوں کے سامنے وحی تمہارے آگے اتر رہی ہے تم بھی ایمان نہیں لاؤ گے تو اور کون ایمان لاوے گا تمہارا ایمان کیا عجیب۔ عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم اللہ اور رسول بہت جانتے ہیں کہ کس کا ایمان عجیب ہے۔

فرمایا کہ ایمان عجیب اُن لوگوں کا ہے جو امت میں تمہارے بعد میں پیدا ہوں گے۔ کہ نہ رسول اللہ ان کے سامنے، نہ معجزے ان کے سامنے، اور نہ وحی ان کے سامنے اتر رہی ہے۔ اور فتنوں کی کثرت اور حق سے ہٹانے والے ہزاروں اور پھر بھی وہ ایمان پر جمے ہوتے ہیں ان کا ایمان زیادہ عجیب ہے، تو گویا اس میں ایک فضیلت نکلتی ہے بعد

والوں کی کہ رکاوٹ وموانع کی کثرت میں وہ ایمان پر جمے ہوتے ہیں تو عجیب وغریب اور قابلِ قدر ایمان ان کا ہے۔

اس سے یہ اصول نکلا کہ رکاوٹ اور موانع کی کثرت میں جو شخص ایمان پر جما رہے وہ زیادہ قابلِ قدر ہے بہ نسبت اس کے کہ کوئی رکاوٹ نہ ہو اور پھر ایمان پر جما رہے۔ ایمان اعلیٰ سہی، مگر عجیب وغریب ایمان نہیں، عجیب وغریب ایمان اس کا ہے کہ رکاوٹیں ہزاروں ہوں اور پھر بھی جما ہوا ہے جیسے اخیر زمانے کے بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ایک وقت آئے گا ایمان کا سنبھالنا ایسا ہو گا جیسے ہاتھ میں چنگاری کا سنبھالنا کہ آدمی نہ چھوڑ سکے گا اتنے فتنے ہوں گے کہ ایمان پوچھنا ایک عجیب وغریب بات ہو گی تو اس سے بعد والوں کی فضیلت نکلتی ہے اور تسلی نکلتی ہے کہ یہ بات نہیں کہ خیر ختم ہو گئی ہے بلکہ بعد میں بھی باقی ہے۔ بہت سے اربابِ خیر آج بھی موجود ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے

میں تو یہی عرض کرتا ہوں کہ اسلام پر جمے رہو۔ حلال کے دائرے میں رہو، حرام سے بچتے رہو تو انشاء اللہ ہمارے لئے بہت سے مراتب ہیں اور کیا عجب ہے کہ ان بڑوں کے قدموں تک پہنچا دے۔ جن کے ایمان بہت اعلیٰ تھے، اس لئے کہ وہاں رکاوٹیں زیادہ نہیں تھیں۔ یہاں رکاوٹیں زیادہ ہیں۔ اور پھر بھی ایمان پر جما رہے تو کیا عجب کہ درجات ومراتب ملحق کر دیئے جائیں۔

لفظ ختم تمام کمالات کو حاوی ہے

سیرت کے ایک معنی ہیں کہ حضورؐ کے فضائل مناقب، بزرگیاں کمالات اور خصوصیات بیان کئے جاویں تاکہ ایمانوں میں تازگی پیدا ہو۔ اور امت کو تسلی ہو کہ اللہ نے ہمیں ایسا پیغمبر عطا فرمایا کہ جو دنیا میں بے مثل ہے اور انبیاء میں بھی ان کی نظیر نہیں۔ وہ افضل الانبیاء ہیں۔ سید المرسلین ہیں۔ اس لئے ختم نبوت کا لفظ کافی ہے۔ آپ فقط نبی ہی نہیں ہیں۔ بلکہ خاتم الانبیاء ہیں۔ تو خاتم کے لفظ میں سارے فضائل چھپے ہوتے ہیں اس لئے کہ خاتم اس کو کہتے ہیں کہ جو منتہی ہو سارے کمالات کا کہ اگلے پچھلے جتنے بھی کمالات ہیں نبوت کے سب ایک ذات میں لا کر جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اور انتہا ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کمالاتِ نبوت

علمی ہوں یا عملی اپنے انتہائی عروج کے ساتھ آپ کی ذات مقدس میں جمع کر دیئے گئے۔
اب نبوت کے کمالات کا کوئی درجہ باقی نہیں رہ گیا ہے اس لئے کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں کہ اس کمال کو ظاہر کیا جائے ایک ہی نبوت کافی ہے، جو قیامت تک چلے گی چونکہ سارے کمالات آپ پر ختم کر دیئے گئے۔

علم ہے تو اس کے بارے میں آپ فرماتے ہیں اُوْتِیْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَ الْاٰخِرِیْنَ اگلے اور پچھلوں کے تمام علوم مجھے عطا کر دیئے گئے عبادت ہے تو اس کا حال یہ ہے کہ بعض دفعہ تمام تمام رات نفلوں میں کھڑے ہوتے پیر ورم کر جاتے اور بعض دفعہ پھٹ کر کچھ خون نکل آتا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہ آپ اتنی محنت کیوں فرماتے ہیں۔ آپ کی شان تو وہ ہے کہ آپ کے مقبول ہونے کی آپ کو دستاویز دے دی گئی حضورؐ فرماتے ہیں اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا کہ کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں، میں تمام تمام رات نفلوں میں کھڑا رہتا ہوں۔ یہ سب ادائے شکر کے لئے کرتا ہوں، حدیث میں فرمایا گیا ہے کَانَ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ کوئی لحہ آپ کا ذکر خداوندی سے فارغ نہیں تھا۔ اس لئے نبی کا کوئی قول و فعل بغیر رضار خداوندی کے نہیں ہوتا ہے جب ہر قول و فعل میں رضا حق شامل ہے تو کھانا بھی عبادت جاگنا بھی عبادت، بولنا بھی عبادت، جنگ بھی عبادت صلح بھی عبادت، ہر ہر عبادت، اور ذکر الٰہی ہے، تو کوئی لمحہ بھی خالی نہیں تھا ذکر سے حتیٰ کہ نیند ہے۔ ایک نیند تو غفلت کی ہے جیسا مشہور ہے "سوتا مرا برابر" آدمی غافل ہوتا ہے مگر آپ نے فرمایا اِنَّ عَیْنِیْ تَنَامَانِ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ میری آنکھیں سوتی ہیں۔ دل نہیں سوتا۔ دل برابر ذکر اللہ میں مصروف رہتا ہے اسی لئے انبیار کا خواب بھی وحی ہوتا ہے سونے میں بھی وحی، جاگنے میں بھی وحی۔ ہر وقت حق تعالیٰ کی طرف سے علوم و کمالات کی بارش ہوتی رہتی ہے۔

اور پھر یہ ہی نہیں کہ آپ صرف امت کے نبی ہوں۔ بلکہ آپ نبیوں کے بھی نبی ہیں اسی لئے آپ نے ایک حدیث میں بھی فرمایا اَنَا نَبِیُّ الْاَنْبِیَاءِ کہ میں فقط امتوں کا ہی نبی نہیں ہوں، بلکہ نبیوں کا بھی نبی ہوں۔ کیونکہ قرآن کریم میں انبیار سے بھی آپ پر ایمان

لانے کا عہد لیا گیا ہے فرمایا گیا وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْہَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ تمام انبیاء سے عالم ازل میں حق تعالیٰ نے عہد لیا کہ جب میں رسولِ آخر الزماں کو دنیا میں بھیجوں اس وقت اگر تم خود موجود ہو تو تم ان پر ایمان لاؤ ورنہ تم اپنی امتوں کو ہدایت کرو کہ وہ ایمان لائیں۔ اور اب ایمان لاؤ تو سارے انبیاء نے ایمان قبول کیا اور ایمان لانے کا جسے مکلف کیا جاتے وہی امتی ہوتا ہے تو جب نبیوں پر بھی فرض کیا گیا کہ وہ ایمان لاویں گے تو گویا آپ پر ایمان لانا بحیثیت امت کے ہوا، اسی لئے آپ نے فرمایا انا نبیُّ الانبیاء میں نبیوں کا بھی نبی ہوں۔ یہ خاتم کے معنی ہیں جو خاتم النبیین میں ہے۔ یعنی تمام کمالاتِ نبوت آپ پر ختم ہیں۔ اور یہ ایک اصول کی بات ہے کہ جو وصف کسی چیز پر ختم ہوتا ہے وہیں سے شروع بھی ہوتا ہے اگر وہاں ختم نہ ہو تو شروع بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھتے کہ جیسے بجلی کے قمقمے پورے شہر میں روشن ہیں، یہ سب ختم کہاں ہوتے ہیں! پاور ہاؤس پر جاکر ختم ہوتے ہیں، تو پاور ہاؤس کو ہم خاتم البرق کہیں گے کہ اس پر ساری بجلیوں کی انتہاء ہے یعنی وہ بجلیوں کا منتہا ہے مگر وہ مبدا بھی تو ہے وہاں اگر بجلیاں نہ ہوں۔ تو قمقموں میں کہاں سے آئیں گی تو جہاں ختم ہوتی ہے چیز وہیں سے شروع بھی ہوتی ہے۔ تو پاور ہاؤس پر اگر اختتام ہے بجلیوں کا تو وہیں سے افتتاح بھی ہے لاکھوں نل آپ کے گھروں میں لگے ہوتے ہیں۔ ان میں پانی آرہا ہے ان سب پانیوں کی انتہاء واٹر ورکس پر ہوتی ہے سارے پانی وہاں جاکر ختم ہو جاتے ہیں تو وہ خاتم المیاہ کہلائے گا اور وہی فاتح المیاہ بھی کہلائے گا کیونکہ وہیں سے پانی شروع بھی ہوتا ہے۔ اگر وہاں پانی نہ ہو تو نلوں میں کہاں سے آئے گا اور کیسے آئے گا جیسے آپ یوں کہیں کہ آدم علیہ السلام سب کے باپ ہیں اور وہ خاتم الآباء ہیں یعنی باپ ہونا ان پر ختم ہے ان سے آگے کوئی باپ ہی نہیں۔ وہی آخری باپ ہیں۔ اس لئے وہ خاتم الآباء ہیں تو فاتح الآباء بھی تو وہی ہیں۔ وہ اگر باپ نہ بنتے تو ہم اور آپ کیسے ہوتے، بجلیاں

جہاں ختم ہوئیں وہیں سے شروع بھی ہوئیں پانیوں کی انتہا جہاں سے ہوئی ابتدا بھی وہیں سے ہوئی، آپ یوں کہتے ہیں کہ ہم سب موجود ہیں۔ سب میں وجود ہے اور سب کے وجود کی انتہا ذات حق پر ہو جاتی ہے تو حق تعالےٰ خاتم الوجود ہیں۔ آگے پھر وجود کا کوئی سلسلہ نہیں ہے تو وہی فاتح الوجود بھی ہیں۔ وہیں سے وجود کا سلسلہ چلا ہے ہم موجود ہیں۔ وہاں وجود نہ ہو تو ہم اور آپ کیسے موجود ہوں گے۔ تو جو وصف جس ذات پر ختم ہوتا ہے اسی ذات سے شروع بھی ہوتا ہے۔ تو جب نبوّت کے سارے کمالات آپ پر ختم ہو گئے ہیں، اور آپؐ خاتِمُ الکمالات ہیں تو فاتح الکمالات بھی تو آپؐ ہی ہیں۔ وہاں سے کمالات نہ چلتے تو انبیاء کو کیسے ملتے اولیاء کو کیسے ملتے تو اس لئے آپ فاتح بھی ہیں اور خاتم بھی ہیں اسی لئے ایک حدیث میں آپ نے ارشاد فرمایا اَنَا اَوَّلُهُمْ خَلْقًا وَّاٰخِرُهُمْ بَعْثًا کہ سب سے پہلا میں ہوں جس کو اللہ نے پیدا کیا اور سب کے آخر میں ظہور میرا ہوا۔ تو نبوت آپ کو اسی وقت دے دی گئی تھی جب آپ کو بنایا گیا تھا مگر ظہور ہوا سب سے آخر میں اس لئے نبوت کے قیام کے لحاظ سے آپ اوّل بھی ہیں اور آخر میں بھی ہیں۔ وہیں سے نبوت چلی اور گھوم پھر کر وہیں آکر ختم بھی ہو گئی۔ تو آپ خاتم بھی ہیں۔ اور فاتح بھی ہیں۔ اس لئے سارے کمالات کی جڑ بنیاد ایک ہی لفظ ہے۔ جس کو سیرت کہا جائے گا۔ وہ ہے "ختم نبوت" اگر کوئی ختم نبوت کا منکر ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضورؐ کی ساری خصوصیات کا منکر ہے اس نے دین کی بنیاد ڈھا دی۔ اور جو ختم نبوت کا معترف ہے وہ آپ کے تمام خصوصی کمالات کا مُعترف اور مُقِر ہے کیونکہ ختم ہی کے لفظ میں سارے کمالات چھپے ہوئے ہیں تو سیرت کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ ساری نبوتوں کے کمالات علمی عملی، اخلاقی سب آکر آپ پر ختم ہو گئے ہیں۔

اخلاق اور ان کے مراتب

مثال کے طور پر اخلاق ہیں۔ اس میں علماء نے تین درجے لکھے ہیں۔ ایک خُلُقِ حَسَن، ایک خُلُقِ کریم۔ ایک خُلُقِ عظیم۔

خلقِ حَسَن

خلق حسن اخلاق کا ابتدائی درجہ ہے۔ اُس کے معنی ہیں عدلِ کامل

اگر آپ کے ساتھ کوئی ایک پیسے کا احسان کرے تو اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ہی پیسے کے برابر آپ بھی احسان کر دیں تاکہ بدل ہو جائے۔ یہ کم سے کم درجہ ہے اگر ایک نے تو ایک پیسہ کا احسان کیا۔ اور آپ نے ایک کوڑی کا تو کہیں گے۔ کہ بداخلاق ہے، بخیل ہے، اسے بدل دینا نہیں آتا تو برابر سرابر کرنا یہ ہے خُلقِ حَسَن، کسی نے آپ کے ایک تھپڑ مار دیا آپ نے بھی اسی درجہ کا تھپڑ مار دیا تو کہیں گے کہ عدل کی بات ہے تھپڑ کھایا تھا مار دیا، اگر آپ تھپڑ کے جواب میں گھونسہ مار دیں تو کہیں گے کہ یہ بداخلاق آدمی ہے۔ تو خلق حسن کے معنی ہیں، مساوات اور برابری کے۔ کہ برا بھی نہ ہونے بھلا بھی نہ ہونے۔ یہ خلق حسن دیا گیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امت کی تربیت کے لئے ویسے تو انبیاء سارے ہی اخلاق میں کامل واکمل ہوتے ہیں۔ مگر اُمت کے ساتھ جو معاملہ فرمایا گیا وہ یہ کہ خلق حَسَن پر چلاؤ تاکہ ان میں عدل پیدا ہو۔ برائی ہو تو عدل سے ہو بھلائی ہو تو عدل سے ہو، تو حضرت ابراہیم نے اپنی امت کو خلق حسن پر تربیت دی جس کو ایک حدیث میں بھی فرمایا گیا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا یَاخَلِیْلِیْ حَسِّنْ خُلُقَکَ وَلَوْ مَعَ الْکُفَّارِ، خلقِ حسن سے پیش آؤ چاہے تمہارے سامنے کفار ہی ہوں۔ اخلاق حسنہ کو مت چھوڑو۔ وہ اگر تمہارے ساتھ بھلائی کر گیا تو تم بھی اتنی ہی بھلائی کرو وہ برائی کریں تو تم بھی اتنی ہی برائی کر سکتے ہو عدل قائم رکھو۔ تربیت کا یہ سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت تک چلا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے اس خُلُقِ حَسَن کی تکمیل کی اور امت کو اسی پر چلایا۔ ان کے یہاں انتقام لینا واجب تھا کہ تم بھی تھپڑ مارو۔ اگر کوئی ایک آنکھ پھوڑ دے تو تمہارا بھی فرض ہے کہ تم بھی اس کی ایک آنکھ پھوڑ دو۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ کہ اگر کوئی تمہیں قتل کرے تو فرض ہے کہ قاتل کو تم قتل کر دو۔ کوئی آنکھ پھوڑ دے تو تمہارا فرض ہے کہ تم بھی آنکھ پھوڑو اس کی۔ کوئی تمہارا دانت توڑ دے فرض ہے کہ تم بھی اس کا دانت توڑ دو۔ معاف کرنا جائز نہیں تھا انتقام لینا واجب تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور ختم ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دور

آیا۔ ان کو حکم دیا گیا کہ اپنی اُمت کو تربیت کرو۔ خُلقِ کریم پر۔

خُلق کریم

خلقِ کریم یہ ہے کہ آدمی ایثار کرے۔ یعنی ایک آدمی برائی کر رہا ہے۔ تو دوسرا معاف کر دے۔ درگذر کر دے۔ حق تھا کہ بدلہ لے لیکن عالی حوصلگی سے معاف کر دیا تو کہا جائے گا کہ بڑا خلیق آدمی ہے کہ دوسرے نے تو ستایا اور اس نے معاف کر دیا۔ خلق کریم کے اندر ایثار ہوتا ہے کہ آدمی اپنا حق چھوڑ دے، یعنی بجائے بدلہ لینے کے معاف کر دے، یہ دیا گیا تھا حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو ان کی امت کی تربیت کیلئے اس خلق میں خلقِ حسن سے ایک درجہ بڑھا ہوا ہے اور وہ یہ کہ اگر تمہارے بائیں گال پر کوئی ایک تھپڑ مار دے تو تم دایاں گال بھی سامنے کر دو کہ بھائی ایک اور مارتا جا خدا تیرا بھلا کرے بدلہ ہرگز مت لو بلکہ معاف کر دو، تو شریعت عیسوی میں انتقام لینا جائز نہیں تھا۔ کوئی کتنی ہی برائی کرے معاف کر دو اور معاف کرنا واجب تھا۔ ان کے یہاں۔ حضرت موسٰی علیہ السّلام کے یہاں مدار خُلقِ حسن پر تھا اس لئے ان کے یہاں انتقام لینا واجب تھا۔ معاف کرنا جائز نہیں تھا۔ سخت امت تھی تو احکام بھی سخت تھے اور حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی امت بھی نرم تھی اس لئے ان کے احکام بھی آسان تھے اور سہل تھے۔

شریعت اسلام میں دونوں خلق جمع کر دیئے گئے

شریعت اسلام میں شریعت موسوی کا انتقام اور شریعتِ عیسوی کا عفو، دونوں چیزوں کو جمع کر دیا گیا ہے فرمایا جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا تمہارے ساتھ اگر کوئی برائی کرے، تو تمہیں حق ہے کہ اتنی ہی برائی تم بھی کرو اگر کوئی دانت توڑ دے تو تمہیں بھی حق ہے کہ تم بھی دانت توڑ دو، آگے فرمایا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اور اگر معاف کر دو تو اللہ کے یہاں بڑے بڑے درجات میں گے، تو انتقام کا حق بھی دے دیا اور معافی کی فضیلت بھی بیان فرما دی، گویا شریعتِ موسوی اور شریعت عیسوی دونوں جمع ہو گئیں، شریعتِ اسلام کے اندر اور یہ اس لئے کیا گیا کہ شریعت اسلام پیغام ہے ساری دنیا کی اقوام کے لئے مثلاً اگر معاف کرنا واجب ہوتا۔ بدلہ لینا کسی طرح بھی جائز نہ ہوتا تو جتنی قوی قومیں ہیں، کوئی

بھی اسلام قبول نہ کرتی اور سرحدی پٹھان تو ایک بھی مسلمان نہ ہوتا کہ بھائی بزدل کے مذہب میں کون داخل ہوگا اگر کسی کو تھپڑ مار دے تو دوسرے کو خاموش کھڑا ہونا ہوگا۔ اور وہ کہے گا کہ بھائی تیری مرضی ہے، بدلہ تو میں لے نہیں سکتا۔ یہ بزدلانہ بات ہے اس لئے ہم اس مذہب میں شریک نہیں ہوتے، قوی قومیں یہ کہہ کر الگ ہو جاتیں۔ اور اگر انتقام لینا واجب ہوتا تو جو نرم قومیں تھیں وہ بھی اسلام قبول نہ کرتیں۔ وہ کہہ دیتیں کہ ہم سے تو یوں ہی گذر مشکل ہے، چہ جائیکہ انتقام لیا جائے۔ کسی نے مار دیا تھپڑ، ہم میں کہاں طاقت ہے کہ ہم تھپڑ مارتے پھریں اور اسلام کہتا ہے کہ تھپڑ ضرور مار دو یہ ہمارے بس کی بات نہیں۔ تو اگر معاف کرنا ہی واجب ہوتا تو سخت مزاج قومیں اسلام میں نہ آتیں اور یہ پیغام ہے ساری اقوام کے لئے اس لئے اسلام میں ساری چیزیں جمع کر دی گئیں تمہیں انتقام لینے کا حق بھی ہے اور معاف کر دو تو بڑے بڑے درجات ملیں گے دونوں حق دے دیئے گئے دونوں قسم کی اقوام آ گئیں۔ یہ خُلقِ حَسَن اور خُلقِ کریم تھا، لیکن سب سے اعلیٰ درجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا اور وہ خُلُقِ عظیم ہے اس سے اعلیٰ درجہ اخلاق کا اور کوئی نہیں ہے

خُلُقِ عظیم

خلق عظیم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ برائی کرے تو دوسرا معاف کر دے اور ساتھ میں بھلائی بھی کرے، یہ اخلاق کا سب سے اونچا درجہ ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا تھا۔ لوگوں نے آپ کے ساتھ برائی کی۔ آپ نے ان کے ساتھ انتہائی بھلائی کی۔ دوسروں نے گالیاں دیں آپ نے ان کے لئے دعائیں مانگیں۔ یہ ہی خُلُقِ عظیم ہے اسی کو حق تعالیٰ نے قرآن کریم کے اندر فرمایا ہے انک لعلیٰ خلق عظیم کہ آپ خُلُقِ عظیم پر پیدا کئے گئے ہیں۔ ان ہی اخلاق اور اسی برتاؤ کی وجہ سے ہر چھوٹا اور بڑا آپ پر جان قربان کرتا تھا اپنا مال و جان نچھاور کرتا تھا۔ کوئی آپ کے راستہ میں کانٹے بچھاتا ہے تو آپ اس پر رحم فرماتے ہیں اس کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں چنانچہ آپ کی سیرت اور آپ کے خلق کو قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے فبما رحمة من الله لنت لهم کہ اللہ نے جو رحمت آپ میں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہے اسی وجہ سے آپ کا قلب نرم ہے موم ہے ذرا سی تکلیف پر آپ بے چین ہو جاتے

ہیں۔ وہ جمت کا اثر ہے۔ تو حضورؐ کے کاموں کی خُلقِ حَسَن سے ابتدا نہیں کرائی گئی بلکہ خلقِ کریم سے کرائی گئی کہ معاف کر دو اور انتقام لینے کی فکر نہ کریں۔ چنانچہ فرمایا گیا وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ اگر آپ سخت دل ہوتے تو یہ جو دنیا پروانوں کی طرح آپ کے ارد گرد جمع ہو رہی ہے سب اٹھ کر بھاگ جاتی آپ کی سختی کی وجہ مگر آپ کے قلب کو ہم نے نرمی بخشی، چنانچہ فرمایا گیا فَاعْفُ عَنْهُمْ معافی کو اختیار کریں کہ کوئی برائی کرے۔ تو آپ معاف کر دیں انتقام نہ لیا کریں۔ چنانچہ عمر بھر آپ نے کسی سے کبھی انتقام نہ لیا گالیاں آپ کو دی گئیں، ساحر آپ کو کہا گیا۔ کذاب آپ کو کہا گیا، مجنون آپ کو کہا گیا، کانٹے آپ کے راستے میں بچھائے گئے، پتھر آپ کو مارے گئے اونٹ کی اوجھڑی آپ کے سر مبارک پر ڈالی گئی۔ لیکن کبھی انتقام نہ لیا اور معاف فرما دیا تو آپ کی ابتداء خلق کریم سے ہے، خُلقِ حَسَن چھوڑ دیا گیا۔ چنانچہ فرمایا گیا فَاعْفُ عَنْهُمْ یہاں سے ابتداء ہوئی، پھر آگے فرمایا کہ یہ بھی آپ کی شان کے بہت نیچے کا درجہ ہے کہ آپ معاف کر دیا کریں اس سے بھی آگے بڑھیے، وہ یہ کہ جو آپ کے ساتھ برائیاں کر رہے ہیں ان کے لئے دعائے مغفرت بھی کریں وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ آپ ان کی بخشش بھی مانگیں اللہ سے آپ کی شان بہت بلند ہے آپ گالیاں دینے والوں کو بھی معاف کر دیا کریں، اور ان کے حق میں دعا بھی کریں تاکہ انہیں معلوم ہو کہ ہمیں اپنا سمجھتے ہیں۔ یہ ہی خُلقِ عظیم ہے کہ دوسرا گالیاں دے رہا ہے آپ سہالیاں دے رہے ہیں وہ ایذائیں پہنچا رہا ہے، آپ دعائیں دے رہے ہیں یہ انتہائی مرتبہ ہے اخلاق کا وہ آپ کو عطا کیا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خلق حَسَن دیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خُلق کریم دیا گیا اور آپ کو خلق عظیم، تو تمام انبیاءؑ کے علوم جمع ہیں آپ کے اندر اور سارے اخلاق جمع ہیں۔ اس لئے آپ خاتم ہیں سیرت مبارکہ کا حاصل درحقیقت ختم نبوت میں چھپا ہوا ہے خاتم کے لفظ میں تمام انتہائی کمالات آجاتے ہیں آگے اس کی ساری تفصیلات ہیں، اس میں آپ نے دشمنوں کے ساتھ وہ برتاؤ فرمایا ہے کہ ہم دوستوں کے ساتھ بھی نہیں کر سکتے۔

بوقتِ ہجرت عثمان شیبی کا سلوک

حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جب آپ کے لئے ہجرت کا حکم ہو گیا تو آپ نے چاہا کہ میں بیت اللہ میں دو رکعت نماز پڑھوں۔ یہ تو ظاہر تھا نہیں کہ آپ ہجرت فرما رہے ہیں، مگر اجازت آ چکی تھی۔ اس زمانہ میں عثمان شیبی کے ہاتھ میں کعبہ کی کنجیاں رہتی تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ شیبی! ایک دو منٹ کے لئے بیت اللہ کھول دو، میں دو رکعت پڑھ لوں۔ اس نے آپ کو ڈانٹ دیا اس لئے کہ حکومت تو اسی کی تھی، آپ کی تو تھی نہیں۔ آپ نے کچھ نرمی سے فرمایا کہ دو ہی رکعتیں پڑھنی ہیں اس نے کہا کہ نہیں نہیں۔ بہر حال اس نے اجازت نہیں دی۔ آپ نے فرمایا کہ شیبی! ایک وقت آنے والا ہے، میں تو اس جگہ کھڑا ہوا ہوں گا جہاں تو کھڑا ہے، اور تو اس جگہ کھڑا ہوا ہوگا جہاں میں کھڑا ہوا ہوں اس وقت تیرا کیا حشر ہوگا اس نے کہا کہ یہ سب تخیلات ہیں، شیخ چلی کی باتیں ہیں غرض اجازت نہ دی، بلا نماز پڑھے آپ واپس تشریف لائے۔ رات کو ہجرت فرمائی۔ یہ تیرہ برس کی زندگی آپ نے انتہائی پریشانیوں میں گذاری پھر ہجرت کے سات آٹھ سال بعد مکہ میں آپ کا فاتحانہ داخلہ ہوا، اور آپ نے مسجد حرام سے ابتدا کی کہ وہاں آکر آپ نے نماز پڑھی، کعبہ کی کنجیاں آپ کے ہاتھ میں دی گئیں۔ آپ کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ بلاؤ شیبی کو شیبی حاضر ہوا۔ فرمایا کہ وہ وقت یاد ہے کہ میں نے منت و سماجت کی تھی کہ مجھے دو رکعت نماز پڑھنے دو۔ مگر تم نے اجازت نہیں دی تھی۔ اس نے کہا ہاں یاد ہے اور فرمایا کہ یہ بھی یاد ہے کہ میں نے کہا تھا کہ ایک وقت آنے والا ہے۔ میں وہاں کھڑا ہوا ہوں گا جہاں تو کھڑا ہے اور تم یہاں کھڑے ہو گے جہاں میں کھڑا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ وقت آگیا ہے کہ میں کھڑا ہوں تیری جگہ اور تم کھڑے ہو میری جگہ، اس نے کہا ہاں وہ وقت آگیا ہے فرمایا کہ اب تیرا کیا حشر ہونا چاہیئے اس نے ایک ہی لفظ کہا کہ اَخٌ کَرِیْمٌ وَّ نَبِیٌّ کَرِیْمٌ میں کریم پیغمبر اور کریم بھائی کے سامنے ہوں۔

اس برائی کا بدلہ آپ نے یہ دیا کہ کعبہ کی کنجیاں سپرد کیں اور فرمایا کہ فَسْلاً بَعْدَ فَسْلٍ قیامت تک تیرے ہی خاندان کو دیتا ہوں، یہ کنجیاں تو آج تک وہ شیبی کا خاندان ہے جو

برابر کلید بردار کعبہ ہے اور آدھے مکہ پر اس کی حکومت ہے لاکھوں کروڑوں کا سامان اس کی دکانوں میں پڑا ہوا ہے اور جسے چاہے اجازت دے اور جسے چاہے بیت اللہ کے داخلہ کی اجازت نہ دے، تو اس نے دو رکعت نہیں پڑھنے دی. جواب میں آپ نے کنجیاں سپرد کردیں اور فرمایا کہ لے یہ تیرے خاندان کو قیامت تک کے لئے دیتا ہوں. یہ خلقِ عظیم نہیں تھا تو اور کیا تھا کہ ادھر سے زیادتی اور ادھر سے یہ کچھ لطف وکرم۔

کفارِ مکہ کے ساتھ حضورؐ کا سلوک

اس کے بعد اعلان کرایا کہ سارے اہل مکہ مسجد حرام میں جمع ہوجاویں تو سب لرزتے اور کانپتے ہوتے آئے۔ اس لئے کہ تیرہ برس تک تکلیفیں پہنچائیں وہ ان کی نگاہوں کے سامنے تھیں۔ کوئی ان کہنی ایسی نہ تھی جو حضورؐ کو نہ کہی گئی ہو، کوئی ان کرنی ایسی نہ تھی جو آپ کے ساتھ نہ کی گئی ہو اس لئے سب کو خوف تھا کہ اب قتل عام کا حکم ہوگا کہ سارے اہل مکہ کو قتل کردیا جاوے گا۔ جب سب جمع ہوگئے اور مسجد حرام بھر گئی، تو آپ نے بیت اللہ کے دروازے پر کھڑے ہوکر فرمایا کہ وہ وقت یاد ہے کہ تم نے اللہ کے رسول کے ساتھ کیا کیا معاملات کئے۔ تم نے یہ بُرا کام کیا، تم نے یہ بُری حرکت کی۔ یہ تکلیفیں پہنچائیں۔

آپ نے سب کو یاد دلایا اور سب نے اقرار کیا۔ اب تو ان کو کامل یقین ہوگیا کہ اب حکم ہوگا کہ ان سب کی گردنیں ماری جائیں جب آپ پوچھ چکے اور سب نے اقرار کیا، انکار کی کوئی گنجائش نہ رہی، اس کے بعد آپ نے فرمایا اِذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ سب جاؤ آزاد ہو، اور مکہ میں امن سے رہو۔ تمہارے اوپر کوئی گرفت نہیں۔

پھر اس کے بعد سب دین میں داخل ہوتے يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا، یہ تو خلق عظیم تھا کہ جس نے زیادہ ستایا، اس کے ساتھ زیادہ بھلائی اور معافی کا معاملہ اختیار کیا اور کبھی کسی سے انتقام لینے کا ارادہ تک نہ فرمایا۔

یہودی کے قرض کا واقعہ اور حضورؐ کا علم و بُردباری

یہود کا ایک بہت بڑا عالم تھا۔ زید بن سونہ، جو اپنے زمانہ کا حبر اور بہت بڑا عالم سمجھا جاتا تھا آپ نے اس سے دس یا بیس کلو کی مقدار میں

جو قرض لئے اور طے یہ ہوا کہ چھ مہینے بعد بدلے میں اتنی کھجوریں ہم تمہیں دے دیں گے معاملہ طے ہو گیا۔ وہ گھر کا رئیس تھا اس نے مطلوبہ تعداد میں جو لاکر حضور کی خدمت میں پیش کئے اور چھ مہینے کا وعدہ ہو گیا کہ چھ ماہ بعد کھجوروں کی صورت میں ادا کیا جائے گا، اس نے تیسرے دن آکر مطالبہ کیا کہ لاؤ میرا قرضہ ادا کردو آپ قانونی طور پر فرما سکتے تھے کہ بھائی چھ ماہ کی مدت طے ہوئی تھی تو تیسرے ہی دن آگیا۔ مگر یہ نہیں فرمایا بلکہ حیا سے گردن جھکالی اور فرمایا کہ بھائی میرے پاس تو اس وقت کچھ نہیں۔ کہنے لگا کہ ہو یا نہ ہو ابھی کردو۔ اسی وقت ادا کرنے پڑیں گے۔ آپ نے پھر بہت نرمی سے فرمایا کہ بھائی میرے پاس ہوتے تو میں دے دیتا۔ مگر یہ نہ فرمایا کم بخت تو وعدہ شکنی کر رہا ہے معاہدہ ہوا تھا چھ ماہ کا اور آگیا تو تیسرے ہی دن گویا قانونی گرفت نہیں فرمائی۔ وہی خلق کا معاملہ فرمایا کہ بھائی میرے پاس کچھ ہے نہیں۔ جب ہوگا میں دیدوں گا اس نے سخت کلامی شروع کی اور یہ کہا کہ تم ہی نہیں بلکہ تمہارے خاندان اور بنی ہاشم کی عادت یہی ہے کہ قرضہ لے کے دبا بیٹھتے ہیں۔ اور کسی کو واپس نہیں دیتے ہیں اور سخت سست کہنا شروع کیا۔

حضرت عمرؓ کو اس کی نازیبا حرکت پر غصہ آیا۔ عرض کیا یا رسول اللہ اجازت دیجئے کہ اس کافر کی گردن قلم کردوں، کہ اللہ کے رسول کی شان میں یہ شخص گستاخی کر رہا ہے مگر آپ بجائے اس کے کہ زید بن سونہ پر خفا ہوتے حضرت عمرؓ پر خفا ہوئے کہ اے عمرؓ! تم سے یہ توقع مجھے بالکل نہ تھی کہ تم ایسی بات کہو گے۔ تمہیں مجھے سمجھانا چاہیئے تھا، مدد کرنی چاہیئے تھی، مگر تم اس کے قتل کی فکر کر رہے ہو۔ یہ اپنا حق مانگ رہا ہے، تم اسے حق مانگنے سے روک رہے ہو۔ یہ نہیں فرماتے، کہ وہ بدعہدی کر رہا ہے۔ بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ اس کا جو قرضہ میرے ذمہ ہے وہ مانگنے آیا ہے۔ بجائے اس کے تم مجھے سمجھاتے، نصیحت کرتے تم اسکی گردن مارنے کی فکر میں ہو۔ یہ تمہارے لئے زیبا نہیں ہرگز مناسب نہیں عرض کیا یا رسول اللہ! پھر میں اسکی بد کلامی کو کیسے برداشت کروں۔ اچھا آپ اجازت دیں، میں اس کے قرضہ کو ادا کردوں، فرمایا کہ ہاں اسکی اجازت ہے۔ ادا کردو۔ مگر جتنے جو ہم نے لئے تھے اتنی کھجوریں دے دو، اور کچھ زائد دو کیونکہ ہم نے اسے پریشان کیا۔ یہ مانگنے

آیا اور ہم نے وقت پر ادا نہ کیا۔ حضرت عمرؓ گئے مقررہ کھجوریں دیں اور اوپر سے کچھ زائد بھی دیں اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اسے غور سے دیکھا اور پوچھا کہ تو زید بن سونہ ہے اس نے کہا ہاں حضرت عمر نے فرمایا کہ یہود کا عالم! اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کہ تجھ پر کیا مصیبت آئی ہے کہ تو نے ایسی بدتہذیبی کی اس نے کہا کہ اصل قصہ یہ ہے کہ میں نے قصدًا ایسا کیا ہے اور وہ یہ کہ میں توراۃ میں حضورؐ کی ساری شانیں پڑھ چکا ہوں اور سب کو آزما چکا ہوں۔ اور یہ وہی پیغمبر آخرالزماں ہیں جن کی خبر دی گئی ہے ایک وصف رہ گیا تھا جس کا امتحان باقی تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ ان کے سامنے جو شخص جتنی بدتہذیبی کرتا ہے، اتنا ہی ادھر سے رحم و کرم کا معاملہ ہوتا ہے۔ اسی لئے میں نے قصدًا کیا تاکہ مجھے اس وصف کے آزمانے کا موقع ملے، تو آج واضح ہو گیا کہ یہ وہی نبی ہیں۔ میں نے انتہائی گستاخیاں کیں مگر آپ کی زبانِ مبارک سے نرم الفاظ اور محبت ہی کے کلمے نکلتے رہے کوئی انتقامی کلمہ نہیں نکلا۔ تو جو وصف میں نے پڑھا تھا آج اس کا یقین ہو گیا

لہٰذا فیصلہ ہو گیا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ میں مسلمان ہوتا ہوں اور میری لاکھوں روپیہ کی جائداد ہے، وہ سب اسلام کے کاموں کیلئے وقف ہے آج سے میں اسلام میں داخل ہو گیا۔ اسی طرح نبی اکرمؐ نے اپنے اخلاقِ عالیہ سے مخلوق کے دلوں کو موہ لیا۔ یہ معاملہ حضورؐ کے خُلقِ عظیم کا تھا آپ رحمۃ للعالمینؐ ہیں، نبی رحمت ہے خلق عظیم آپ کو دیا گیا۔ علوم انتہائی طور پر دیئے گئے کہ عالمِ خلق میں اتنا علم کسی کو نہیں دیا گیا، جتنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا۔

یہ ہی سیر کا خلاصہ اور مفہوم ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین -!!

ایمان افروز مجالس

پہلی مجلس

ایک صاحب نے سوال کیا کہ اگر قوم نے اپنے قومی مفاد کے خیال سے کچھ فنڈ جمع کیا۔ مثلاً لاکھ دو لاکھ روپیہ اور پھر یہ سمجھ میں آیا کہ اس رقم کو بطورِ قرض تاجروں کو دیں اور چونکہ تاجر بہر صورت بینک سے سودی قرض لیتا ہی ہے تو کیوں نہ ہم اس رقم کا سود وصول کریں تاکہ فنڈ قائم رہے اور ترقی کرتا رہے اور قوم کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے تو قوم کی یہ ہمدردی اسلامی شریعت کے نزدیک جائز ہے یا نہیں ؟

کسی عمل کے لئے محض نیت کی خوبی کافی نہیں

حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا کہ سود کا مسئلہ تو واضح اور کھلا ہوا مسئلہ ہے۔ اجتہادی یا فروعاتی مسئلہ نہیں ہے۔ قرآن کریم کی آیت ہے اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا۔ اللہ نے تجارت کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا۔ سود کسی بھی نوعیت سے ہو وہ حرام ہی رہے گا اور قومی ہمدردی اگر حرام طریق سے ہو تو وہ مستقل وبال جان بنے گی، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کسی عمل کے لئے محض نیت کی خوبی کافی نہیں جب تک کہ وہ عمل شریعت کے مطابق نہ ہو اچھی نیت سے اگر کوئی گناہ کرے تو وہ نیکی نہیں بن جائے گا اور نہ ہی اس نیت کا کوئی اعتبار ہوگا۔ جب دو چیزیں تھیں بیع اور سود۔ ایک کو حلال قرار دیا اور ایک کو حرام تو بجائے اس کے کہ اس پر سود لیں اور صریح حرام کے مرتکب ہوں خود بھی گناہ میں مبتلا ہوں اور قوم کو بھی گناہ میں مبتلا کریں۔ اس کو کسی تجارت میں کیوں نہ لگا دیں۔ خواہ ایک شخص وکیل بن جائے سب کی طرف سے نفع نقصان کا برابر کا شریک رہے اور راس منافع سے وہ قوم کی خدمت کرے کہ وہ سرمایہ بھی باقی رہ سکتا ہے یہ مناسب نہیں کہ محض سرمایہ کو رکھنے کے لئے ایک حرام شکل اختیار کی جائے کہ وہ راس المال کو بھی حرام اور ناجائز کر دے تو اس سے قوم

کو فائدہ نہیں بلکہ ضرر پہنچے گا یہ میری سمجھ میں آتا کہ جو مسلمان قرآن پر ایمان رکھتے ہیں وہ کھلے طور پر کیسے خلاف ورزی کریں گے محض اس نیت سے کہ قومی ہمدردی ہو۔

اہل یورپ آج یورپ والے جو سود لے رہے ہیں اور دے رہے ہیں ان میں بھی تو قومی ہمدردی کا جذبہ ہے کہ قوم کو فائدہ پہنچے لیکن وہ تو شریعت کے مکلف ہی نہیں مگر جو لوگ شریعت کے مکلف ہیں اور اس پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ سود لینے دینے میں ضرر بھی ہے۔

پھر جانتے بوجھتے کسی کام کو کرنا اور اس پر اعتماد بھی کر لینا صرف یہ سمجھ کر کہ ہماری تو نیت نیک ہے، نہایت ہی غلط اور غیر مناسب بات ہے اور قوم کے ساتھ ہمدردی کے بجائے درپردہ دشمنی ہے دنیاوی بھی اور اُخروی بھی۔

حُسنِ نیت کے لئے عمل کا شروع ہونا لازم ہے

لہٰذا کسی کام کیلئے محض نیت کی خوبی کافی نہیں۔ اب نیک نیتی سے کوئی یوں سمجھ لے کہ نماز تو اچھی چیز ہے۔ اسکی چھ رکعت ہی پڑھ لوں نفع ہی نفع ہوگا۔ تو چار بھی نہ ہوں گی وہ بھی منہ پر مار دی جائیں گی تو جہاں اسلام میں نیت کی خوبی ضروری ہے۔ عمل کی خوبی بھی تو ضروری ہے۔ حسنِ عمل یا عمل صالح اسی کا نام ہے کہ جس میں اخلاص اور حسنِ نیت بھی ہو اور ساتھ میں عمل کی صورت بھی وہی ہو جو شریعت سے ثابت ہو۔ اسی لئے سورۂ تبٰرک الذی میں فرمایا گیا ہے۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙالَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ برکت والی ہے وہ ذات کہ جس کے ہاتھ میں ملک ہے دنیا کا بھی اور آخرت کا بھی اور کائناتوں کا بھی اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور وہی وہ ذات ہے کہ جس نے موت اور حیات پیدا کی۔ کسی کو وجود دیا کسی سے وجود چھینا۔ کسی کو زندہ کیا کسی کو مردہ کیا، اس کے ہاتھ میں ہے وجود اور عدم کی باگ ڈور۔ عالم میں یہ تغیرات، موت حیات، نعمت، سلبِ نعمت کیوں رکھے؟ وجہ فرمائی لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ تاکہ اللہ تمہیں جانچیں کہ تم اچھا عمل کرتے ہو یا برا۔ جب تم

اس کے ملک میں ہو، اس کے اقتدار کے نیچے ہو۔ اس کی قدرت کے تحت ہو تو تم اس کی اتباع کرو گے یا نہیں۔ اسی کو جانچنے کے لئے عالم میں یہ تغیرات رکھے ہیں تاکہ تمہارے ایمان کی جانچ ہو اور دیکھیں کہ تم میں اَحْسَنُ عَمَلاً کون ہے۔

اَحْسَنُ عملاً کی تفسیر

احسن عملاً کی تفسیر ابن عباس نے کی ہے ای اَخْلَصهٗ واثبتهٗ۔ حسنِ عمل اور عمل صالح وہ ہے کہ خالص ہو رضا خداوندی کے لئے اس میں اخلاص ہو، ریا نہ ہو اور ثابت بالسنہ ہو۔ یعنی اس طریقہ سنت کے مطابق ہو جو شریعت نے ثابت کیا ہو۔

عمل کا ظاہر و باطن

عمل باطن کے اعتبار سے تو خالص ہو رضاء خداوندی کے لئے اخلاص کے ساتھ ہو مخلوق کی رضاء یا اپنی رضاء نفس شامل نہ ہو۔ اگر رضاء خلق کا شائبہ تک بھی شامل ہے عمل کے اندر تو وہ داخلِ شرک قرار دیا گیا ہے اور ظاہر کے اعتبار سے ثابت بالسنہ ہو اور بطریق صواب ہو یعنی اس نہج پر ہو کہ جس طرح شریعت نے بتلایا ہے تو گویا عمل صالح کی دو بنیادیں ہو گئیں۔ ایک اخلاص اور ایک اتباع سُنّت۔

عمل صالح کی کسوٹی

اخلاص للہ کو جو کلمہ بیان کر رہا ہے وہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی برحق ہے۔ اسی کا حکم ماننے کے قابل ہے اور اسی کی رضاء پر چلنے سے نجات حاصل ہو سکتی ہے اور اسی کلمہ کے دوسرے جز مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سے نکلتا ہے اتّباع سنت۔ اس لئے کہ بطریقِ صواب وہی ہے۔ جس کو سرکار دو عالم ﷺ نے کر کے دکھایا ہے یا جو آپ ﷺ کے متبعین حضرات صحابہ کا تعامل ہے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ جس عمل میں لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ شامل ہو گا وہی عمل صالح ہو گا

ایک غلط فہمی

عمل صالح اسے نہیں کہتے کہ میں اور آپ سمجھ رہے ہیں کہ فلاں نے بڑے اچھے کام کئے۔ رفاہ عام کا کام کیا۔ بہت ہی عمدہ کام کیا ہمارے اور آپ کے سمجھنے سے اور محض تخیل سے وہ عمل صالح نہیں

بنے گا۔ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو وہ غلط فہمی میں مبتلا ہے۔

عمل صالح کی دو بنیادیں

بلکہ عمل صالح بنتا ہے دو بنیادوں سے۔ ایک بنیاد ہے اخلاص للہ اور دوسری بنیاد ہے اتباع سنت۔ جس کام میں اخلاص ہے اور اتباع سنت بھی ہے وہ عمل صالح ہوگا۔

شرک فی العمل

اب اگر اخلاص میں کمی آئی یعنی کسی کام میں رضاء خداوندی کے ساتھ کچھ مخلوق کی رضا بھی شامل ہوگئی۔ یا نفس کی رضا مخلوط ہوگئی تو وہ عمل خالص اللہ کے لئے نہ رہا۔ اس لئے جس درجہ اخلاص میں غیر اللہ کی رضا شامل ہوگی شرک کی بنیاد پڑتی چلی جاوے گی اور شرک فی العمل ہو جائے گا

بدعت کی بنیاد

محمد رسول اللہ کے معنی ہیں کہ اتباع ہو رسالت خداوندی کی۔ اب جس درجہ اتباع میں کمی آتی جائے گی اسی درجہ ابتداع اور بدعت کی بنیاد پڑتی چلی جاوے گی جو شرک تک پہنچائے گی۔ تو دین کی صلاح کی دو بنیادیں ہیں۔ اخلاص اور اتباع اور دین کے فساد کی دو بنیادیں ہیں شرک اور بدعت۔ لا الٰہ الا اللہ میں کمی آنے سے شرک کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور محمد رسول اللہ میں کمی آنے سے بدعت کی ابتدا ہوتی ہے۔

ہر آدمی کا کام

اب ہر آدمی کا کام ہے کہ اپنے ہر کام میں غور کرے کہ جو کام میں کر رہا ہوں اس میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ شامل ہے یا نہیں جس پر اس کا ایمان ہے۔ اگر ہے تو عمل صالح نہیں تو پھر وہ عمل طالح۔ تو ایک تو ہے صریح چیز جس کو شریعت نے صراحۃً ممنوع قرار دیا ہے اس کو اگر جائز کرنے کی فکر میں ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اخلاص تو پہلے ہی کھو دیا۔ وہ کام رضاء حق کے لئے نہ رہا اور ساتھ میں اتباع کو بھی خیرباد کہہ دیا کہ وہ رسالت کی پیروی نہ رہی تو اس عمل میں برکت کہاں سے ہوگی۔ اس سے جتنے بھی آثار پیدا ہوں گے وہ سب نجس اور ناپاک ہوں گے۔ اس لئے کہ معدہ ہی درحقیقت حوض بدن ہے اس کا پانی گندہ ہوا

تو ایک ایک عضو میں گندگی پہنچے گی۔ معدہ میں پاک چیز بھری ہوتی ہے تو ہر عضو میں پاک چیز پہنچے گی۔ ایمانی خوشبو پیدا ہوگی اسی لئے حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جب مرنے کا وقت قریب ہوتا ہے اور ملائکہ نزع روح کرتے ہیں تو ملائکہ ہاتھوں کو پیروں کو، منہ کو ٹانگوں کو سونگھتے ہیں کہ ان میں ایمان کی خوشبو کتنی ہے۔ وہ جو قلب کا ایمان ہے جب وہ پھیلتا ہے تو ہاتھ پیر پر آتا ہے۔ عمل کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے۔ تو ملائکہ اس سے اندازہ کر لیتے ہیں کہ اس کے ہاتھ پیر میں ایمان کی اس قدر خوشبو ہے۔

ایمان کی جانچ

ابتدائے لیکر انتہا تک اللہ تعالیٰ کے یہاں صرف دو ہی چیزوں کی جانچ ہے۔ وہ یہ کہ ہر عمل میں ایمان کا دخل ہو اور ہر عمل میں اتباع کا دخل ہو۔ ایمان میں کمی آئی شرک پیدا ہوا۔ اتباع میں کمی آئی بدعت پیدا ہوئی اور یہ دونوں چیزیں دین کے فساد کی ہیں تو آدمی قومی ہمدردی کرے اور دین کو پہلے ہی خیرباد کہہ دے۔ یہ ہمدردی کیا ہوئی۔ یہ تو اپنی ہی ہمدردی رہی نہ قوم کی ہمدردی رہی۔

شاہ افغانستان کا ایک سبق آموز واقعہ

اس پر مجھے ایک بات یاد آئی دیکھنے میں تو معمولی ہے لیکن سمجھ دار کے لئے سبق آموز ضرور ہے۔ وہ یہ کہ افغانستان کے بادشاہ امیر دوست محمد خاں صاحب جو امیر عبدالرحمٰن خاں صاحب کے والد اور امان اللہ خاں کے دادا تھے بہت دین دار بادشاہ تھے ان کی دینی باتیں ضرب المثل تھیں۔ ایک روز وہ شاہی محلسرائے میں آئے تو چہرہ کچھ اداس سا تھا تو بیگم نے پوچھا کہ آج آپ کے چہرہ پر غمگینی اور اداسی کیوں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایک بہت بڑے حادثے کی اطلاع آئی ہے جس کی بنا پر میں مغموم ہوں اور پریشان ہوں وہ یہ ہے کہ افغانستان پر کسی دشمن نے حملہ کیا تو میں نے اپنے شہزادے کو فوج دے کر مقابلہ کے لئے بھیجا تھا۔

شکست کی خبر ملی

آج سرحد سے یہ خبر آئی ہے کہ شہزادے کو شکست ہوگئی ہے اور وہ دوڑتا ہوا آرہا ہے اور دشمن اس کے پیچھے

پیچھے ملک کو فتح کرتا ہوا آرہا ہے تو دو غم مجھے لاحق ہیں ایک تو ملک ہاتھ سے گیا وہ دوسروں کے قبضہ میں چلا جاوے گا۔ دوسرے یہ کہ میرا شہزادہ شکست کھا کے آیا اور بزدلی دکھائی یہ داغ میرے اوپر مرتے دم تک باقی رہے گا کہ میرا شہزادہ کمزور اور بزدل ہے۔ ان دو غموں کی وجہ سے میرا چہرہ اداس ہے

تردید شکست بیگم نے کہا کہ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں اور غلط خبر ہے۔ میرا شہزادہ شکست کھا کر نہیں آسکتا ہے یہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ شہید ہو جائے لیکن دشمن کو پشت دکھا کر آئے یہ ممکن نہیں۔ یہ خبر جھوٹی ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ سرکاری پرچہ نویسوں کی اطلاع ہے۔ اس نے کہا کہ وہ پرچہ نویس بھی جھوٹے ہیں۔ انہوں نے کہا خالص بادشاہی دفتر کی اطلاع ہے اس نے کہا کہ دفتر بھی جھوٹا ہے۔ تو امیر نے کہا کہ اب کون اس عورت سے جھگل باول کرے۔ مرغ کی ایک ٹانگ ہانکے جاوے گی۔ نہ اسے سرکاری حکومت کے حالات کی اطلاع، نہ دفاتر کی، نہ سرکاری کاغذات کی۔ اس نے سب کو جھوٹا قرار دیدیا، گھر میں بیٹھنے والی عورت ہے اسے کون سمجھاوے واپس چلے آئے۔

اور اب فتح کا شادیانہ اگلے دن گھر گئے تو چہرہ بہت ہشاش وبشاش تھا۔ بیگم نے کہا کہ کیا بات ہے آج تو بہت خوش ہیں۔ کہا کہ تم نے جو بات کہی تھی وہی صحیح نکلی۔ وہ تو صورت یہ ہے کہ دشمن کو بھگا دیا شہزادے نے اور فتح کے شادیانے بجاتا ہوا آرہا ہے، فاتح بن کر آرہا ہے۔ دشمن کو دور تک بھگا دیا ہے

واقعہ کی تحقیق اور حقیقت کا انکشاف

بیوی نے کہا الحمد للہ خدا نے میری بات سچی کردی۔ اس پر امیر نے پوچھا کہ آخر تم نے اتنی قوت سے کیسے دعویٰ کیا وہ شکست کھا کر نہیں آرہا ہے۔ کیا تمہیں الہام ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ میں عورت ذات ہوں مجھے الہام سے کیا تعلق اور پھر شاہی بیگم۔ سارے عیش کے سامان میسر ہیں میں ایسی ولی کہاں سے بن گئی کہ مجھ پر الہاماتِ خداوندی ہوں۔ امیر نے کہا کہ پھر آخر ایسی قوت سے تم نے کیسے دعویٰ کیا کہ ساری خبریں جھوٹی ہیں اور واقعی وہ نکلی جھوٹی۔ یہ کیا بات ہے؟

اخفاءِ راز پر اصرار

بیگم نے کہا کہ یہ ایک راز ہے جسے میں ظاہر کرنا نہیں چاہتی، اب امیر سر ہوئے کہ ایسا کونسا راز ہے بیوی کا جو خاوند سے چھپا رہے خاوند سے زیادہ رازدار کون ہے بیوی کا۔ وہ پوچھنے پر مصر ہیں اور یہ چھپا رہی ہیں امیر نے کہا کہ میں بہرحال تم سے پوچھ کر رہوں گا۔ اب وہ مجبور ہوئی تو اس نے کہا کہ میں نے عمر بھر یہ بات ظاہر نہیں کی آج میں وہ راز کھولے دیتی ہوں جب آپ بے حد مصر ہیں۔

افشاءِ راز اور شہزادے کی والدہ کا کمال تقویٰ

وہ یہ ہے کہ جب شہزادہ میرے پیٹ میں آیا تو میں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ کوئی مشتبہ لقمہ میرے پیٹ میں نہیں جائے گا تو میں نے سلطنت کے خزانے سے ایک پائی نہیں لی۔ اور جو تنخواہ آپ کو ملتی تھی نہ اس سے میں نے کوئی پائی لی۔ اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں بناتی تھی ان کو بکواتی تھی۔ اس سے میں نے اپنا پیٹ پالا ہے۔ تو میں نے نو (۹) مہینے میں انتہائی تقویٰ سے کامل حلال غذا استعمال کی، اس کے بعد جب یہ پیدا ہوا تو میں نے بجائے دودھ پلانے والیوں کے سپرد کرنے کے کہ کسی انّا کا دودھ پیئے میں نے خود ہی دودھ پلایا۔ اس عہد کو قائم رکھا کہ دو برس تک کوئی مشتبہ لقمہ میرے پیٹ میں نہیں جائے گا۔ اسی طرح میں نے اپنی دستکاری سے محنت سے کمایا اُسے کھایا اور اس کے ساتھ ساتھ میں نے یہ طریقہ بھی اختیار کیا کہ جب یہ دودھ پینے کے لئے روتا تو میں پہلے وضو کرتی پھر دو رکعت نماز نفل پڑھتی اور دعا مانگ کر پھر دودھ پلاتی تھی۔ پاک وصاف ہو کر، تو اندر سے پاک کمائی تھی اوپر سے بھی پاکی تھی لقمہ بھی مشتبہ نہ تھا۔ تو ظاہر بات ہے کہ جب وہ ایسی پاک غذا سے پلا پیٹ میں ایسی پاک غذا سے نشو ونما پایا تو اس میں کمینہ اخلاق کیسے پیدا ہوں گے۔

بزدلی خُلق ناپاک ہے

اور بزدلی کمینہ اخلاق میں سے ہے جس کی اسلام میں گنجائش نہیں۔ اس لئے میں نے قوت سے

کہا کہ وہ کمینہ اخلاق نہیں رکھتا شجاعت رکھتا ہے دشمن کو پشت دکھلانا یہ بزدلی تھی تو میں نے یقین سے کہہ دیا کہ یہ ناممکن ہے ۔

اکل حلال کا لازمی نتیجہ اخلاق حسنہ کا پیدا ہونا ہے

جب اسکی غذا بھی پاک اس کا خون بھی پاک اس کا نشوونما بھی پاک تو کیسے ممکن ہے کہ اس میں ناپاک اخلاق پیدا ہوں اور جب اخلاق ناپاک نہیں تو افعال ناپاک کیسے سرزد ہوتے تو بزدلا پن یہ کمینہ اخلاق میں سے ہے اس کا وجود ہی نہیں ۔ محض اس اعتماد پر دعویٰ کیا تھا کہ خبریں جھوٹی ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ شکست کھا کر آتے ۔ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ شہید ہو جاتے ۔ خدا نے میری بات سچی کر دی مجھے اس پر یہ بات یاد آئی کہ شاہی بیگم بادشاہی محل میں رہ کر سارے عیش کے سامان میسر اور تقویٰ اختیار کرتی ہے ۔ محض اس لئے کہ میرے پیٹ کے اندر ناپاک خون نہ پیدا ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس میں ناپاک اخلاق پیدا ہوتے پھر بادشاہ کی بیگم محل میں رہ کر یہ تقویٰ اختیار کر سکتی ہے ۔ ہم لوگ تو کہیں کے بادشاہ بھی نہیں ہیں، نواب بھی نہیں ہیں پھر آخر ہم اپنے لقمے اور اپنی غذا کو کیوں پاک نہیں بنا سکتے ہیں

ہمدردی یا دشمنی

محض قومی ہمدردی کے نام پر ہم قوم کو ناپاک غذا پہنچائیں اور ساری قوم کے اخلاق کو گندہ بنانا ۔ کمینہ اخلاق قوم کے اندر پیدا کرنا ۔ یہ کونسی ہمدردی ہے لہذا یہ نیت تو نہایت نیک ہے کہ لاکھ دو لاکھ روپیہ جمع کیا محض اس لئے کہ ہماری قوم کی خدمت ہو ۔ مگر اس جمع کے اندر دین بھی تو شامل ہونا چاہیئے تاکہ قوم کے اندر ناپاک اخلاق نہ پیدا ہوں اور قوم سے ناپاک افعال نہ سرزد ہوں ۔

خلق حسن موقوف ہے لقمۂ حلال پر

اگر اسکی غذا لقمۂ صحیح ہے تو اخلاق صحیح ہیں، لقمۂ ناپاک ہے تو اخلاق بھی ناپاک ہیں ۔ اس لئے ہم نے اپنے اکابر کو یہ دیکھا ہے کہ بیعت کرتے

وقت وہ پہلے پوچھتے تھے کہ تمہارے پاس موروثی زمین تو نہیں ہے۔ کچھ سود وغیرہ تو نہیں ہے جس کو تم کھاتے ہو۔ پہلے اس سے توبہ کرو۔ جب بیعت کریں گے اس لئے کہ جب غذا ہی تمہاری مشتبہ ہوگی تو ذکر اللہ تمہارے اندر کیا اثر کرے گا۔ اگر اللہ کا نام لوگے تو اس کی تاثیر واقع نہیں ہوگی اللہ کا نام جیسا پاک ہے اللہ پاک ہی ظرف بھی چاہتا ہے۔ ناپاک ظرف کے اندر پاک چیز نہیں بھری جاتی۔ وہ بھی ناپاک بن جائے گی، تو غذا پر اور اکل حلال پر دار و مدار ہے اخلاق حسنہ کا۔

امام شافعیؒ کا واقعہ

ایک اور واقعہ مجھے اسکی تائید میں یاد آگیا۔ امام شافعیؒ کی ولادت ہوئی ہے مصر میں مقام غزاء میں اور ابتدائی زمانہ بھی مصر ہی میں گذرا ہے، اور عمر کا بہت سا حصہ مکہ مکرمہ میں گذرا ہے، اور ان کی فقہ بھی وہیں پھیلی ہے۔ اس لئے کثرت سے حجازی لوگ شوافع ہیں اور جہاں جہاں تک اثرات پہنچے شافعی بن گئے اخیر زمانہ میں مصر تشریف لائے وہیں وفات ہوئی۔ مصر میں ہی مقام قاہرہ میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے

امام شافعی کا خط امام احمد ابن حنبل کو

امام شافعیؒ پر جب بڑھاپا غالب آیا اور چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے تو ان کے شاگردوں میں امام احمد بن حنبل ہیں امام وقت ہیں اور ایک جلیل القدر امام کے شاگرد ہیں تو امام احمدؒ کو لکھا کہ میں تو بوڑھا ہوگیا ہوں اب سفر کے قابل نہیں رہا۔ تم سے ملے عرصہ ہوگیا ہے ملنے کو جی چاہتا ہے اگر تم تکلیف کرکے مصر کا سفر کرلو تو تمنا پوری ہو جائے گی۔

امام احمدؒ کا استقبال

امام شافعیؒ استقبال کے لئے مصر سے کئی میل دور باہر نکل گئے اور جب وہ نکلے تو مصر کے تمام علماء ان کے ساتھ نکلے اور جب تمام علماء ساتھ نکلے تو تمام فوجی حکام بھی ساتھ ہولئے اور جب وہ ساتھ ہوئے تو بادشاہ وقت نے بھی کہا کہ میں بھی ساتھ چلتا ہوں۔ مصر کی حکومت اور قوم سب مل کر امام احمدؒ کے استقبال کو کئی میل آگے بڑھے اور بڑے تزک واحتشام کے ساتھ امام احمدؒ کو لے

کر آئے اور امام شافعیؒ کے یہاں مہمان ہوئے۔

امام احمدؒ کا جوابی خط اور مصر کو روانگی

حضرت امام احمدؒ نے لکھا کہ حضرت میں حاضر ہو رہا ہوں اور تاریخ متعین کر کے لکھدی کہ فلاں تاریخ کو مصر پہنچوں گا۔ جب وہ تاریخ آئی تو امام شافعیؒ کے گھر میں خوشی ہی خوشی ہے۔ بچیاں اچھلتی کودتی پھر رہی ہیں کہ ایک امام وقت ہمارے یہاں مہمان ہوگا۔ امام وقت آنے والا ہے اور تمام مصر میں خوشی ہی خوشی ہو رہی ہے۔

امام شافعیؒ کی مہمان نوازی

امام شافعیؒ کی مہمان نوازی ضرب المثل ہے اس قدر مہمان نواز کہ یوں چاہتے تھے کہ سارا گھر مہمان کے پیٹ میں داخل کر دوں۔ انتہائی مدارات اور تکریم کی۔ بہت سی قسم کے کھانے پکوائے۔ اب شام کا وقت ہوا۔ دستر خوان بچھا کر امام احمد کو بلایا گیا امام احمدؒ نے اس طرح رگڑ رگڑ کر کھایا جیسے کوئی سات وقت کا بھوکا کھانا کھا رہا ہو۔ اتنا زیادہ کھایا کہ دوسرے لوگوں کو تحیر پیدا ہو کہ اتنا کھانا تو متقی کی شان سے بعید ہے کہ آدمی اپنے کو حد تک بھر لے۔

ایک خلجان

جب امام شافعیؒ گھر میں پہنچے تو چونکہ فقر و تقویٰ کا زمانہ تھا بچیوں نے امام شافعیؒ کا دامن پکڑا کہ یہ کیسا امام ہے جو پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے۔ یہ تو متقیوں کی شان سے بعید ہے۔ یہ کس قسم کا امام ہے جس کی آپ تعریف کرتے تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مجھ سے جواب نہ بن پڑا اس لئے کہ مجھے خود ناگوار ہو رہا تھا۔ تو بچیوں سے فرمایا کہ یہ خلجان میرے دل میں بھی ہے کہ احمد بن حنبل نے امام وقت ہوتے ہوئے اتنا کیوں کھایا مگر میں بول نہیں سکتا تھا۔ اس لئے کہ میں میزبان ہوں۔ اگر میں کہتا کہ تم کم کھاؤ تو اس کا مطلب ہے کہ میں اپنا کھانا بچانا چاہتا ہوں میرا موقعہ نہ تھا مگر دل میں میرے بھی خلجان ہے اس لئے چپ ہو گئے۔

عشاء تہجد اور فجر ایک وضو سے

اس کے بعد دونوں امام عشاء کی نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ امام شافعیؒ کی صاحبزادیوں نے بستر و کیا، اور چارپائی کے قریب لوٹا پانی کا بھر کر رکھا تاکہ آخر شب میں اٹھنے میں وضو وغیرہ کرنے میں دشواری نہ ہو۔ عشاء سے فراغت پر دونوں امام آگر

اپنے اپنے مقام استراحت پر آرام فرما ہوتے۔ صبح کا وقت ہوا تو دونوں حضرات صبح کی نماز کو مسجد میں تشریف لے گئے۔ صاحبزادیوں نے آکر بستر لپیٹا تو دیکھا کہ لوٹا اسی طرح پانی سے بھرا ہوا رکھا ہے۔ اب تو ان کے غصہ کا پارہ اور تیز ہوگیا۔ اور امام شافعیؒ نماز فجر سے فراغت پر جب گھر تشریف لائے تو بچیوں نے دامن پکڑ کر کہا یہ کیسا امام ہے، پیٹ بھر کر یہ کھاتا ہے رات کا تہجد اسے نصیب نہ ہوا، وضو اسکی نہیں کیا۔ یہ کیسا امام ہے جس کی آپ تعریف کر رہے تھے۔ یہ امام کی شان نہیں یہ تو ایک معمولی مسلمان کی شان ہے کہ بہت سے بہت پانچ وقت کی نماز پڑھ لی۔ امام کا رتبہ تو بہت بلند ہے۔

امام شافعی کا سوال تحیر

امام شافعیؒ سے صبر نہ ہو سکا بہر حال استاد تھے۔ امام احمدؒ بن حنبل سے آکر کہا کہ اے احمد بن حنبل یہ تغیر تم میں کب سے پیدا ہوا۔ کھانا کھانے بیٹھے تو تم نے اتنا کھایا۔ میرے بولنے کا موقع نہ تھا مگر دل میں خلجان ضرور رہا اس کے بعد لوٹا بھرا رکھا رہا معلوم ہوا کہ تم تہجد کے لئے نہیں اٹھے

امام احمدؒ کا رفع خلجان

امام احمد بن حنبل مسکرائے اور فرمایا حضرت واقعہ وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ واقعہ کچھ اور ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کیا واقعہ ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ جب کھانا چنا گیا تو اس کھانے پر اس قدر انوار و برکات کی بارش تھی کہ میں نے دنیا میں اتنی حلال کمائی آج تک نہیں دیکھی جتنا آپ کے گھر کا کھانا تھا۔ اس لئے میں نے چاہا کہ جتنا کھا سکتا ہوں کھا لوں چاہے بعد میں سات دن روزہ رکھنے پڑیں مگر یہ کھانا پھر مجھے نہیں ملے گا۔ یہ وجہ تو زیادہ کھانا کھانے کی ہے کہ میں نے اس کھانے کو زیادہ کھایا پھر اس پر انوار و برکات کی بارش دیکھی اور اتنا بابرکت اور حلال لقمہ میں نے عالم میں آج تک نہیں دیکھا اور فرمایا کہ اسکی دو برکتیں ظاہر ہوئیں۔ ایک علمی، اور ایک عملی۔ علمی برکت تو یہ ظاہر ہوئی کہ رات چارپائی پر لیٹ کر قرآن کی ایک آیت سے فقہ کے سو مسئلے استخراج کئے میرے اوپر علم کا ایک دروازہ کھل گیا، اور عملی برکت یہ کہ عشا کے وضو سے تہجد پڑھا اور اسی وضو سے نماز فجر پڑھی۔ اسکی جدید وضو کی ضرورت پیش نہیں آئی

امام شافعیؒ پھولے نہ سمائے

امام شافعی کھل گئے اور بچیوں سے کہا کہ دیکھا ہمارے یہاں امامِ وقت مہمان ہے: بچیوں کی خوشی کی بھی انتہا نہ رہی، یہ بات اس پر یاد آئی تھی کہ کل حلال سے قلب میں نور اور معرفت پیدا ہوتی ہے اور مشتبہ غذا سے ظلمت اور تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ اس سے نیکی کی توفیق بھی سلب ہو جاتی ہے کہ آدمی نیکی کرنا چاہتا ہے مگر توفیق نہیں ہوتی جیسے غالب نے کہا ہے ؎

جانتا ہوں ثوابِ طاعت وزہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی غالب

یہ تو معلوم ہے کہ یہ کام عمدہ ہے لیکن کرنے کو جی نہیں چاہتا اور جی اس لئے نہیں چاہتا کہ اندر لقمۂ حرام اور مشتبہ ہے تو توفیق اس سے سلب ہو جاتی ہے۔ عمل صالح کی طرف توجہ باقی نہیں رہتی اور لقمۂ حرام میں یہ اثر ہے کہ توفیق بھی چھن جاتی اور قلب میں کدورت بھی پیدا ہوتی ہے

شاہ جی عبداللہ شاہ دیوبندی کا واقعہ

اس پر مجھے اپنے ہی بزرگوں کا ایک واقعہ یاد آیا۔ ہمارے یہاں دیوبند میں ایک بزرگ تھے۔ شاہ جی عبداللہ شاہ گذر اوقات کے لئے انہوں نے گھاس کھودنے کا مشغلہ اختیار کیا تھا، گھاس کھود کر گٹھڑی بناتے اسے بیچتے اور اس سے گذر اوقات کرتے اور گٹھڑی کی قیمت متعین تھی چھ پیسے نہ کم لیتے تھے نہ زیادہ بارہ مہینے ایک ہی قیمت تھی۔ دیوبند کے لوگوں کا یہ حال تھا کہ جو لوگ اپنے جانوروں کے لئے گھاس خریدنے آتے تھے تو ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ شاہ جی کی گٹھڑی میں خریدلوں۔ حالانکہ سیکڑوں گھسیارے اپنی اپنی گٹھڑیاں لئے بیٹھے رہتے تھے لیکن ان سے کوئی نہ خریدتا تھا۔ بلکہ شاہ جی کو ترجیح دیتے تھے کہ اس میں ہمارے جانوروں کے لئے بھی برکت ہوگی اور ہمارے گھر میں بھی اسی لئے پہلے سے انتظار میں کھڑے رہتے تھے جب دیکھا کہ شاہ جی سر پر گٹھڑی لئے آرہے ہیں تو سب لوگ خریدنے کو دوڑتے تھے۔ جس نے گٹھڑی پہ پہلے ہاتھ رکھدیا بس گٹھڑی اسی کی ہو جاتی تھی اور وہیں پر گٹھڑی ڈالدیتے تھے۔ چھ پیسے لئے اور کہدیا کہ لے جاؤ اپنی گٹھڑی، پھر ان چھ پیسوں میں ان کے یہاں یہ طریق تھا کہ دو پیسے تو وہیں صدقہ کردیتے اور دو پیسے گھر کا خرچ تھا۔ ایک کوڑی کی لکڑی لی، ایک پائی کا تیل لیا، ایک

ادھیلہ کہ آنا ٹیا سستا کا زمانہ تھا۔ دو پیسے میں خاندان کا گذر ہوتا تھا) اور دو پیسے جمع کر لیا کرتے تھے۔ سال بھر میں جب آٹھ دس روپے جمع ہو جاتے تو ہمارے اکابر کی دعوت کیا کرتے تھے۔ جن میں مثلاً حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد یعقوبؒ وغیرہ وغیرہ ہوتے تھے۔

اکل حلال کی برکت اور نورانیت

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ سال بھر میں انتظار رہتا کہ کب وہ وقت آئے کہ شاہ جی کے گھر کی دعوت کھائیں اور فرماتے کہ جس دن ان کے گھر کی دعوت کھاتے تو چالیس چالیس دن قلب میں ایک نور رہتا ہے اور طبیعت میں اُمنگ رہتی ہے کہ یہ بھی نیکی کر لوں اور یہ نفلیں بھی پڑھ لوں اور یہ تلاوت کر لوں۔ یہ ذکر بھی کر لوں۔ چوبیس گھنٹے یہ جذبہ اُبھرتا ہے۔ یہ اس اکلِ حلال کی برکت ہے۔

لقمہ حرام کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے

اسلام نے سب سے زیادہ زور اکل حلال پر دیا ہے اس لئے جتنی چیزیں ہیں کہ جس سے لقمہ میں کوئی حرمت پیدا ہو۔ کوئی شبہ پیدا ہو۔ کوئی ناجائز شکل پیدا ہو ان سب چیزوں کو شریعت نے ممنوع قرار دیدیا سود کو حرام کر دیا۔ احتکار کو حرام قرار دیدیا۔ احتکار کے معنی ہیں گرانی کی اُمید پر مال کو روک کر رکھنا۔ احتکار کی صورت میں مخلوق کو ستانا ہے اور مخلوق کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے ضرورت ہوتے ہوئے مال کو اپنے نفع کے لئے روک کے رکھنا ایسی تمام چیزیں حرام قطعی ہیں اور کچھ "مکروہ" ہیں مگر ایسی تمام چیزوں کو شریعت نے ممنوع قرار دیا ہے کہ جن سے مال میں کسی قسم کا اشتباہ پیدا ہو۔ کوئی حرمت پیدا ہو یا کوئی کراہت پیدا ہو۔

دنیا وسیلۂ آخرت ہے نہ کہ مقصد

مقصد اس کا یہ ہے کہ مسلم پیدا ہوا ہے دنیا میں اپنی آخرت بنانے کے لئے۔ دنیا اس کے لئے وسیلہ ہے۔ وسیلہ اس کا اگر گندہ بنا تو مقصد میں بھی گندگی آجائے گی۔ وسیلہ اگر پاک ہے تو مقصد بھی پاک ہوگا۔ اسی لئے مقصود اصلی آخرت ہے گو اس کے لئے دنیا ہے۔ اس کے قاعدے بنا دیئے ہیں کہ جائز طریق پر کماؤ جائز طریق

پر خرچ کرو۔ ناجائز اور حرام، مکروہ اور مشتبہ چیزوں سے بچو نہ بچنے کی صورت میں نہ صرف یہ کہ برکت نہیں ہوگی۔ بلکہ برکت نہ ہونے کے ساتھ ساتھ ظلمت بھی ہوگی اور اس کے آثار ناپاک ظاہر ہوں گے۔ عمل میں بھی اور اخلاق میں بھی۔

لقمۂ حلال کی قدر اور لقمہ حرام سے احتراز

یہ دو ذہین واقعے میں نے اس لیئے سنا دیئے کہ لقمۂ حلال کی کتنی قدر و قیمت ہے اور لقمۂ حرام اور لقمۂ مشتبہ سے شریعت نے کتنا بچایا ہے۔

حرام میں برکت نہیں

اگر ہم قومی خدمت کریں اور ہم اس کے اندر اشتباہ پیدا کریں یا کم از کم مکروہ چیزیں داخل کردیں اور یا صریح حرام چیزیں داخل کردیں تو اس سے برکت کیا ہوگی۔ بلکہ خود بھی مبتلا ہوں گے ظلمات میں اور قوم کے قلب میں بھی غلاظت بھرنے والے ہوں گے۔ ان کے دل میں بھی خیر و برکت پیدا نہیں ہوگی۔ اسلئے یہ نیت تو نہایت نیک ہے کہ سرمایہ جمع کیا تاکہ قوم کو فائدہ پہنچے۔

تحفظ سرمایہ کی صورت

سرمایہ کے تحفظ کی صورت بجائے حرام کے جائز شکل کیوں نہیں اختیار کر لیتے مضاربت کی صورت کریں۔ دو چار افراد اپنی تجارت میں لگادیں اور حسب رقم اس کا منافع دیتے رہیں۔ رقم بھی محفوظ رہے گی منافع بھی چلتا رہے گا اور ترقی بھی ہوتی رہے گی۔

حرام کی طرف مسلم کی طبیعت نہیں جانی چاہیئے

آخر اس کے معنی کیا ہیں کہ مسلمان نفع کمائے تو اسکی طبیعت حرام اور مکروہات کی طرف کیوں جاتی ہے جبکہ وہ اللہ اور رسولؐ کو مانتا ہے اس کی طبیعت اور فطرت کا تو تقاضا یہ ہونا چاہیئے کہ مشتبہ چیزوں سے بچے اور جائز اور حلال چیزوں کی طرف چلے تاکہ اپنا بھی نفع ہو اور دوسروں کا بھی نفع ہو تو بھید یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ بات کیا ہے کہ صاحب سود سے کریں گے قوم کی خدمت کوئی فرعی چیز ہو یا کوئی اجتہادی چیز ہو تو اس میں کچھ گنجائش نکالیں بھی ایک صریح اور قطعی حرام چیز اور آدمی اس سے فائدہ سوچے یہ کسی طرح مناسب نہیں۔

حرام میں شفاء نہیں

بیماری اور دواؤں کے سلسلے میں حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَمْ یَجْعَلْ شِفَاءَکُمْ فِیْمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ۔ اللہ نے ان دواؤں میں تمہارے لئے شفاء نہیں رکھی جو دوائیں حرام ہیں شراب ہے، قمار کی چیزیں ہیں، جوا ہے، ان میں شفا نہیں ہے اگر ظاہری طور پر شفاء ہوئی بھی تو روح اتنی بیمار ہوگی کہ بدن پھر آخر غلیظ اور گندہ ہوگا، پھر بیمار پڑے گا۔ جب مادی امراض کی شفا بھی حرام میں نہیں تو روحانی امراض کی شفا کیسے ہو جاوے گی حرام کے اندر، اور وہ بھی قطعی حرام، اس لئے یہ سوال ہی آنا نہیں چاہیئے، نیت نیک ہے، جذبہ نیک ہے، پھر قومی خدمت کرے تو کوئی بنک ایسا قائم کرے جو شرعی جواز کے تحت میں ہو ذرا سے ہیر پھیر سے ایک ناجائز چیز جائز بن جاتی ہے، ذرا سا تغیر کر دو وہی نفع رہے گا مگر جائز بن جائے گا۔

میرٹھ کے ایک دیندار اور متقی تاجر کا واقعہ

ہمارے یہاں میرٹھ میں ایک تاجر تھے حاجی عبدالغنی صاحب مرحوم وہ حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمن صاحبؒ سے بیعت تھے نہایت دین دار تاجروں میں سے تھے اور ٹوپیوں کی انکی تجارت تھی۔ میرٹھ کی ٹوپیاں اس زمانہ میں مشہور تھیں اور ریشم کا زری کا کلابتور کا کام بھی ان کے یہاں ہوتا تھا۔ دارالعلوم کے ایک فاضل کو دو ٹوپیاں بنوانے کی ضرورت پیش آئی تو انہوں نے حاجی صاحب سے فرمائش کی مگر یہ کہا کہ مغرق ہونی چاہیئیں کپڑا انظر نہ آئے صرف پکی زری کا کام ہو کپڑے کے اوپر اور کپڑا اس زری کے اندر چھپ جائے۔ اُسے مُغرق کہتے ہیں۔ گویا کپڑا زری میں غرق ہے۔ حاجی صاحب نے ٹوپیاں بنوادی۔ دس پندرہ روز میں مولوی صاحب سے کہا ٹوپیاں بن گئیں اور ہر ایک ٹوپی کی قیمت پندرہ روپے ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ بہت اچھا ٹوپی دیدیجئے قیمت کل کو آجائے گی۔ حاجی صاحب نے کہا کہ قیمت کل کے بجائے چاہے دو مہینے میں آجائے آپ سے کوئی بے اعتباری نہیں لیکن یہ جائز بھی ہے یا نہیں اس کو سوچئے۔ مولوی صاحب کہنے لگے ناجائز ہونے کی کیا بات ہے۔ حاجی صاحب نے کہا کہ مغرق کپڑا حکم میں زری کے ہوتا ہے اسمیں ادھار جائز نہیں ورنہ سود ہو جائے گا۔ وہ تو نقدًا، یدًا بید، مثلاً بمثل۔ ہاتھ در ہاتھ برابر

برابر ہونا چاہیئے۔ اس میں اُدھار جائز نہیں اسلئے کہ وہ چاندی کی بیع ہے۔ وہ کپڑے کی بیع نہیں۔ کیونکہ متفرق کپڑا چاندی کے حکم میں ہوتا ہے تو اسکی قیمت تو جب چاہے آ جائے کوئی بے اعتباری نہیں، مگر یہ جائز نہیں۔ تو وہ نادم ہوئے اور انہوں نے کہا کہ میں فاضل دار العلوم ہوں اور یہ دکان پر بیٹھنے والے ان پڑھ۔ انہیں اتنے مسئلے معلوم اور مجھے اس کا پتہ بھی نہیں بہت ندامت ہوئی۔ کہا کہ حاجی صاحب میں شرمندہ ہوں۔ واقعی مجھے ذہول ہوا۔ مسئلے کی طرف التفات نہیں میں دو تین میں آؤں گا اور نقد خرید کر لے جاؤں گا۔

حاجی صاحب نے کہا کہ ایسی صورت نہ تمہیں بتادوں کہ نقد بھی ہو جائے اور اُدھار بھی ہو جائے اور جائز بھی ہو جائے۔ کہنے لگے کہ وہ کیا صورت ہوگی۔ حاجی صاحب نے کہا کہ تم تیس روپے مجھ سے قرض لے لو۔ ٹوپیاں نقد خرید لو اور قرض چاہے دو مہینے میں ادا کر دیجئے، کہنے لگے کہ میں فاضل دار العلوم ہو کر بھی ان مسائل کی طرف التفات نہیں اور یہ تجار دکان پر بیٹھ کر اتنے مسائل جانتے ہیں۔ یہ اثر تھا اہل اللہ کی صحبت کا۔ خود عالم نہیں تھے مگر علماء کی صحبت میں بیٹھنے والے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے اندر حرام و حلال کی تمیز کا اسقدر مادہ تھا اور حرام سے بال بال بھی بچنے کی کوشش کرتے تھے اور یہی جذبہ تھا کہ مسائل پر اتنی نظر تھی تو وہی کام اُدھار بھی ہو گیا اور جائز بھی ہو گیا صرف تھوڑے سے تغیر سے۔

رائے تو ایسا کیوں نہ کیا جاتے کہ اس لاکھ ڈیڑھ لاکھ کو باقی رکھنے کی صورت کو ذرا سی تبدیلی کر کے حدِ جواز میں لے لیا جائے تاکہ حرام سے بچا جاتے۔

مسلم اور غیر مسلم میں فرق

تو مسلمان کا تو کام ہی یہ ہے کہ معاملہ ہو۔ طاعت ہو۔ عبادت ہو، اس میں حرام و مکروہ سے بچ کر حدِ جواز کی طرف آتے یہی معنی اس کے اسلام کے ہیں ورنہ تو مسلم اور غیر مسلم میں فرق کیا رہ گیا۔ وہ بھی سود خوار تم بھی سود خوار، وہ بھی حرام خور اور تم بھی حرام خور۔ تو ہم تمہیں حلال خور بھی نہیں بنانا چاہتے ہیں (بر سبیل لطیفہ فرمایا) اور حرام خور بھی نہیں بنانا چاہتے۔ آدمی اکل حلال پر رہے۔

مشورہ تو میں عرض کرتا ہوں کہ نیت بھی نیک ہے، جذبہ بھی نیک، اور قومی خدمت کا جذبہ مبارک، تو ذرا سا تغیر کر کے اس کو حدِ جواز میں لے لیں، کیوں حرام کی طرف جارہے ہیں کہ قوم کی روح کو بھی گندہ کریں اور خود بھی گندے بنیں اور آخرت کا مواخذہ الگ، کوئی بنک قائم کردیں یا کوئی ایسی صورت قائم کردیں کہ اپنی تجارت میں لگالیں، یا کوئی کمپنی تجارت کی بنادیں، اور اس میں شرکاء ہوں نفع نقصان کے شریک رہیں، اور پھر وہ رفاہ عام کے لئے خرچ کریں تو اس سے راس المال بھی محفوظ رہے گا اور بڑھتا بھی رہے گا تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ لوگ کیوں ایسا کر رہے ہیں اور کس قسم کا وہ اسلام ہے جو اس پر آمادہ کر رہا ہے۔

ایک اور سوال اور جواب دوران گفتگو میں ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت! کہا جاتا ہے کہ اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ربٰوا ہے صرف ربٰوا حرام نہیں ہے۔ اس پر حضرت نے دریافت فرمایا کہ یہ علماء کہتے ہیں یا تاجر کہتے ہیں۔ سائل نے کہا کہ حضرت یہ بات ڈاکٹر فضل الرحمٰن نے کہی تھی۔ رسالوں میں لوگوں نے دیکھ لی ہے۔ اس کو بہانہ بنایا جارہا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ رسالوں میں تو بہت سے مضامین آتے رہتے ہیں۔ اہل حق کے بھی اور اہل باطل کے بھی مُؤَوِّلین کے بھی و مکذبین کے بھی کہیں ان میں سے چھان بین کر کے حق اور صواب کو نکالنا یہ تو متدین علماء کا کام ہے اور تاجر جو متہم ہوں پیشہ کمانے کی خاطر ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں وہ تو ایسی چیزوں سے حیلہ تلاش کریں گے کہ ان کا نفع ہاتھ سے نہ جائے وہ جائز ناجائز کی پرواہ نہیں کرتے ہیں یا تو فتویٰ لیا جائے ایسے علماء سے جو متدین ہوں۔ ملک و قوم کو جن کے دین و دیانت پر اعتماد ہو اور علم ان کا مستند ہو۔ قوت مطالعہ سے جو علم آتا ہے اسمیں امام اپنا نفس ہوتا ہے جو چاہے وہ کرے اور نفس ہے ناتہذیب یافتہ اس لئے یہ معتبر نہیں کہ فلاں وکیل صاحب نے یہ کہدیا اور فلاں ڈاکٹر صاحب نے یہ کہدیا اور فلاں منسٹر صاحب نے یہ کہدیا، تو جس کے آخر میں "ٹر" ہو ہم اسکی بات نہیں مانیں گے (برسبیل لطیفہ فرمایا) کوئی عالم متدین کہے یا فتویٰ دے مستند اداروں سے فتویٰ حاصل کیا جائے وہ اجازت دیدیں تو آپ بے تکلف کریں، فلاں نے کہدیا، اس نے کہدیا یہ قابل اعتبار بات نہیں ہے۔

سودی معاملہ مسلم اور حربی کے درمیان بھی جائز نہیں

ایک صاحب نے سوال کیا کہ حدیث لا ربٰوا بین المسلم والحربی کے تحت مسلم اور حربی کے درمیان سود کا معاملہ ہو سکتا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ حدیث ربوا بین المسلم والحربی کہاں ہے؟ اور اس حدیث کے ساتھ جو دوسری حدیث ہے وہ آپ کے سامنے نہیں۔ یہ آئمہ میں خود مختلف فیہا مسئلہ ہے۔ قطعی بات یہ ہے کہ سود کسی حالت میں جائز نہیں، اب جو کہتے ہیں لا ربٰوا اس کا یہ مطلب نہیں کہ ربٰوا جائز ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ربٰوا ہوتا ہی نہیں۔

دار الحرب کا مطلب

مسلم اور کافر کے درمیان دار الحرب میں معاملہ اور ہوتا ہے اور پھر دار الحرب میں یہ بھی قید ہے کہ جنگ جاری ہو، حالت راہ نہ دے اس وقت کا یہ مسئلہ ہے، ایک دار الحرب کا یہ معنی ہیں کہ شعائر اسلام وہاں بلند نہ ہوں۔ اسکی مسائل دوسرے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر دار الحرب مان لیا جائے تو دار الحرب کے دوسرے احکام سامنے نہیں؛ دار الحرب جب ہو تو ہجرت کرنی واجب ہے ملک چھوڑ کر دار الاسلام کی طرف جایئے۔ اسکی تو جرأت کرتے نہیں کہ یہ دار الحرب ہے۔ اُسے چھوڑ کر دار الامن اور دار الاسلام میں جانا چاہیئے اس کا دھیان کسی کو نہیں جاتا۔ جب دھیان جاوے تو پیسہ کی طرف جاوے گا۔ تو دار الحرب کا حیلہ مل گیا ہے۔ پیسہ بٹورنے کو۔ یہ حیلہ جوئی اور پیسہ بٹورنا ہے تدیّن اور تقوی جسے کہتے ہیں وہ نہیں ہے۔

دار الحرب سے ہجرت ضروری ہے

اگر دار الحرب مانتے ہیں تو دوسرے مسائل پر کیوں نہیں عمل کرتے ہیں۔ مثلاً ہجرت ضروری ہے۔ وہ قوت پیدا کرنی ضروری ہے جس سے دار الحرب دار الاسلام بنے۔ کفار سے جنگ کرو۔ اسکی تیاری کرو اور پیسہ اس میں لگاؤ جہاد کے لئے ہتھیار فراہم کرو۔ اس کے لئے کوئی صاحب تیار نہیں، کوئی صاحب آمادہ نہیں، دار الحرب صرف اسلئے رہ گیا ہے کہ سودی لین دین جائز ہو جائے اور اب تک کا سود جائز ہو جائے اسی وقت

دارالحرب کے متعلق یہی ایک مسئلہ نہیں۔ بلکہ ہجرت بھی ہے، جہاد بھی ہے۔ قومی معاملات بھی ہیں۔ کتنے ہی مسائل دارالحرب کے متعلق ہیں تو پھر آخر پیسہ ہی کیوں سامنے آتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جذبہ پیسے کا ہے اور دارالحرب حیلہ ہے اور جذبات دوسرے ہیں۔ دارالحرب کی آڑ لیکر پیسہ بٹورنا چاہتے ہیں سودی لین دین کرکے۔

دارالحرب اور سود لازم ملزوم نہیں ایک صاحب نے سوال کیا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کا فتویٰ ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے بارے میں ہے۔ پھر اس کا کیا جواب ہوگا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ ہمارے اکابر کا بھی فتویٰ ہے تو کیا ان کا یہ بھی فتویٰ ہے کہ سودی لین دین بھی کرو۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے فتویٰ دیا تھا اس زمانے میں جبکہ انگریز کا کامل تسلط تھا لیکن کیا انہوں نے یہ بھی فتویٰ دیا تھا کہ سودی لین دین بھی شروع کردو۔

سود پر ایک دلچسپ مباحثہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ
حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ

حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوریؒ لاہور تشریف لے گئے۔ یہ وہ زمانہ ہے کہ حضرت مولانا طفیل احمد صاحبؒ زندہ تھے جو مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں رجسٹرار تھے اور صحیح دین دار لوگوں میں سے تھے۔ بی اے بھی تھے ان کی رائے یہ تھی کہ سودی لین دین جائز ہونا چاہیئے۔ بغیر اسکے قوم ترقی نہیں کرسکتی۔ انہوں نے اس سلسلے میں ایک رسالہ بھی نکالا تھا، "سودمند" نام کا۔ سود کے جواز کے جتنے حیلے مل سکتے تھے اس میں وہ سب موجود تھے اور باقاعدہ اسکی اشاعت و طباعت کی گئی۔ اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا حضرت تھانویؒ سے کسی نے ان کا ذکر کیا کہ حضرت! وہ سود کے جواز کی فکر میں ہیں حضرت نے فرمایا کہ لونڈے کی بات کا کیا اعتبار۔ ذکر کرنے والے نے کہا کہ حضرت! وہ لونڈا ہے؟ وہ تو مولانا طفیل احمد صاحب بوڑھے آدمی ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا جس کا نام طفیل ہے۔ (طفیل کے معنی ہیں چھوٹا سا بچہ) تو وہ لونڈا نہیں تو اور کیا ہے تو خیر اس زمانے میں یہ قصہ چل رہا تھا اور یہ سب حضرات لاہور پہنچے۔ مولانا ظفر علی خاں صاحب (ایڈیٹر زمیندار) اور ڈاکٹر اقبال صاحب اور دوسرے بڑے بڑے لوگ ملنے

کی خاطر حاضر ہوتے۔ اتفاق سے مولانا ظفر علی خاں صاحب بھی کچھ اسی خیال کے تھے جو خیال مولانا طفیل احمد صاحب کا تھا۔ انہوں نے سود کے جواز پر آدھ گھنٹہ بڑی مدلل تقریر کی اور اقتصادی دلائل وغیرہ سے ثابت کیا۔ مقصد یہ تھا کہ یہ حضرات ذرا کچھ مائل ہوں گے۔ ڈھیلے پڑیں گے سود کے سلسلے میں۔ حضرت شاہ صاحب نے جو جواب دیا وہ تو صرف دو لفظوں کا تھا۔ ان کی بات تو ایسی تھی۔ فرمایا کہ "بھائی ہم پل بننا نہیں چاہتے۔ جسے جہنم میں جانا ہو خود جاتے ہماری گردن پر پیر رکھ کر نہ جاتے۔" یہ جواب سن کر سب چپ بیٹھے رہے۔ علامہ اقبال بھی اور مولانا ظفر علی خاں صاحب بھی کسی کو بولنے کی ہمت تک نہ ہوئی۔ پھر علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نے آدھ گھنٹہ بڑی مفصل تقریر کی جس میں انہوں نے دلائل سے ثابت کیا کہ سود ہر حالت میں حرام ہی ہے کسی صورت میں بھی جائز نہیں۔

قومی ہمدردی کا صحیح طریقہ

یہ سلسلہ بہت دنوں سے چل رہا ہے اور قومی ہمدردی کے نام پر چل رہا ہے اور ایسے ہمدرد پیدا بھی ہوئے اور گذر بھی گئے اور دوسرے ہمدرد بھی پیدا ہوئے وہ بھی گذر گئے۔ اور بھی پیدا ہوں گے وہ بھی گذر جائیں گے مگر مسئلہ اپنی جگہ اٹل رہا ہے اور رہے گا اس سلسلہ میں اگر خلجان ہے تو سیدھی سی بات ہے کہ جو معتمد اور مستند ادارے ہیں۔ ان سے استفتار کرلیں۔ اس میں منشا ظاہر کر دیں کہ ہم نے اتنی رقم جمع کی ہے اور ہمارا منشا یہ ہے کہ قوم کی خدمت ہو اور رقم محفوظ رہے۔ اسکے منافع سے قوم کو فائدہ پہنچے۔ اسکی جائز صورتیں کیا ہو سکتی ہیں ایک صورت یہ ہے کہ سود لیا جائے ایک صورت یہ ہے کہ تجارت میں لگا دیا جائے تو اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جو وہاں سے مستند فتویٰ آجائے اس پر عمل کیا جائے اجر بھی ملے گا اور قوم کا فائدہ بھی ہوگا۔

دین کا مدار حجت پر ہے کثرت پر نہیں

ایک صاحب نے پوچھا کہ اگر جماعت کی اکثریت نے فیصلہ کر دیا کہ سود کا روپیہ لے لیا جائے۔ اسمیں کچھ حرج نہیں تو اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ دین کا مدار مجارٹی پر یا سروں کی گنتی پر نہیں، یہ کوئی کونسل یا اسمبلی کے فیصلے تھوڑا ہی ہیں۔ اسمبلی میں سر گنے جاتے ہیں سروں کی تعداد پر فیصلہ ہوتا ہے۔ سروں کے اندر کی چیز نہیں دیکھی جاتی یعنی عقل بھی ہے یا نہیں۔ اس کا کوئی خیال نہیں کیا جاتا ہے

بلکہ تعداد کی زیادتی پر فیصلے ہوتے ہیں اور دین کا مدار حجت پر ہے اس کے بارے میں تو علامہ اقبال صاحب نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو!!
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

کہ اس جمہوری طرز کو چھوڑو اور کسی پیر دانا کے قیدی بن جاؤ اگر دو سو گدھے جمع ہو جائیں تو انسانی فکر تھوڑا ہی ان کے دماغ میں سے نکلے گی دو سو، چار سو گدھے جمع ہو جائیں تو گدھے کا خیال ہی نکلے گا۔ انسانی فکر کہاں سے نکلے گا۔ انسانیت ہو تو جب ہی انسانیت کی بات ذہن سے نکل سکتی ہے اور انسانیت وہاں مفقود ہے تو بیوقوفی کا خیال ذہن سے برآمد ہوگا۔ اسی کو قرآن کریم نے کہا ہے کہ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ زمین پر بیوقوفوں کی جو اکثریت ہے اس کا اتباع مت کرو وہ تم کو گمراہ کر کے رہیں گے۔ حق کے راستے سے ہٹا کر چھوڑیں گے۔ اسلئے اگر اکثریت فیصلہ کرے تو وہ دینی حجت کے مقابلے میں کوئی کارگر نہ ہو سکے گا خواہ پوری دنیا کے انسان اس فیصلے کو مل کر پاس کر دیں اور دینی حجت اسکے خلاف ہو۔ لہذا سود حرام ہی رہے گا۔ جیسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ کسی کے حلال یا جائز کرنے سے جائز نہیں ہوگا۔ پاخانے کو کتنا ہی دھولو، صاف کر لو وہ پاخانہ ہی رہے گا۔ پاک تو ہونے سے رہا۔ ناپاک ہی رہے گا، اور اس پانی کو بھی ناپاک کر دے گا۔ جس پانی سے اس کو پاک کرنے کی کوشش کی جائے گی تو ایسے ہی ایک حرام قطعی چیز خود تو حلال نہیں ہوگی اور ان اذہان کو بھی اپنی رو میں بہا کر گندہ کر دے گی۔ جن اذہان میں اس قسم کے تصورات آتے رہتے ہیں کہ اپنے مفاد کی خاطر ایک حرام شے کو حلال کریں اسلئے ایسے تصورات ذہن میں نہ جانے چاہیئے اور نہ ہی ایسے ارادے کرنے چاہیئں۔ جب کوئی شے حلال طریقہ سے حاصل ہو سکتی ہے تو اسکی حصول میں حرام طریقہ کو کیوں استعمال کریں۔ اللہ ہمیں محفوظ فرمائیں اس قسم کے خیالات سے۔

دعا پر مجلس ختم ہوئی

دوسری مجلس

انبیاء اولیاء اور اطفال کی عصمت میں فرق ہے۔

ایک صاحب نے سوال کیا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام باجماع امت معصوم ہیں ان کی عصمت میں کسی کو کلام نہیں اور قبل البلوغ بچے بھی از روئے شرع معصوم ہیں۔ کیونکہ شریعت نے قبل البلوغ ان کے کسی فعل شنیع پر دارو گیر نہیں کی۔ لہذا ان کی عصمت بھی متفق علیہ ہے اور اولیاء اللہ بھی گناہ سے بہت بچتے ہیں۔ اس اعتبار سے وہ بھی معصوم ہوئے تو اب حضور والا وضاحت فرمادیں کہ ان کی عصمت میں کچھ تفاوت ہے یا سب کی عصمت ایک ہی قسم کی ہے؟

اس پر حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہاں فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ بچوں کے اندر جو قوت ہے گناہ کی وہ اسوقت بیدار نہیں وہ ابھار جس کا تعلق فعل سے ہے وہ ابھری ہوئی نہیں ہے۔ صرف مادہ موجود ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں مادہ بھی موجود ہے اور نفس بھی موجود ہے، اور پھر نفس کا مقابلہ کر کے گناہ سے بچتے ہیں اور یہ کمال ہے۔

گناہ کا منشاء

فرمایا کہ انسان میں گناہ کا منشاء صرف دو چیزیں ہیں حُبِّ جاہ اور حُبِّ باہ۔ اسی لئے بعض گناہ تو سرزد ہوتے ہیں جاہ طلبی سے۔ مثلاً آدمی اقتدار چاہتا ہے۔ اسکے لئے دوسروں کی توہین کرتا ہے۔ تذلیل کرتا ہے، زبردستی دباتا ہے جس کو اس زمانہ کی اصطلاح میں استحصال عوام کہتے ہیں۔ یعنی عوام کو حاصل کر کے ایک شخص لیڈر بنتا ہے۔ پھر چاہے دوسروں کا خون ہو، مگر اسے کرسی ملی۔ اُسے عزت ملی، ہزاروں مخلوق برباد ہوتی، کٹ جاتی ہے مگر اسکی لیڈری چمک جاتی ہے۔ اس کا منشاء ہوتا ہے حُبِّ جاہ اور حُبِّ اقتدار۔

حُبِّ جَاہ ایک شخص اپنے کو بڑا جانتا ہے تو ظاہر بات ہے کہ وہ کسی کو سلام کرنے میں اپنے لئے عار محسوس کرے گا۔ وہ چاہے گا کہ دوسرے مجھے سلام کریں۔ میں بڑا آدمی ہوں۔ یہ چھوٹے ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ یہ میرے آگے جھکیں، تو کبر کے معنیٰ فقط بڑے بننے کے نہیں ہیں بلکہ تحقیر ناس یعنی لوگوں کو حقیر سمجھنا اور ذلیل جاننا اور اپنے کو ان سے بالاتر اور بڑا جاننا یہ حقیقت ہے کبر کی، اور یہ جذبہ انسان میں موجود ہے۔ اسکی سینکڑوں گناہ متعلق ہیں، لڑائی جھگڑا، گالم گلوچ، مار پیٹ، قتل وغارت گری اور دنیا بھر کے سینکڑوں گناہ محض جاہ کی وجہ سے عمل میں آتے ہیں آدمی اپنے کو چھوٹا سمجھے تو اس قسم کے گناہ کا انسداد ہو سکتا ہے۔

حُبِّ بَاہ (شہوت رانی) ایک جذبہ انسان میں باہ کا ہے یعنی شہوانی قوت ہے ہزاروں گناہ اسکی متعلق ہیں۔ یہ شہوتیں دو ہیں۔ ایک شہوت بطن کو پورا کرنے کے لئے کھانے پینے کی چیزیں جمع کرتا ہے اور شہوت فرج سے اس کو نکالنے کی کوشش کرتا ہے تو ہزاروں کا گناہوں کا سرچشمہ یہ بھی ہے۔ اس قسم کی شہوت کو پورا کرنے کے لئے حلال وحرام کی کوئی تمیز نہ رہے گی مال حاصل کرنے میں جائز ناجائز کی پرواہ نہ کرے گا چوری ہو، رشوت ہو، سود ہو، بہر حال کسی طرح سے پیسہ جمع ہو اور اسکی نفس کے اندر وہ قوت بڑھے جس سے شہوانی جذبات پورے ہو سکیں تو شہوت بطن کا حاصل ہے۔ مرغوبات نفس کو بٹورنا اور جمع کرنا، مال ہو، لباس ہو، سامان ہو۔ آدمی اسے حاصل کرے جس طرح سے بھی ہو سکے۔ جب اس قوت میں آدمی غرق ہو جاتا ہے اس کو حرام حلال کی کوئی پرواہ نہیں رہتی۔ جیب کترے۔ جیب کترتے ہیں، چوری کرنے والے چوری کرتے ہیں ڈکیتی ڈالنے والے ڈکیتی ڈالتے ہیں۔

قانونی ڈکیتی ایک خاص قسم کی ڈکیتی ہے قانونی۔ جس میں قانون کی آڑ لیکر مال بٹورا جاتا ہے، خواہ ٹیکس لگا کر خواہ کسی کو ڈرا دھمکا کر جیسے پولیس والے سر کیا کرتے ہیں کہ جرم ہو نہ ہو اُسے ڈرایا دھمکایا۔ اسکیں کچھ رشوت دی اسے چھوڑ دیا تو مال کی تحصیل میں آدمی حرام حلال کی پرواہ نہیں کرتا اور ہزاروں گناہ اس سے سرزد

ہوتے ہیں۔

شہوتِ فرج

ایک شہوتِ فرج یعنی شرمگاہ کی شہوت ہے۔ اس سے آدمی بدکاری، زناکاری، فحش عریانی وغیرہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ جیسے شہوت بطن سے ہزاروں گناہ متعلق ہیں۔ اسی طرح شہوتِ فرج سے بھی ہزاروں گناہ متعلق ہیں۔

گناہ شیطان اور لغزش آدم

عالم ازل میں ایک گناہ شیطان نے کیا اور ایک لغزش حضرت آدمؑ سے سرزد ہوئی۔ شیطان کے گناہ کا منشا تھا جاہ طلبی، جب اس کا حکم دیا گیا کہ آدم کو سجدہ کرو، تو اس نے کہا کہ میں آدم کے سامنے سجدہ کیوں کروں۔ یہ حکم عدولی کی اور یہ ہی نہیں کہ صرف اتنا ہی کہہ کر بس کردی ہو، بلکہ حق تعالیٰ کے حکم میں مین میخ بھی نکالی اور کہا کہ (معاذ اللہ) آپ کا یہ حکم خلاف فطرت ہے خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ آپ نے مجھے آگ سے بنایا اور آدمؑ کو مٹی سے اور آگ کی فطرت ہے سر اونچا کرنا اور مٹی کی خاصیت ہے پست ہونا۔ تو آپ نے سر بلند ہونے والے کو پست کے سامنے ذلیل ہونے کا کیوں حکم دیا۔ میں اونچا ہونے والا اس پست کے آگے کیسے جھک جاؤں۔ یہ گناہ حکم عدولی کا تو سرزد ہوا ابلیس لعین سے جس کا منشا تھا جاہ طلبی، عزت، حسب، کبر، رعونت، فرعونیت اور ایک لغزش سرزد ہوئی حضرت آدمؑ سے وہ حقیقتاً گناہ تو نہیں تھی بلکہ غلط فہمی تھی، اور وہ یہ کہ شجر ممنوعہ کے کھانے سے روکا گیا تھا اور باقی جنت کی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا حکم تھا اور اس درخت کے پاس تک جانا ممنوع تھا۔ کھانا تو درکنار، وہ درخت حضرت آدمؑ نے کھالیا لیکن حکم عدولی کا کوئی واہمہ تک بھی نہ تھا۔

شیطان کی تلبیس

حضرت آدم کے ذہن میں شیطان نے اولاً وسوسہ ڈالا اور تدبیر سجھائی اور تلبیس کر کے تاویل سجھائی کہ اسکی ممانعت ابدی نہیں ہے۔ بلکہ خاص وقت تک تھی وہ وقت نکل گیا۔ اب تمہارا معدہ اس نعمت کو ہضم کرنے کا متحمل ہے اور اسکی خاصیت یہ ہے کہ جو اس درخت کو کھالے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہے گا۔ اس نعمت سے نہیں نکل سکے گا۔ جھوٹ بھی بولا اور

دھوکہ بھی دیا اور قسم بھی کھائی۔ وَقَاسَمَهُمَا اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ۔ قسمیں کھاکھا کر کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ تم کھالو گے تو ابدی طور پر جنت میں رہو گے اور اگر اس کو نہ کھایا تو ممکن ہے کہ جنت سے نکال دیئے جاؤ، اور ان کو سمجھایا کہ ابدی حکم نہیں، بلکہ ایک وقت تک کے لئے تھا۔ اب جنت کی آب وہوا آپ میں اثر کرگئی۔ پوری طرح رچ گئی ہے۔ اب آپ کھالیں گے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ابتدائی حالت میں کھانے میں مضرت تھی۔ حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اسکی ممانعت کی گئی ہے۔ میں کیسے کھاؤں اور حکم خداوندی کے خلاف کیسے کروں۔ مگر ادھر تو اس کمبخت نے قسم کھائی اور آدم پاک قلب ہیں سچے قلب ہیں۔ نہ دھوکے سے واقف نہ فریب سے واقف اور اللہ کا نام لے کر ایک شخص فریب کرے تو گویا ان کے وہم میں بھی یہ نہیں آسکتا تھا کہ کوئی آدمی خدا کا نام لے کر بھی جھوٹ بول سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ ہی بات ہو اور یہ واقعہ ہے کہ جو شخص سچا ہوتا ہے اسے دھوکہ ہی یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص جھوٹ بھی بول سکتا ہے، وہ تو جھوٹ کو بہت بری چیز سمجھتا ہے اسی لئے سچا آدمی دوسروں کو بھی سچا سمجھتا ہے۔ اس کا وہم بھی نہیں جاتا کہ یہ جھوٹ بول کر دھوکہ دے رہا ہے اسی واسطے محدثین لکھتے ہیں اِنَّ اَكْذَبَ الْحَدِيْثِ حَدِيْثُ الصَّالِحِيْنَ کہ صوفیاء کی حدیثیں جھوٹی ہوتی ہیں۔ اسکی وجہ یہ نہیں کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں (معاذ اللہ) وہ تو اتنے سچے ہوتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ کا نام لے کر کوئی راوی روایت کرے کہ اللہ کے رسول نے یہ فرمایا ہے تو ان کو وہم بھی نہیں گذرتا کہ کوئی آدمی اللہ اور رسولؐ کا نام لے کر جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ وہ تو صحیح سمجھ لیتے ہیں۔ تو سچے آدمی بعض دفعہ دوسروں کے قسم کھانے کی وجہ سے اور یقین دلانے کی وجہ سے مبتلا ہوجاتے ہیں اس لئے کہ ان کا قلب تو چھل سے، فریب سے پاک ہے تو ابلیس نے فقط تاویل ہی نہیں سمجھائی بلکہ قسم بھی کھائی ادھر آدمؑ پاک قلب ہیں۔ دھوکے سے فریب سے واقف نہیں اور پھر جنت میں رہ کر کوئی قسم کھائے کہ اللہ کی قسم میں آپ کا خیر خواہ ہوں تو حضرت کا وہم بھی نہیں جھوٹ بولنے پر۔ ادھر تو ابلیس نے دھوکہ دیا ادھر حضرت حواؑ نے کہا کہ اجی کھابھی لو۔ ایک دانہ میں کیا حرج ہے۔ بیوی کی آدمی سنتا ہے اور جلدی سے

اسکی خلاف نہیں کرتا۔ اتنا کہنے سننے سے حضرت آدم کے قلب میں یہ بات بھی بیٹھ چکی تھی کہ ممکن ہے یہ ہی بات ہو کہ اسکی ممانعت ابدی نہو۔ ابتداء ہی میں ہو۔ اب جبکہ یہاں کی آب وہوا اثر کر گئی تو ایک آدھ دانہ کھا لینے میں کیا حرج ہے۔ اوپر سے شیطان لعین نے قسمیں کھائیں اور بیوی نے دیا سہارا تو کھالیا درخت اسلئے حقیقۃً یہ گناہ نہیں تھا۔ گناہ کہتے ہیں جان بوجھ کر کسی حکم کی خلاف ورزی کرنا۔ حضرت آدمؑ جان بوجھ کر خلاف ورزی کرنے سے پاک تھے یہ سمجھے کہ ہو سکتا ہے کہ حکم خداوندی کے معنٰے اور مطلب یہی ہو جو یہ شخص قسم کھا کر بیان کر رہا ہے ممکن ہے کہ میں غلط فہمی میں ہوں۔ اس قسم کے فریب میں آ کر مبتلا ہو کر وہ کھالیا۔ یہ لغزش ہوئی صورۃً اور حقیقۃً گناہ نہیں بلکہ غلط فہمی ہے۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ غلط فکری ہے۔ یا خطا اجتہادی ہے، یہ سرزد ہو گئی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے خطا اجتہادی ہو سکتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ان کو غلطی پر باقی نہیں رکھا جاتا ہے فوراً حق تعالےٰ مطلع کر دیتے ہیں، دوسرا کوئی مجتہد خطاءِ اجتہادی کرے تو ہو سکتا ہے کہ عمر بھر اسے ثواب سمجھتا رہے اور ہو وہ حقیقت میں خطاء، تو غرض ان چیزوں میں مبتلا ہو کر حضرت آدمؑ نے درخت کھالیا۔

لغزش آدم کا منشاء کبر نہ تھا

مگر اس کا منشاء کبر اور جاہ نہیں تھا خود ہی کہتے ہیں کہ اللہ کے حکم کی خلاف ورزی کیسے کروں لیکن معنٰے حکم کے قسم کھا کر بیان کرنے والے نے غلط بیان کر دیئے اور چیز تھی کھانے پینے کی اور کھانے پینے کی چیزوں میں قوت باہ اور شہوانی قوت آگے بڑھتی ہے۔ کبر و نخوت اس میں نہیں ہوتا۔ شیطان کے گناہ کا منشاء کبر تھا اور تکبر تھا اور آدم کی لغزش کا منشاء حرص تھا اور حرص آدمی کی چیز ہے اور کبر در حقیقت شیطان کی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں کبر کا گناہ بہت سخت ہے وہ معاف نہیں ہو سکتا جب تک متکبر پوری توبہ نہ کرے، اسکی توبہ نہ کی ابدالآباد کے لئے ملعون قرار دیدیا گیا اور ابدی جہنمی بنا دیا گیا اور آدم سے جو لغزش سرزد ہوئی اس میں کبر اور نخوت کا معاذ اللہ کوئی شائبہ ہی نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ حرص تھی اور اوپر سے غلط فہمی اسلئے جو گناہ شہوت سے یا باہ سے سرزد ہو وہ شدید نہیں ہوتا ہے وہ تو آدم کی خصوصیت ہے اور کبر سے سرزد ہو تو وہ تکبر ہے اور وہ حق تعالیٰ شانہٗ کی شان ہے

اس میں گویا اپنے کو اللہ کا شریک بنا رہا ہے اور یہ کھلا ہوا شرک ہے۔ لازمی بات ہے کہ یہ کتنا بڑا گناہ ہے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِنَ الْکِبْرِ۔ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس میں ذرہ برابر بھی تکبر موجود ہو۔ جب تک کہ اس سے توبہ نہ کرے۔

کبر اور حرص

ایک گناہ وہ ہے جس کا منشا کبر و نخوت ہے اور ایک لغزش وہ ہے جس کا منشا حرص ہے حرص سے سرزد ہونا یہ تو عالم کی جبلت ہے، اور کبر سے سرزد ہونا یہ شیطان کا کام، کبر میں ٹھیک مقابلہ ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ کا کہ آپ بڑے ہیں، میں بھی بڑا ہوں اور باہ سے جو گناہ ہوتا ہے اس میں آدمی خود اپنے کو ہیچ سمجھتا ہے کہ میں حرص میں مبتلا ہوں۔ اس کی اللہ کی بڑائی میں دل کے اندر کوئی کمی نہیں آتی۔ اب نتیجہ نکالئے کہ آدم علیہ السلام سے جو لغزش ہوئی وہ جاہ سے ہوئی یا باہ سے ہمیں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ آدم کے قلب میں عظمت خداوندی بدستور موجود تھی اور دوسرے کی عظمت جب ہی ہو سکتی ہے جب اپنے آپ کو کم سمجھے لہٰذا حضرت آدم کی لغزش میں کبر کا شائبہ تک بھی نہ تھا اور اُدھر اس کمبخت کے دل میں حق تعالیٰ کی عظمت تھی ہی نہیں اس لئے وہ ابدالآباد کے لئے ملعون ہوگیا اور ادھر ان کے سر پر خلافت کا تاج رکھا گیا جبکہ توبہ کی اور چالیس برس تک برابر روتے رہے اور بعد توبہ و استغفار کیا۔ حالانکہ وہ گناہ نہ تھا بلکہ وہ ایک فکری لغزش تھی۔ بہر حال میں نے عرض کیا کہ دو ہی قوتیں ہیں ایک جاہ طلبی کی ایک باہ طلبی کی۔

بچوں میں دونوں قوتیں بیدار نہیں

بچوں میں جاہ طلبی اور باہ طلبی کی دونوں قوتیں بیدار نہیں ہوتیں، نہ ان میں تکبر ہوتا ہے کہ وہ لیڈر بنیں، صرف کھیل کود کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح سے شہوانی مادہ تو ہوتا ہے مگر ابھرا ہوا یا بیدار نہیں ہوتا۔ بلوغ سے قبل اس میں ابھار نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ نہ ہونے کے برابر ہے پس معلوم ہوا کہ بچوں میں جو معصومیت ہے وہ اس لئے ہے کہ ان میں وہ قوت ہی ابھی ابھری ہوئی نہیں ہے جو گناہ کا منشا ہے۔

عصمت انبیاءؑ

انبیاء علیہم السلام کی تمام قوتیں کامل ہوتی ہیں پھر وہ بچتے ہیں نفس کی مخالفت کرکے اپنے صبر سے، جبر سے، کمال نیت سے اور کمال استقلال سے اور کمال عظمت خداوندی سے یہ بات نہیں کہ انبیاء علیہم السّلام مجبور ہیں گناہ کرنے سے، وہ گناہ کر ہی نہیں سکتے۔ اگر مجبور ہوتے تو گناہ سے بچنا ان کے حق میں کوئی کمال نہ ہوتا۔ کمال یہی ہے کہ ہر قوت ہے اور پھر بچتے ہیں، حکم خداوندی کی عظمت میں، اور نفس کا مقابلہ کرنے کی ان میں اتنی قوت ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہی نہیں ہوتا اور بالکل عصمت ہی رہتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے معنی مجبوری کے نہیں بلکہ ان میں سارے مادے بدرجۂ اتم موجود رہتے ہیں مگر سارے مادوں کو وہ کلیتہً تابع کر لیتے ہیں۔ حق حق تعالیٰ کے بھی کہ جہاں آپ فرمائیں گے۔ وہاں ہم ان مادوں کو استعمال کریں گے اور جہاں سے آپ روک دیں گے وہاں سے ہم رک جائیں گے تو انبیاءؑ میں قوتیں اور مادے اور سب موجود رہتے ہیں پھر ان کا گناہ سے بچنا ارادی، اور اختیاری ہے۔ اسلئے ان کے حق میں کمال ہے اگر ان کا گناہ سے بچنا مجبوراً ہوتا تو یہ ان کے حق میں کوئی کمال نہ تھا کیونکہ یہ ایسا ہی ہے کہ ایک نامرد ہو اور وہ یوں کہے کہ میں بڑا متقی ہوں کہ میں عورت کے پاس نہیں جاتا ہوں کوئی دوسرا کہے گا کہ کمبخت تیرے اندر جانے کی طاقت کیا ہے تو مجبوری میں بچا ہوا ہے۔ تیرے اندر وہ مادہ ہے ہی نہیں بچنا اسے کہتے ہیں کہ شہوانی مادہ پورا موجود ہو اور پھر آدمی خوف خداوندی کی وجہ سے بچے۔ ایک لنگڑا لولا آدمی جو چارپائی سے ہل بھی نہیں سکتا وہ یوں کہے کہ میں چوری نہیں کرتا ہوں اسلئے پاک ہوں۔ لوگ کہیں گے تو پاک کیا ہے تو تو مجبور ہے۔ تجھے آج قوت مل جائے تو ڈکیتیاں ڈالے گا۔ اب تیرے اندر طاقت ہی نہیں تو تو کرے گا کیا محض چارپائی پر پڑا رہے گا۔ بچنا اسے کہتے ہیں کہ طاقت موجود ہو اور کر تب پورا جانتا ہو اور پھر بچتا ہے کہ اللہ کے حکم کے خلاف ہے تو ارادے اور اختیار سے سوچ سمجھ کر علم و عقل کی روشنی میں آدمی بچے اُسے تو بچنا کہتے ہیں، اور جہاں روشنی ہی موجود نہ ہو اور بچے، اسے بچنا نہیں کہتے ہیں۔

عصمت انبیا اور عصمت اطفال

بچوں میں جو معصومیت ہے وہ

اسلئے ہے کہ ان میں گناہ کرنے کی قوت بیدار نہیں ہوتی۔ صرف مادہ موجود ہوتا ہے۔ اور انبیاءؑ میں وہ ساری قوتیں موجود ہیں پھر وہ معصوم ہیں۔ ارادے سے، اختیار سے تو عصمت دونوں میں موجود ہے مگر فرق اتنا ہے کہ انبیاء اختیاری معصوم ہیں اور بچوں میں غیر اختیاری عصمت ہے، یہ علم کے ساتھ معصوم اور بچے لاعلمی کے ساتھ معصوم وہ ناطاقتی سے معصوم اور انبیاء کمالِ طاقت اور قوت کے ساتھ معصوم ایک کی عصمت کمال میں داخل ہے۔ ایک کی عصمت کمال میں داخل نہیں۔ اگر دو برس کا بچہ گناہ نہ کرے تو اسے کامل نہیں کہتے اس لئے کہ نہ اس میں ارادہ ہے اور نہ وہ قوت ہے۔ لہٰذا اس کے معصوم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ خدا نے اُسے مجبوراً گناہ کرنے سے روک دیا ہے۔ وہ طاقت اسمیں خدا نے ابھاری نہیں۔ اس لئے وہ بیچارہ اپنے ارادے سے کچھ نہیں کرسکتا اور انبیاء میں ساری قوتیں موجود ہیں اور پھر بچتے ہیں۔ یہ ہے کمال اور اصول بھی یہی ہے کہ رکاوٹیں اور موانع بہت ہوں اور پھر نیکی کرے تو وہ زیادہ قابلِ قدر ہے اور ایک یہ ہے کہ کوئی رکاوٹ موجود نہیں اور نیکی کرنے کے لئے دواعی ...... موجود ہیں تو ہے تو وہ بھی نیکی ہی مگر زیادہ عجیب و غریب نہیں زیادہ قابلِ قدر نہیں۔ اس قسم کی ایک حدیث بھی ہے۔

حدیث اَیُّھُمْ اَعْجَبُ اِیْمَانًا کی تشریح

ایک حدیث میں آپؐ نے صحابہؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تبلاؤ اَیُّھُمْ اَعْجَبُ اِیْمَانًا سب سے زیادہ عجیب ایمان کس کا ہے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ سب سے زیادہ عجیب ایمان ملائکہ کا ہے آپ نے فرمایا کہ ملائکہ کو کیا ہو گیا جو وہ ایمان نہ لاویں گے عرش ان کے سامنے، کرسی ان کے سامنے۔ جنت ان کے سامنے۔ وہ بھی ایمان نہ لاویں گے تو اور کون ایمان لانے والا ہوگا۔ یعنی ان کا مان لینا کوئی زیادہ کمال نہیں کیونکہ وہ اس چیز کو مان رہے ہیں جس کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اس لئے نہ ماننے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ پھر عرض کیا یا رسول اللہ انبیاء کا ایمان زیادہ عجیب ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انبیاء کو کیا ہوا جو وہ ایمان نہ لاویں۔ وحی ان کے اوپر آرہی ہے۔ فرشتے انہیں نظر آرہے ہیں، مشاہدۂ حق میں وہ مشغول ہیں جلال وجمال کا دروازہ ان پر کھلا ہوا ہے۔ تجلّیِ حق ان کے سامنے ہے۔ وہ بھی انکار کریں گے

تو کون اقرار کرے گا اسلئے ان کا ایمان کیا عجیب؟ پھر عرض کیا گیا کہ ہمارا ایمان عجیب ہے فرمایا کہ نہیں کیا ہوا کہ تم ایمان نہ لاؤ پیغمبر تمہارے سامنے موجود۔ وحی تمہارے سامنے اتر رہی معجزات تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔ تم بھی ایمان نہ لاؤ گے تو اور کون ایمان لائے گا اس لئے تمہارا ایمان بھی عجیب نہیں ہے۔

پھر کس کا ایمان زیادہ عجیب ہے!

پھر عرض کیا کہ اللہ اور رسول ہی بہتر جانتے ہیں کہ سب سے زیادہ عجیب ایمان کس کا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ عجیب ایمان اُن لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد میں آئیں گے نہ رسول ان کے سامنے۔ نہ معجزے ان کے سامنے نہ ان کے سامنے وحی اتر رہی ہوگی۔ بلکہ رکاوٹ و موانع سامنے ہوں گے کہ کوئی ایمان میں شک ڈال رہا ہے۔ کوئی اسلام سے ہٹانے کی کوشش کر رہا ہے۔ کوئی دل میں تردد پیدا کر رہا ہے۔ کہیں کفار، کہیں منافقین، کہیں نفس کے جذبات۔ ہزاروں رکاوٹیں موجود اور دواعی جو تھے ایمان کے کہ وحی اور رسول کا سامنے ہونا وہ ہے نہیں۔ پھر بھی ایمان پر جمے ہوتے ہیں تو ان کا ایمان زیادہ عجیب ہے۔

موانع کا ہجوم عمل کو قیمتی بنا دیتا ہے

اس سے معلوم ہوا کہ کثرت موانع اور رکاوٹوں کے اندر جو خیر کا کام کرے وہ زیادہ قابل قدر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ کوئی رکاوٹ ہی نہیں بلکہ دواعی اور محرکات ہی موجود ہوں اور پھر خیر اور نیکی کرے تو رہے گی تو وہ خیر ہی اور نیکی ہی مگر زیادہ عجیب و غریب نہیں ہوگی، تو بچے اگر گناہ سے بچتے ہیں اسلئے نہیں کہ وہ سمجھتے بوجھتے ہیں اور نفس کا مقابلہ کر کے بچتے ہیں، ایسا نہیں۔ بلکہ نفس میں تو ان کے جذبہ ہی گناہ کا نہیں ہے۔ نہ شہوت کا جذبہ ہے۔ نہ کبر و نخوت کا جذبہ ہے۔ لہٰذا اب جو وہ گناہ سے بچ رہے ہیں کہ اسے بچنا نہیں کہتے ہیں وہ تو گناہ سے الگ تھلگ ہیں۔ بچنا اسے کہتے ہیں کہ قوت ہو۔ ارادی بھی۔ قوی بھی اور اس پر قدرت ہو کہ اس کام کو کر گزرے اور پھر بچے۔ تو بچوں میں عصمت ہے مگر مجبوری کی ہے اور وہاں انبیاء کے اندر عصمت ہے ارادی اور اختیاری۔ تو معصوم دونوں ہیں مگر فرق رہے گا علم کا اور لاعلمی کا ارادے کا اور غیر ارادے کا خبر کا اور بے خبری کا۔

اولیاء اللہ گناہ سے بچتے ہیں

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے حضرت حکیم الاسلام دامت برکاتہم نے فرمایا کہ رہے اولیاء اللہ صلحاء، متقین جو گناہ سے بچتے ہیں۔ ابھی عرض کیا گیا ہے کہ گناہ سے انبیاء بھی بچتے ہیں اور بچے بھی اور اولیاء اللہ بھی فرق اتنا ہے کہ انبیاء میں تو عصمت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ اس معنی سے وہ معصوم ہیں، اور بچوں میں مادہ موجود ہے مگر بیدار نہیں اس معنی کر ان میں گناہ کرنے کی قوت نہیں لہٰذا وہ بھی معصوم ہیں۔ اب رہے اولیاء اللہ ان سے گناہ ہوتے بھی ہیں اور نہیں بھی ہوتے۔ حتی الامکان وہ بچتے ہیں اسلئے ان کو معصوم تو نہیں کہیں گے بلکہ محفوظ کہیں گے۔ منجانب اللہ ان کی حفاظت ہوتی ہے اور بناء حفاظت کی کثرت ذکر ہے۔ رات دن ذکر اللہ میں مشغول رہتے ہیں، اور مشاہدہ رہتا ہے ان کو جلال و جمال حق کا اور قلب کا رابطہ اور نسبت اتنی قوی ہے کہ کسی وقت بھی حق تعالیٰ کا تصور اور دھیان اُن سے اوجھل نہیں ہوتا۔ اس واسطے وہ بچتے ہیں۔ لیکن اگر ذرا اوجھل ہو جائے تو امکان ہے کہ لغزش کر سکیں اور ایسا ہوا بھی ہے کہ بعض اولیاء کبار میں بعض دفعہ غلبہ ہوا اور معصیت سرزد ہو گئی۔ خواہ حکمت اسکی کچھ ہی ہو مگر اس کا امکان ہے۔

حضرت شبلیؒ کا عبرتناک واقعہ

حضرت شبلیؒ اکابر اولیاء میں سے ہیں اور یوں کہنا چاہیئے کہ سردار اولیاء میں سے ہیں اور ہزاروں خانقاہیں حضرت شبلی کی خانقاہ سے آباد تھیں۔ ان کے خلفاء ان کے مریدین اکثر تعداد میں تھے، اور تقویٰ و طہارت کا ایک کارخانہ پھیلا ہوا تھا۔ وقت کے تمام اولیاء ان سے استفادہ کرتے تھے۔ ایک روز وہ مریدین کے ساتھ سیر و تفریح کو نکلے جب ایک بستی پر گذر ہوا جو نصاریٰ و مجوسیوں کی بستی تھی۔ دیکھا کہ وہ لوگ خنزیر چرا رہے ہیں۔ دل میں خیال آیا کہ یہ کیا انسان ہیں نہ ان میں ایمان ہے نہ انہیں گندگی اور پاکی کی تمیز۔ سور چرا رہے ہیں شراب پی رہے ہیں اصل میں مومن ہم لوگ ہیں کہ ہر برائی سے اللہ نے ہمیں بچا لیا ہے اور ہم گناہ سے بچے ہوئے ہیں اور دین کے اندر ہم غرق ہیں۔ دل میں یہ خیال پیدا ہوا ایک وسوسہ کے درجہ میں تھا ع نزدیکاں رابیش بود حیرانی کے اصول سے

جو جتنا مقرب ہوتا ہے اس کے دل میں اگر خطرہ بھی آتا ہے تو اس پر بھی گرفت ہوتی ہے۔
یوں کہئے کہ عمل پر اتنی گرفت نہیں ہوتی۔
جتنی کہ مقربین کے خطرات پر ہوتی ہے اور عتاب ہو سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ
اس بستی میں جب یہ پہنچے تو دیکھا کہ کنویں پر چند لڑکیاں پانی بھر رہی ہیں ان میں عیسائی
کی ایک لڑکی بہت ہی حسین وجمیل تھی۔ شیخ کی طبیعت اس پر مائل ہوگئی اور اتنی مائل ہوگئی
کہ ضبط نہ کر سکے جاکر اسے نکاح کا پیغام بھی دیدیا۔ اسنے جواب دیا کہ میں نکاح جب
کروں گی جب میرا باپ اجازت دیدے۔ شیخ نے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے اسنے کہا کہ گھر میں ہے۔
تو اسکے گھر پہنچے۔ اس سے جاکر درخواست کی اسنے کہا کہ میں ایک شرط پر نکاح کر سکتا
ہوں وہ یہ کہ اسلام چھوڑ کر عیسائیت قبول کرنی ہوگی۔ شیخ نے کہا منظور ہے اور اسلام
ترک کر کے عیسائیت قبول کرلی، اور مرتد ہوگیا۔ معتقدین و مریدین نے آکر شیخ سے
منت، لجاجت کی لیکن شیخ کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا اور شیخ مبہوت سے رہ گئے خدام نے
پوچھا کہ فلاں آیت آپکے ذہن میں ہے شیخ نے کہا کہ میرے ذہن میں کوئی آیت نہیں گویا
پورا قرآن ذہن سے نکل گیا۔ کوئی آیت ہی یاد نہیں آتی۔ پھر مریدین نے حدیثوں کے حوالے
دے کر سمجھانا چاہا۔ شیخ نے اسپر بھی یہی کہا کہ مجھے کوئی حدیث بھی معلوم نہیں۔ گویا حدیث بھی
ذہن سے نکل گئی اور اسکے عشق میں مستغرق ہیں۔ حتٰی کہ کل جس لکڑی سے سہارا دے کر جمعہ
کا خطبہ پڑھتے تھے۔ آج دیکھا گیا کہ اسی لکڑی سے خنزیر چرا رہے ہیں۔ شیخ کی ایسی حالت
دیکھ کر لوگ رو دیئے چیخیں نکل گئیں اور پورے ملک میں خانقاہیں غیر آباد ہوگئیں اور
جہاں جس مرید کو پتہ چلتا رہا وہیں وہ سکتے کے عالم میں رہ گئے۔ بہت لوگ برداشت
نہ کر سکے خبر سنتے ہی اچانک انتقال ہوگیا۔ یہ صدمہ کچھ معمولی صدمہ نہ تھا کہ ایک شیخ وقت
مرتد ہوگیا۔ فکر تھی کہ دوسروں کے ایمان کا کیا ہوگا۔ اسلئے سب لوگ دعائیں کر رہے ہیں
کہیں انفرادًا۔ کہیں اجتماعًا اور ایک خاصی تعداد تو ہر وقت شیخ کے پاس ہی خدائے مالک
الملک کے دربار میں دعاؤں میں مشغول رہتی تھی۔ کچھ دن گذرنے کے بعد شیخ کو تنبہ ہونا
شروع ہوا کہ میں کس حالت میں ہوں اور مریدین سے دریافت فرمایا کہ میں کس حالت میں ہوں

لوگوں نے جواب دیا کہ آپ عیسائیت میں ہیں۔ شیخ نے کہا معاذ اللہ۔ استغفر اللہ۔ توبہ و استغفار کی اور اسی وقت کہا کہ مجھے کلمہ پڑھا کر مسلمان بناؤ کلمہ تو تھا ہی ذہن میں بس ایک چیز غالب آگئی۔ اب جو دھیان دیا تو پورا قرآن شریف ذہن میں موجود ہے پوری احادیث محفوظ کہا کہ میں یہاں آکر کیسے پھنس گیا ہوں لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ واقعہ ہے۔ فوراً توبہ کر کے وہاں سے واپس ہوتے اور استغفار میں مصروف رہے۔ تمام خانقاہوں میں خوشیاں منائی جانے لگی، اور پورے ملک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ اللہ نے شیخ کو پھر اسلام میں لوٹا دیا۔

کرشمۂ قدرت

ادھر تو یہ واقعہ ہوا اور اُدھر یہ ہوا کہ اس عیسائی گھرانے پر یہ اثر ہوا کہ وہ خود اپنی لڑکی کو لے کر حاضر ہوا کہا کہ حضرت اس کو مسلمان کرلیں اور اپنے نکاح میں قبول فرمالیں۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھے تو نکاح کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس تو بیوی موجود ہے نہ وہ عشق، نہ وہ محبت بعد میں شیخ سوچا تو معلوم ہوا کہ قلب میں وہ جو خطرہ آیا تھا ایک زعم کا تھا کہ اصل میں ہم ہیں انسان یہ عیسائی کیا کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہ دیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ بڑے سے بڑے ولی سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔

اولیاء اللہ گناہ پر دیر تک باقی نہیں رہتے

چونکہ اولیاء اللہ میں تقویٰ کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے اس لئے اس غلبہ ہی کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہٗ بہت جلد رجوع نصیب فرماتے ہیں اور قرآن کریم میں اسی لئے فرمایا گیا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ جن لوگوں کی عادت تقویٰ اور طہارت کی ہے اور وہ تقویٰ دل میں جما ہوا ہے اور پھر شیطان کی کوئی جماعت ان کو ورغلاتی ہے تو تھوڑی دیر تو وہ مبتلا ہوتے ہیں اس کے بعد اچانک وہ تقویٰ اُبھرتا ہے اور فوراً وہ قوت ایمانی سامنے آتی ہے تو لاحول پڑھتے ہیں اور اس سے بچتے ہیں۔

ماحول سے متاثر ہو کر گناہ کرنے کی حقیقت

یہاں سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ ایک گناہ تو وہ ہے کہ قلب میں اس کا مادہ جمع ہے اور مسلسل گناہ کرتا جا رہا ہے۔ جیسے و معاذ اللہ

زنا کاری کا مادہ ہے اور وہ شخص مبتلا بھی ہے اس میں اور ایک وہ ہے کہ قلب بالکل پاک ہے، مادہ ہی نہیں گناہ کرنے کا۔ البتہ ماحول سے متاثر ہو کر گھبرا کر اتفاق سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی تو وہ ہزار توبہ کرے گا اور وہ اتنی بڑی توبہ ہوگی کہ اگر وہ یہ گناہ نہ بھی کرتا، اور ہزاروں نیکیاں کرتا تو شاید اتنے درجات بلند نہ ہوتے جتنے اس توبہ و استغفار سے بلند ہوتے

اولیاء کرام میں گناہ کا مادہ بھی موجود ہے اور امکان بھی ہے کہ وہ گناہ میں مبتلا ہو جائیں اور کھلی معصیت سرزد ہو لیکن جب تک وہ توبہ نہ کرلیں چین نہیں آتا اور بہت بڑی توبہ نصیب ہوتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا خمیر

مگر انبیاء علیہم السلام میں یہ نہیں کہ کھلی معصیت سرزد ہو جائے۔ ہاں خطاء فکری ہو سکتی ہے، لیکن اس کے تقاضوں پر کوئی عمل ہو۔ اس کی وجہ بری ہیں اور اس کی وجوہات بھی ہیں ایک وجہ تو یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا جو بدن تیار کیا گیا ہے اس میں غالب حصہ جنت کی مٹی کا ہے۔ تو مٹی جب پاک شامل ہے تو خمیر بھی پاک ہے۔ پہلی چیز تو پاکی کی یہی ہے کہ بدنوں کے مادے جب ان کے پاک پیدا کئے گئے ہیں اس سے جو طبیعت بنے گی قدرتی طور پر اس طبیعت میں پاکی ہوگی اور ظاہر بات ہے کہ جب طبیعت ایسی ہے تو بالطبع خیر ہی کی طرف جائیں گے۔ شر کی طرف کبھی نہ جائیں گے۔ لامحالہ اس میں خیر ہی خیر ہوگا اور کوئی گناہ سرزد تو کیا ہو کسی گناہ کا خطرہ تک بھی ان کے قلب پر نہ گذرے گا۔ تو مادہ پاک ہے۔ بدن بھی پاک ہے لازمی بات ہے ان بدنوں سے جو اعمال اور افعال صادر ہوں گے وہ بھی پاک ہی ہوں گے۔

ظاہر پاک، باطن پاک لہٰذا گناہ عادۃً ممکن نہیں

جب ابدان ظاہرہ پاک مادے سے بنے ہیں تو ظاہر بات ہے روح بھی ان میں اتنی ہی مقدس ڈالی جائے گی اس لئے انبیاء علیہم السّلام کے بدن بھی اتنے پاک ہیں کہ ہماری روحوں میں بھی اتنی پاکی نہیں ہے اور پھر جب ان کی روحیں اتنی مقدس ترین ہیں اور ان روحوں کے اندر

مشاہدہ ہے کمالاتِ حق کا ہر وقت حق تعالیٰ کے سامنے حضوری ہے کوئی آدمی گھر میں بیٹھ کر گناہ کا تصور کرے یہ تو ممکن ہے لیکن بادشاہ کے دربار میں ہو۔ اسکی عظمت اس کا جلال دیکھ رہا ہو۔ وہاں ممکن نہیں کہ بادشاہ کی خلاف ورزی کرے۔ انبیاء علیہم السلام تو ہر وقت مشاہدہ کی حالت میں ہیں۔ ملائکہ ان کے سامنے۔ وحی ان پر آرہی ہے تو وہ بیچارہ نفس کرے گا کیا۔ گو مادے سارے موجود ہوں نفس مغلوب ہی رہے گا۔ تو مادہ بھی پاک، روح بھی پاک اور اوپر سے احوال بھی پاک کہ مشاہدہ ہے عالم غیب کا اور وحی کا نزول اور علم الٰہی براہِ راست اتر رہا ہے اور اوپر سے پھر حفاظتِ خداوندی بھی شامل ہے۔ چونکہ ان سے دنیا کی ہدایت کا کام لینا ہے۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کو معصوم رکھا گیا ہے کہ اگر اُن سے ایک گناہ بھی سرزد ہو تو مخلوق ان کی بات نہیں مان سکتی کہ جب آپ ہی ان چیزوں میں مبتلا ہیں پھر ہمیں کیوں نصیحت کرتے ہیں۔ اسلئے ان حضرات کو بری رکھا گیا ہے۔ ان کے مادے پاک، روحیں پاک، احوال پاک، ماحول پاک اور اوپر سے مشاہدات اور ہر وقت حضوری شاہی دربار میں اس لئے وہاں عادۃً ممکن نہیں کہ کوئی گناہ سرزد ہو۔ زیادہ سے زیادہ عقلی امکان رہ جاتا ہے۔

اولیاء اللہ سے گناہ عقلاً بھی ممکن ہے اور عادۃً بھی

اولیاء اللہ سے عقلاً بھی گناہ کا امکان ہے اور عادۃً بھی اس لئے کہ جو رکاوٹیں انبیاء کو دی جاتی ہیں من جانب اللہ وہ نہ ان کے مادے میں ہیں۔ نہ ان کی ارواح میں وہ چیزیں ہیں۔ نہ ملائکہ ان کے سامنے حاضر ہیں اور نہ وحی ان پر اتر رہی ہے اس لئے گناہ کرنے کا امکان ہے اور بہتوں سے گناہ ہوا بھی ہے بعض عامۃ صحابہ سے گناہ سرزد ہوا۔ جیسے ماعز ابن مالک ہیں ان سے گناہ سرزد ہوا اور ان کو رجم کیا گیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قلب تو پاک ہے اور گناہ جڑ پکڑے ہوئے بھی نہیں۔ ماحول سے متاثر ہو کر ایک حرکت سرزد ہو گئی لیکن پھر اتنی توبہ کی، اتنی توبہ کی کہ حدیث پاک میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ماعز ابن مالک نے اتنی بڑی توبہ کی ہے کہ اگر وہ توبہ عالم کے اندر پھیلا دی جائے تو سب کے گناہ معاف ہو جائیں اس ایک

توبہ کے اثر سے، تواد لیار کے اندر فقط امکان عقلی ہی نہیں بلکہ ایک درجہ میں امکان عادی بھی ہے کہ گناہ سرزد ہو جاتے مگر حفاظت خداوندی شامل ہوتی ہے تو گناہ ہوتا نہیں اور اگر ہو جاتے تو اتنی بڑی توبہ نصیب ہوتی ہے کہ سو برس کی عبادت سے شاید وہ درجات بلند نہ ہوں جو اس توبہ سے اُن کے بلند ہوتے ہیں۔

امیر معاویہؓ کا عجیب واقعہ

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ رات کو لیٹے اور شیطان نے کچھ اثرات پھیلا کر قلب اور دماغ میں پہنچائے۔ تہجد کے لئے آنکھ نہ کھل سکی اور تہجد چھوٹ گیا حالانکہ ترک تہجد کوئی معصیت نہیں اس لئے کہ امتی کے اوپر نہ فرض ہے نہ واجب۔ مگر جو اہل اللہ تہجد کے عادی ہوتے ہیں ان کا اگر ایک تہجد بھی قضا ہو جائے تو سمجھتے ہیں کہ ساری عمر اکارت ہوگئی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ سر پر آ پڑا۔ تو حضرت امیر معاویہؓ اس تہجد کے قضا ہونے پر تمام دن روئے استغفار کیا۔ دعائیں مانگی اور کہا کہ یہ پہلی بار قضا ہوا ہے۔ غرض اگلے دن جب سوئے ہیں تو عین تہجد کے وقت ایک شخص نے انگوٹھا ہلایا کہ حضرت تہجد کا وقت ہو گیا ہے اٹھئے تہجد پڑھ لیجئے۔ حضرت امیرؓ نے اجنبی آواز محسوس کر کے اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ میری محل سرائے میں تو کون اجنبی ہے جو مجھے میرے زنانہ خانے میں تہجد کے لئے اٹھانے آیا ہے۔ اس نے کہا کہ میں شیطان ہوں۔ تہجد کے لئے اٹھانے آیا ہوں۔ فرمایا کہ کمبخت تو اور تہجد کے لئے اٹھاتے۔ اس نے کہا کہ جی ہاں خیر خواہی کا جذبہ اُبھرا اور مجھے گوارا نہ ہوا کہ آپ کا تہجد قضا ہو۔ فرمایا کہ تو اور خیر خواہی کرے۔ اللہ نے فرمایا اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْہُ عَدُوًّا۔ شیطان تمہارا دشمن ہے تم اسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ کبھی دوست نہیں بن سکتا ہے۔ اس لئے تو اور دوستی کرے یہ ناممکن ہے۔ سچ سچ بتا کہ تو کیوں آیا ہے ورنہ میں بھی صحابی ہوں اور اتنی قوت رکھتا ہوں۔ تیری گردن مروڑوں گا اور اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ تب وہ اصلیت کھلی۔ اس نے کہا کہ اصل قصہ یہ ہے کہ کل میں نے ہی ایسی حرکت کی تھی کہ آپ کا تہجد قضا ہو گیا۔ میں نے کچھ ایسے وساوس اور آثار دماغ اور قلب پر ڈالے کہ آپ کو گہری نیند آگئی اور وقت پر آنکھ نہ کھلی آپ نے

سارا دن استغفار کیا تو اتنے درجے بلند ہوئے آپ کے کہ سو برس بھی تہجد پڑھتے تو شاید اتنے درجے بلند نہ ہوتے۔ جتنے اس توبہ سے بلند ہوئے اسی لئے میں نے آپ کو اٹھایا کہ اگر آج قضا ہو گیا، پھر توبہ کریں گے پھر درجے بلند ہوں گے تو سو درجوں کے بجائے ایک ہی درجہ بلند ہو یہی اچھا ہے کچھ تو درجات میں کمی ہو گی۔ جب یہ اتنی بات اس نے سچ کہدی تب حضرت امیرؓ نے اس کو چھوڑا، فرمایا کہ صحیح ہے یہ خباثت تیرے دل میں چھپی ہوئی تھی بہر حال اولیاء کاملین سے گناہ کے سرزد ہونے کا امکان بھی ہے اور عادۃً بھی ممکن ہے اور وہ تقویٰ کے منافی بھی نہیں ہے۔ اسلئے کہ تقویٰ جڑ پکڑے ہوئے ہے۔ گناہ جڑ پکڑے ہوئے نہیں۔ وہ کچھ بیرونی اثرات سے گھر گھرا کر شاذ و نادر واقع ہو سکتا ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام سے یہ چیز ممکن نہیں ہے۔

حضورؐ کا شیطان مسلمان ہو گیا

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ہر قلب کے دائیں جانب فرشتے کا مقام ہے اور بائیں جانب شیطان کا مقام ہے۔ یہ خیر کے وعدے دیتا ہے اور شیطان شر سجھاتا ہے۔ دونوں کی جنگ ہوتی ہے۔ صدیقہ عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا آپ کے قلب کے بائیں جانب بھی شیطان کا مقام ہے فرمایا کہ ہاں وَلٰكِنَّهُ أَسْلَمَ۔ لیکن وہ شیطان خود مسلمان ہو گیا اس کا اثر مجھ پر کیا پڑتا۔ میرا اثر اس پر یہ پڑا کہ اسکی ماہیت بدل گئی اور بعض روایتوں کے الفاظ ہیں وَلٰكِنَّنِيْ أُسْلِمُ کہ ہے وہ شیطان ہی مگر میں اس سے بچا لیا جاتا ہوں۔ اس کا کید و مکر مجھ پر اثر نہیں کرتا۔

شیطان انبیاء پر اثر نہیں ڈال سکتا ہے اور نہ انکی صورت اختیار کر سکتا ہے

شیطان انبیاء علیہم السلام پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا اور انکی صورت بھی اختیار نہیں کر سکتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اگر خواب میں کسی نے مجھے دیکھا تو اس نے مجھے ہی دیکھا شیطان کو قدرت نہیں کہ میری صورت میں آئے اور میرا نام لے کر کہے

کہ میں ہوں۔ ایسا نہیں کر سکتا ہے۔ وہ صورت بھی نہیں پا سکتا ہے۔ چہ جائیکہ ان کے حقائق میں اثرانداز ہو سکے۔

اولیاء اللہ پر شیطان اثر ڈال سکتا ہے

شیطان اولیاء اللہ کے قلوب میں اثر ڈال سکتا ہے اور امکان بھی ہے کہ وہ کسی وقت بہک جائیں اور امکان ہے کہ کوئی معصیت بھی ان سے کسی وقت سرزد ہو جائے لیکن چونکہ تقوی غالب ہے اس واسطے وہ غالب آکر یا تو اس گناہ سے بچا دیتا ہے اور اگر سرزد ہو جائے تو عظیم الشان توبہ نصیب ہوتی ہے کہ وہ سو عبادتوں سے بڑھ کر عبادت ہوتی ہے۔

خلاصۂ کلام

مطلب یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السّلام معصوم ہیں عصمت اختیاری کے ساتھ اور اولیاء اللہ محفوظ ہیں۔ حفاظت خداوندی کے ساتھ اور حفاظت کے معنی یہ ہیں کہ گناہ عادۃً ممکن ہے اور انبیاء علیہم السلام میں عادۃً ممکن نہیں صرف عقلی امکان ہے مگر ان سے گناہ ہوگا نہیں اگر ہو تو وہ گناہ نہیں بلکہ خطاء فکری ہے۔ جس پر ان کو بہت جلد متنبہ کر دیا جاتا ہے، ان کو اس پر باقی نہیں رکھا جاتا ہے اور بچے معصوم ہیں عصمتِ اضطراری کے ساتھ کیونکہ ان میں مادہ اُبھرا ہوا نہیں ہے جو سرچشمہ ہے گناہ کا۔ نہ شہوانی قوتیں اُبھری ہوئی ہیں اور نہ جاہ طلبی کی قوتیں ابھری ہوتی نہ فکر و کید کی قوتیں اُبھری ہوئی ہیں کہ شیطانی حرکت کریں۔ صرف ایک طبیعت کی شوخی ہوتی کھیل کود کرتے ہیں۔ لیکن کوئی ارادی چیز نہیں ہوتی کہ ارادے سے کچھ مکر و فریب کر کے دنیا کو دھوکہ دیں۔ بچوں کی طبیعتیں بالکل سادہ ہوتی ہیں تو عصمت دونوں میں ہے مگر ایک میں خلقی عصمت ہے ایک میں ارادی عصمت ہے۔ ایک میں علم کے ساتھ عصمت ہے ایک میں ناواقفی کے ساتھ عصمت ہے۔ ایک میں قوت و تمام و کمال کے ساتھ عصمت ہے اور ایک میں قوتوں کی ناتمامی اور خامی کے ساتھ عصمت ہے۔ تو عصمت دونوں میں ہے بچوں میں بھی اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بھی، مگر یہ فرق ہے اور اولیاء اللہ معصوم نہیں بلکہ محفوظ ہیں۔

اسرار آثار ہیں جو اطاعت پر مرتب ہوتے ہیں طلب نہیں کئے جاتے

ایک صاحب نے اسی مجلس میں ایک پرچہ پر ایک سوال لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا حضرت حکیم الاسلام مدظلہٗ نے اس پرچہ کو پڑھا۔ سوال یہ تھا کہ کفار و مشرکین کی نابالغ اولاد جو انتقال کر جائے ان کا حشر کیا ہوگا آخر وہ بھی تو معصوم ہیں اس میں شریعت کا کوئی فیصلہ ہو تو مع اسرار و حکم بیان کیجئے۔ سوال کا آخری جز "مع اسرار و حکم بیان کیجئے۔" حضرت کو ناگوار معلوم ہوا۔ اس لئے تلخ مزاجی کے ساتھ جواب ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ کیا لفظ ہے مع اسرار و حکم بیان کیجئے۔ اسرار و حکم ہم پر کب ضروری ہیں۔ ہم تو ناقل ہیں احکام کے حکم بیان کر دیں گے یہ اسرار و حکم کا مطالبہ ہی غلط ہے۔ طالب اسرار کو اسرار کبھی نہیں مل سکتے ہیں۔ خادم اور مطیع پر اسرار منکشف ہوتے ہیں اگر بادشاہ کے سامنے کوئی جا کر یوں کہے کہ حضور اپنی سلطنت کے سارے راز مجھے بتلا دیجئے اور بیگمات شاہی کا پردہ بھی اٹھا دیجئے اور یہ بھی بتلا دیجئے کہ آپ کے خزانے میں کتنے جواہرات ہیں تو حکم یہ ہوگا کہ اس نامعقول کو کان پکڑ کر نکالدو۔ یہ کون ہے ہمارے اسرار پوچھنے والا، اور ایک شخص بادشاہ کا مطیع و فرمانبردار ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ کھڑے ہو جاؤ وہ کہے کہ بہت اچھا۔ حکم دیا کہ بیٹھ جاؤ۔ وہ کہے کہ بہت اچھا، حکم ہوا کہ گھر چلے جاؤ وہ کہے کہ بہت اچھا، حکم ہوا کہ فلاں وقت حاضر ہو جاؤ، وہ کہے کہ بہت اچھا، ہر کام اور ہر بات کو ہر وقت ماننے کو تیار ہے۔ بس حکم کا بندہ ہے۔ سال بھر تک اطاعت کرتے کرتے جب بادشاہ کو اعتماد قائم ہوگا تو کہے گا کہ بڑا مخلص ہے، بڑا مطیع ہے تو حکم دیا جائے گا کہ آج سے تم شاہی محل سرائے میں ہر وقت آ سکتے ہو۔ تم معتمد علیہ ہو کوئی روک ٹوک نہیں۔ تو لیجئے بیگمات کا پردہ اٹھ گیا۔ اب وہ گھروں میں آ رہا ہے اور اسکی اطاعت اسی طرح جاری رہے اور بالکل حکم کا بندہ ہے۔ اسی طرح دو برس گذر گئے۔ تو بادشاہ کو پورا اطمینان ہو گیا کہ بڑا مخلص اور مطیع ہے اس پر بادشاہ خوش ہو کر کہے گا، کہ آؤ آج ہم تمہیں اپنے

خزانے دکھلائیں گے. خزانہ کھول کر اس کو اندر لے جائے گا اور دکھلائے گا کہ یہ جواہرات ہیں یہ سونا ہے، یہ چاندی ہے لیکن . . . . اسکی اطاعت پھر اسی طرح جاری وساری ہے. چار پانچ برس بعد بادشاہ کہے گا کہ آؤ ہم تمہیں اپنی حکومت کی پالیسیاں سمجھاتے دیتے ہیں. ایک پالیسی حکومت کی یہ ہے اور ایک یہ ہے اور یہ بھی ہے، اور یہ حکمت عملی ہے. تو خادم اور مطیع پر ساری چیزیں منکشف ہو جاتی ہیں اور جو طلب کرے کہ جناب پردہ اٹھا دیجئے بیگمات کا تو بادشاہ کہے گا کہ اس کا کان پکڑ کر باہر نکال دو، اس کو پھانسی دیدو. یہ کون ہے طلب کرنے والا تو اسرار کی طلب نہیں کی جاتی. اسرار تو آثار ہیں جو اطاعت پر مرتب ہوتے ہیں. اسلئے آدمی کو چاہیئے کہ حکم معلوم کرے یہ کیا سوال ہے کہ اسکی حکمت بھی بتاؤ. اس کا راز بھی بتاؤ آپ کون ہیں راز پوچھنے والے. جب اللہ کا حکم آگیا تو اس سے بڑھ کر راز اور کیا ہے. اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ حکم نہ مانیں گے جب تک راز معلوم نہ ہو. تو آپ اللہ کے مطیع نہیں بلکہ اپنی عقل کے مطیع ہو گئے کہ عقل میں راز سمجھ میں آگیا تو مان لیا، نہ سمجھ میں آیا تو رہ گئے. یہ تو نہایت لغو سوال ہے کہ اسرار بتایئے حکم بتلایئے. سوال یہ ہونا چاہیئے کہ حکم کیا ہے اور بس. اسرار معلوم کرتے ہیں تو پہلے اطاعت کیجئے. دین پر مضبوطی سے قائم رہیئے. فرائض و واجبات ادا کر کے ثابت کر دیجئے کہ ہماری طبیعت بھی خادم، عقل بھی غلام، ارادہ بھی اللہ کا غلام، مشیت بھی غلام، پھر اسرار منکشف ہوں گے اسرار تو آثار ہیں اور آثار کی طلب نہیں کی جاتی ہے احکام کی طلب کی جاتی ہے. تو حکم پوچھئے کہ مشرکین کی نابالغ اولاد کا حکم کیا ہے.

ذراری مشرکین کے بارے میں علماء کے مذاہب

اولاد مشرکین کا شرعاً جو حکم ہے اور جس میں محدثین ذراری مشرکین کے الفاظ سے باب باندھتے ہیں کہ مشرکین کی نابالغ اولاد آیا جنتی ہے یا جہنمی اس میں علماء کے آٹھ مذہب ہیں، ایک مذہب یہ ہے کہ انکی فطرت پر حکم لگا دیا جائے گا. چونکہ یہ بڑے نہیں ہوئے. فطرتوں میں سادگی تھی اور عمل واقع نہیں ہوا اور جنت و نار عمل کے اوپر ہے اور وہاں عمل ہے نہیں اس لئے فطرت پر حکم

لگاکر داخلِ جنت کریں گے مگر وہ داخلہ سزا یا جزا کے طور پر نہ ہوگا بلکہ محض انعام وتکریم کے طور پر ہوگا اور انہیں خدمہ بنا دیا جاتے گا اہل جنت کا۔ وہ داخل تو رہیں گے جنت میں مگر اصل باشندوں کے خادم بنکر بطور خدام کے رہیں گے، اور یہ ہی ان کے حق میں بڑے اعزاز کی بات ہوگی کہ انہیں جنت میں خدمہ بناکر داخل کرلیا جائے گا۔ امام ابی حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے۔ یعنی حکم مت لگاؤ اس لئے کہ روایات مختلف ہیں اور قطعی حکم لگا دینا کہ وہ جنتی ہیں یا جہنمی ہیں ٹھیک نہیں۔ اس سے سکوت اختیار کیا جائے معاملہ کو تفویض کیا جائے حق تعالیٰ کے اور کہا جائے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ کیا انجام ہوگا بلکہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ایک مذہب یہ ہے کہ ان کو تابع کیا جاوے گا۔ ان کے آباواجداد کے یعنی ملحق کر دیا جاوے گا۔ اگر آباواجداد جہنمی ہیں تو وہ بھی جہنمی ہیں اور اگر آباواجداد جنتی ہیں تو وہ بھی جنت میں جاویں گے۔ اس دنیا میں جب مردم شماری ہوتی ہے تو نابالغ بچوں کو بھی تو گنتے ہیں مسلمانوں کے بچوں کو مسلمانوں میں شمار کرتے ہیں حالانکہ انہیں اسلام کی خبر ہے نہ دوسری چیزوں کی خبر ہے۔ مگر ماں باپ کے تابع بناکر مسلمان سمجھے جاتے ہیں تو گویا وہ اہل مذہب قیاس کرتے ہیں۔ قرآن کی اس آیت پر کہ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ جو لوگ ایمان لے آئے مگر عمل ان کے زیادہ صحیح نہ تھے تو ان کے اباواجداد کی کرامت کی وجہ سے درجہ ان کا بھی بلند کر دیا جائے گا گو عمل ان کے ٹھیک نہیں تو جب مومن کی کرامتوں کی وجہ سے ان کے بچوں کے درجات بلند ہوسکتے ہیں تو ان کے اباواجداد کی خباثتوں کی وجہ سے وہ بھی ان کے تابع ہو جاویں گے لہٰذا وہ بھی جہنمی، اور وجہ اسکی یہ ہے کہ بچہ جب تک نابالغ رہے اور بالخصوص شیرخوار۔ وہ حقیقت میں نفس کا جز ہوتا ہے ماں باپ کے ماں دودھ پلا رہی ہے اسلئے ماں کے نفس کے تابع ہے اس کا نفس مستقل نہیں اور باپ کما کے کھلاتا ہے۔ اس لئے وہ باپ کے نفس کے تابع ہے جب وہ عاقل بالغ ہوکر اپنے پیروں پر کھڑا ہو۔ تب کہا جائے گا کہ اب اسمیں استقلال پیدا ہوا ہے، اور جب تک عقل میں بلوغ نہ ہو تو وہ ماں باپ کے تابع ہی سمجھا جائے گا۔ وہ مسلم ہے تو یہ بھی مسلم، وہ کافر ہے تو یہ بھی کافر۔ اس کا کفر و اسلام جب ہی

معتبر ہوگا جب وہ عقل وارادے اور اختیار سے قبول کرے تو نابالغ اولاد ماں باپ کے
توابع میں سے ہے۔ لہٰذا جوان کا حکم ہے وہی ان کے نابالغ بچوں کا حکم ہے۔ ایک مذہب
یہ ہے کہ نہ وہ جنتی ہیں نہ دوزخی بلکہ وہ بیچ میں اعراف کے اندر رکھ دیئے جائیں گے کہ وہ
نہ جنت ہے نہ دوزخ ایک مذہب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کی آزمائش کی جائے گی
، اور ایک آگ روشن کی جائے گی اور حق تعالیٰ کی جانب سے ان بچوں کو کہا جائے گا
کہ آگ میں کود پڑو تو جن کے مزاج میں سلامتی ہوگی خطروں کی وہ کود پڑیں گے۔ وہ آگ حکم
خداوندی سے باغ و بہار بن جائے گی اور بعضے تامل کریں گے کہ ہم آگ میں کیسے چلے
جاویں۔ ڈریں گے۔ جھجکیں گے۔ ادھر سے حکم ہے کہ آگ میں کودو، اور وہ کودتے نہیں
معلوم ہوگا کہ اگر یہ جوان ہوتے تو یہی سرکشی ان کے اندر ہوتی، ان کی فطرت ہی کے اندر
سرکشی داخل ہے۔ انکی فطرت میں سلامتی نہیں۔ ایک مذہب یہ ہے اور بعض حضرات اس
کے قائل ہیں کہ وہاں امتحان لیا جائے گا عمل سرزد نہیں ہوا صرف جانچ کر لی جائے گی کہ فطرتوں کا
رخ کیا ہے۔ اسی اعتبار سے وہ جنتی یا جہنمی ہوں گے۔

اسلم ترین مذہب

بہرحال اسمیں آٹھ مذہب ہیں لیکن جو اسلم ترین مذہب ہے وہ صرف توقف کا ہے کہ ہم حکم نہیں لگاتے حق تعالیٰ
جانتے ہیں چاہے وہ فطرت پر حکم لگادیں چاہے وہ عمل پر حکم لگا دیں۔ ہم اس کے بارے میں کچھ
نہیں کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ شریعت ظواہر پر حکم لگاتی ہے اور وہاں ظاہر کچھ ہے نہیں تو کا ہے
پر حکم لگادیں۔ رہی فطرت تو وہ باطنی چیز ہے اور باطن کی ہمیں خبر نہیں کہ ہے کیا، اور ہم کون ہیں
حکم لگانے والے تو اسلم طریق یہی ہے کہ توقف کیا جائے۔ یا پھر زیادہ سے زیادہ یہ کہو جو
اکثر علماء کہتے ہیں کہ وہ اہل جنت کے خدم بن کر جنت میں داخل ہوں گے۔

تیسری مجلس

سوال! آج کل مسلمانوں میں ضبط ولادت نسبندی کا رجحان پایا جارہا ہے شرع میں کیا اس کے لئے کچھ گنجائش ہے!

نسبندی شرعاً ممنوع ہے

نسبندی شرعی اصول کے تحت ممنوع ہے اس لئے کہ شریعت کا منشاء تکثیر اولاد ہے اسی بناء پر آپ نے ارشاد فرمایا تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم یعنی ایسی عورتوں سے نکاح کرو جن سے اولاد زیادہ پیدا ہو تاکہ قیامت کے دن اپنی امت کی کثرت پر فخر کروں۔ اسی لئے قانون عام تکثیر نسل ہے اور اسلام چونکہ جامع اور معتدل مذہب ہے اسی لئے اس نے دوسری جانب کی بھی رعایت رکھی ہے وہ یہ کہ اگر خاوند اور بیوی اتنے کمزور ہوجاویں کہ اور اولاد ہوگی تو جان کا خطرہ ہے اور وہ آپس میں طے کریں اور اولاد نہ ہونے کی دوا کھالیں تو وہ کر سکتے ہیں۔ مگر یہ ایک استثنائی شکل ہے اور استثناء خاص حالت کے تحت ہوتا ہے اور قانون ہر حالت میں ہوتا ہے اولاد کا بڑھنا قانون ہے اور جان کے خطرے کی وجہ سے آپس میں معاہدہ کر کے دوا کھالینا یہ استثناء ہے خاص افراد کے لئے خاص حالت میں اسکی اجازت ہوگی عام قوم کے لئے اسکی اجازت نہ ہوگی۔

استثناء کو قانون عام کی شکل میں پیش کرنا خیانت ہے

اگر استثناء کو کوئی قانونِ عام کی شکل میں پیش کر کے یہ کہے کہ اسلام نے نسبندی کو جائز قرار دیا ہے تو یہ خیانت ہوگی اور یہ ایسے ہوگا جیسے کہ شراب حرام ہے اور نجس العین ہے اور نص قطعی سے اسکی حرمت ثابت ہے لیکن مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر ڈاکٹر یہ کہدے کہ اسکی جان بچ نہیں سکتی جب تک یہ شراب نہ پی لے تو شراب پلانے کی اجازت ہے اس لئے کہ جان بچانا فرض ہے یہ ایک استثنائی

حکم ہے لیکن اگر کوئی اس کو قانون عام کی شکل میں پیش کر کے یہ کہے کہ اسلام نے شراب جائز قرار دی ہے یہ ایمان داری نہیں بلکہ خیانت ہوگی، اسی وجہ سے قانون عام اپنی جگہ ہوتا ہے اور استثنائی حکم اور ہوتا ہے مثلاً قرآن کریم میں موجود ہے کہ اپنی زبان سے کلمۂ کفر مت نکالو اس قسم کا کلمہ اپنی زبان سے نکالنا شرعاً ممنوع ہے لیکن آگے فرماتے ہیں اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ۔ کہ اکراہ کیوقت کلمۂ کفر کہنے کی اجازت ہے مگر دل میں اطمینان کے ساتھ ایمان موجود ہو مثلاً کسی نے گلے پر تلوار رکھدی اور کہنے لگا یا تو کفر کا کلمہ زبان سے کہدو ورنہ ابھی ذبح کر دوں گا تو قرآن اجازت دیتا ہے کہ کفر کا کلمہ کہدو اور دل میں ایمان رکھو اور مطمئن رہو" تمہاری کوئی گرفت نہ ہوگی اب کوئی کہے کہ اسلام میں کفر کا کلمہ کہنا جائز ہے اور قانون عام بنا کر پیش کرے تو سراسر خیانت ہے یہ صرف ایک استثنائی حکم ہے خاص حالت میں اسکی اجازت ہوگی اسی بنا پر حکم عام اور قانون عام اور ہوتا ہے اور استثنائی احکام الگ ہو جاتے ہیں، استثناء کو استثناء رکھا جائے گا اور قانون کو قانون عام رکھا جائے گا، اسلام میں فرض ہے کہ نماز کھڑے ہو کر پڑھو اگر بیماری غالب ہے اور کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے تو لیٹ کر پڑھو اب اگر اس کو کوئی قانون کے طور پر یوں کہے کہ اسلام کا قانون ہے کہ نماز بیٹھ کر پڑھ لیا کرو تو یہ خیانت ہوگی حکم عام وہی رہے گا کہ کھڑے ہو کر پڑھو اگر کوئی خاص حال پیش آجائے تو اسکی وجہ سے اجازت ہے مگر وہ شخصی بات ہوگی عام حکم نہ ہوگا یہی صورت یہاں بھی ہے کہ ایک تو تکثیر نسل ہے یہ تو قانون عام ہے اور ایک ہے استثناء وہ شخصی حالت کے تحت ہوتا ہے اس کے لئے بھی فتویٰ ہوتا ہے اگر مفتی اجازت دیدے تو وہ حکم عام سے نکل کر اجازت شخصیہ کر کے اندر آجاتا ہے قانون عام اپنی جگہ پر برقرار رہے گا یہ تھی واقعہ کی قانونی بحث !!

دلچسپ واقعہ میرے پاس سہارنپور کے دو ڈپٹی کلکٹر آتے اور نسبندی کے سلسلے میں گفتگو کونی شروع کی اس بارے میں انہوں نے سوال کیا جس کا ایک جواب میں نے ہنسی کا دیا اس سے وہ بے حد شرمندہ ہوئے وہ یہ تھا کہ میں نے ان سے کہا کہ آپ کو جو یہ فکر لاحق ہے کہ اولاد اور آبادی بڑھتی جا رہی ہے اور روٹی

گھٹتی جاری ہے اس سے بحث نہیں کی کہ یہ بات صحیح ہے یا غلط بہرحال آپ کو فکر آبادی کے
بڑھنے سے روٹی گھٹنے کی ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کو یہ مصیبت جو پیش آرہی ہے موجودہ
افراد سے یا آنے والوں سے خطرہ ہے کہنے لگے کہ موجودہ ہی سے پیش آرہی ہے اس پر میں
نے کہا کہ آنے والوں کا راستہ تو بعد میں انکی پہلے دن میں کمی شروع کردو اور اسکی عمدہ صورت
یہ ہے کہ جو ملک میں فسادات پیش آ رہے ہیں ان کو منظم اور باقاعدہ کر دیجئے ہر ایک شہر
میں روزانہ ایک دو فساد ہوتے رہیں اور ایک دو لاکھ قتل ہوتے رہیں تو دس برس
میں انشاء اللہ کافی کمی ہوجائے گی اور آپ کی روٹی بچ جائے گی اس جواب سے وہ
جھینپ گئے اس کے بعد میں نے کہا کہ جو کام آپ کے کرنے کا ہے وہ تو اصل میں آپ لوگ
کرتے نہیں اور نہ کرنے کے کاموں میں آپ لوگ چل رہے ہیں روٹی کی کمی اسلئے نہیں کہ آبادی
بڑھ رہی ہے آج تو زمینوں میں اتنی کاشت ہورہی ہے کہ پہلے ہزاروں ایکڑ زمین افتادہ
پڑی رہتی تھی آج ان میں بھی کاشت ہورہی ہے جتنے افراد بڑھ رہے ہیں رزق بھی بڑھ رہا
ہے پھر بھی جو کمی ہے اسکی بنا یہ ہے کہ آپ کے ملک میں دولت کی تقسیم صحیح نہیں ہے جو غریب
ہے وہ بے حد غریب ہے اور جو امیر ہے وہ بے حد امیر ہے ملک کے [illegible] مداران جو اربوں
کھربوں کے مالک ہیں قانون پر ان کا قبضہ ہے پارلیمنٹ کے ممبران [illegible] کے ممنون کرم ہیں وہ
قانون ایسا بنواتے ہیں کہ ان کا سرمایہ بڑھتا رہے اور غریب فٹ پاتھ پر پڑنے کے قابل بھی
نہ رہے اس [illegible] معلوم ہوا کہ دولت کی تقسیم صحیح نہیں ہے اگر آپ دولت کی تقسیم صحیح
کردیں کہ امیر اور سرمایہ دار کو ذرا نیچے اتار دیں اور غریب کو ذرا اونچا اٹھائیں اس سے تو
وزن پیدا ہوجائے گا اور یہ شکایت رفع ہوجائے گی یہاں ہزاروں غلے بورے سمندر میں
ڈالے جاتے ہیں جب وہ غلہ پرانا ہوجاتا ہے تو معلوم ہوا کہ غلہ اور رزق کی کمی نہیں بلکہ نیتوں
کی خندق ہے یا طرزِ عمل کی خرابی ہے آپ ان دولت مندوں پر اور سرمایہ داروں پر پابندی
عائد کردیں اور ان کی دولت میں ایسے راستے نکالیں کہ غرباء پلیں اور ملک میں ایک بھی فٹ
پاتھ پر پڑنے والا نہ رہے آج بمبئی کے فٹ پاتھ پر آٹھ لاکھ آدمی سوتے ہیں جن کے نہ گھر ہیں
نہ در ہیں وہیں ان کے بچے روتے رہتے ہیں بارش ہوتی ہے تو ایک طرف کو [illegible] سلھاتے

ہیں کوئی کھلی اور ساتھ لیتا ہے کوئی کسی کا سہارا لیتا ہے تو ایک ایک شہر میں آٹھ آٹھ لاکھ
آدمی فٹ پاتھ پر پڑنے والے ہیں اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ملک میں غربار کتنے ہیں
انکی کیا حالت ہے نہ ان کے پاس روٹی نہ کپڑا نہ گھر نہ در اور دوسری طرف دیکھو۔ برلا، ٹاٹا
باٹا، وغیرہ کو کہ لئے یہ بھی یاد نہیں کہ میری دولت کتنی ہے وہ بڑھ رہے ہیں دولت میں
اور یہ بڑھ رہے ہیں غربت میں یہ نظم کی خرابی ہے۔ آپ اس خرابی کو ڈالنا چاہتے ہیں ماؤں
کے پیٹوں کے اوپر کہ آنے والوں کو روک دو، اس کا ان سے کیا تعلق اپنا نظم صحیح کیجئے، اس
قسم کی باتیں ہوتی رہیں وہ چاہتے تھے کہ مجھ سے کچھ بیان حاصل کریں میں ان کو بیان تو کیا
دیتا، مگر وہ وہاں سے چپ ہی ہو کر اٹھے، میں نے ان سے کہا کہ بس دو ہی صورتیں ہیں یا
تو فسادات کو منظم کرو کہ لاکھ دو لاکھ ہر روز قتل ہوتے رہیں دس بارہ سال میں کمی آجائے گی
اور یہ نہیں کرتے تو نظام صحیح کرو، دولت کی تقسیم صحیح کرو، اور میں نے یہ بھی کہا کہ اصل قصہ
یہ ہے کہ ان سرمایہ داروں نے اپنی بدکاریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے یہ شوشے چھوڑ رکھے ہیں۔
کہتے ہیں کہ نس بندی کر وہ یہ کرو اور وہ کرو تاکہ انکی دولت پر زد نہ آئے، اور ان کے پیسے میں
کمی نہ آئے یہ اس کو چھپانے کے لئے چالاکی کرتے رہتے ہیں تاکہ پبلک دھوکہ میں مبتلا رہے
ہم دھوکہ میں آنے والے نہیں ہیں اپنی نظم درست کیجئے آپ کا نظام صحیح نہیں ہے میں نے
کہا کہ اگر ایسا ہی کیا تو بیس برس کے بعد سر پکڑ کر روئیں گے جب اولاد کی کمی ہوگی، نہ فوج میں
آدمی ڈھنگ کا ملے گا اور نہ پولیس میں اور پھر بعد از خرابی بسیار اضافہ نس پر سوچیں گے۔

بعض ممالک میں کثرت اولاد پر انعام

میں نے کہا کہ آپ یہاں رزق کی کمی کی وجہ سے آنے والوں پر پابندی عائد کرنا چاہتے ہیں اور بعض ملکوں میں یہ قانون ہے کہ جتنی اولاد زیادہ ہوگی اتنا ہی والدین
مستحق انعام سمجھے جاتے ہیں یعنی اگر کسی کے یہاں دس بچے ہیں تو اتنے فی صد انعام
دیا جائے گا اور بارہ ہیں تو اتنا۔ یہ رزق کی کمی وہاں کیوں نہیں؟ وہاں لوگ کیوں فاقے نہیں
بھرتے ہیں اس لئے کہ دولت کی تقسیم میں نابرابری نہیں ہے نتیجہ یہ کہ وہ اس مصیبت
سے دوچار نہیں ہوتے ہیں۔

سوال : استثنائی شکل میں نسبندی کرا سکتے ہیں یا نہیں ؟

جواب : استثنائی شکل دوسری بات ہے اس میں نسبندی ہی کیا بعض دوائیں ایسی ہیں جن کے کھانے سے اولاد نہیں ہوتی جب آدمی سونے کے حال پر پہنچ جاوے اور بیوی اس قابل نہ ہو اور اسکی جان کا خطرہ ہو اور وہ کہے کہ مجھے تحمل نہیں اور آئندہ بچہ پیدا ہونے کی تکلیف سے جان جانے کا اندیشہ ہے تو اسے شریعت کی جانب سے اجازت ہے کہ کوئی ایسی دوا کھالے جس سے بچہ پیدا نہ ہو مگر استثنائی حکم استثنائی ہی رہے گا اس کو قانون عام کی شکل نہیں دی جا سکتی ہے !!

و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

چوتھی مجلس

خطبہ مسنونہ!

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ،،
امّا بعد !!

تمہید بزرگانِ محترم! خیال یہ تھا کہ اس وقت کالج کی جو جدید عمارت تیار کرائی جارہی ہے، اس کو دیکھنا اس سے مستفید ہونا اور مسرور ہونا ہے،، اسی غرض سے حاضری ہوئی تھی، جلسہ کا کوئی تصور اور اس میں بھی کسی تقریر اور خطاب کا کوئی گمان حاشیۂ خیال میں نہیں تھا۔ بہرحال جب جلسہ کی صورت بن گئی ہے تو اس کے کچھ نہ کچھ لوازم پورے کرنے پڑیں گے۔ اور ذمّہ داروں نے اپنے محبت اور خلوص سے جو شکل پیدا کر دی ہے اس کا احترام تو کرنا ہی پڑے گا واقعہ یہ ہے کہ کالج کی جدید عمارت میں حاضر ہو کر غیر معمولی مسرت ہوئی اور روشارم کے زندہ دل مسلمانوں کے حوصلے اور جذباتِ خیر سامنے آئے اس سے بھی بے انتہار خوشی ہوئی۔

حسّی تعمیر علامت ہوتی ہے معنوی تعمیر کی ظاہر میں یہ ایک تعمیر ہے جو اینٹ اور پتھر سے کی جارہی ہے اور سیمنٹ اور چونا اس میں ڈالا جا رہا ہے لیکن اگر حقیقت پر نگاہ کی جائے تو یہ علم کی بنیاد ڈالی جارہی ہے تعمیر دراصل علم کی ہے درسگاہ کا وجود حقیقۃً علم کے لئے ہے اس لئے یہ حسی تعمیر علامت ہے معنوی تعمیر کی جو اس کے اندر کی جائے

گی ظاہری تعمیر سے قلوب کی ایک ہیئت بنائی جارہی ہے اور معنوی تعمیر سے قلوب کی ہیئت بنائی جاتی ہے اس ہیئت ظاہری میں نفسانی اخلاق وجذبات کی اصلاح کی جائے گی۔ اس اعتبار سے یہ بہت مستحسن اقدام اور مبارک عمل ہے۔

علم کی دو قسم ہیں علم ابدان اور علم ادیان

امام شافعیؒ کا ایک مشہور مقولہ ہے العلم علمان علم الادیان وعلم الابدان یعنی اللہ کی طرف سے جو علوم دنیا کے اندر آتے ہیں وہ دو طرح کے ہیں ایک ادیان کا علم۔ کہ جس کا نام علم شریعت ہے اور ایک ابدان کا علم جس کا تعلق انسان کے ظواہر بدن اور اس کے عوارض بدن سے ہے لیکن حقیقت میں یہ دونوں علم جز ہیں شریعت کے شریعت اسلامی نے جس طرح سے شریعت اور دین کے علم کی طرف توجہ دلائی ہے اسی طرح سے ابدان کا علم اور ضروریات زندگی کے علم مثلاً سائنس اور فلسفہ وغیرہ کی طرف بھی توجہ دلائی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ ادیان کا علم اصل مقصود ہے اور ابدان کا علم اس کے لئے ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا گیا ہے اور دونوں کا مقصد ہے معرفت خداوندی حدیث میں ہے راس العلم معرفۃ اللہ۔ یعنی علم کا راس المال اور خلاصہ خدا کی معرفت اور اسکی پہچان ہے ؏۔ علمے کہ راہِ حق نہ نماید جہالت است! جو علم حق کا راستہ نہ دکھائے وہ حقیقت میں جہالت ہے اس کو صورتِ علم کہا جائے گا حقیقت علم نہیں کہا جاسکتا!

دونوں علم ضروری ہیں

جس طرح حقائق کا علم ضروری ہے اسی طرح معاشیات ومعاشرات اور کائنات کے علم کے سلسلہ میں ان علوم کی بھی ضرورت ہے جن کو آجکل علم سائنس، فلسفہ، اور ریاضی وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں قرآن کریم میں جو آیت ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء اس میں حصر کر دیا گیا ہے کہ علماء ہی اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ یعنی خوف وخشیت انہیں کے قلوب میں ہے یہاں علماء سے مراد علماء فقہ ہی نہیں ہیں جو جائز وناجائز اور حلال وحرام کے مسائل سے واقف ہوں۔ بلکہ قرآن کے ان نشانوں سے بھی واقف ہوں جو ضروریات زندگی کے سلسلہ میں دنیوی علوم کی طرف توجہ دلاتے ہیں اس میں ستاروں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے اس میں زمین کے مخفی عجائبات

کی طرف توجہ دلائی گئی ہے قرآن خلا وفضار کی طرف بھی توجہ دلاتا ہے اور ان کی طرف اشارات بھی کیے گئے ہیں ۔

ہر اثر ذی اثر کا پتہ دیتا ہے

ان سب کا مقصد بھی درحقیقت معرفت الٰہی اور اللہ کو پہچاننا ہے اس لیے کہ آثار کو دیکھ کر ذی اثر کا پتہ چلتا ہے آپ کہیں دھواں دیکھیں گے تو پہچان جائیں گے کہ وہاں آگ موجود ہے ورنہ دھواں نہ ہوتا کہیں آپ رطوبت اور ٹھنڈک محسوس کریں گے تو ضرور یقین کریں گے کہ قریب میں کوئی دریا موجود ہے ورنہ برودۃ نہ ہوتی تو آثار کو دیکھ کر موثر کا پتہ لگایا جا سکتا ہے اس کائنات کے نظام محکم اور عجیب وغریب انتظامات کو دیکھ کر دل خود بخود شاہد ہوتا ہے اور گواہی دیتا ہے کہ کوئی بہت بڑا صناع اور حکیم ہے جس نے یہ نظام کائنات بنایا ہے اور عجائبات قدرت کو نمایاں کیا یہ محض مادہ اور اس کی حرکت کا کام نہیں ہے اس لئے کہ مادہ خود اندھا اور بہرہ ہے نہ اس کو اپنی خبر اور نہ دوسرے کی خبر تو ظاہر بات ہے کہ ایک اندھی بہری اور اپاہج چیز کوئی نظام محکم تیار نہیں کر سکتی اور مادہ کی حرکت بھی وہ ہے کہ بغیر محرک وہ واقع نہیں ہو سکتی ہے حرکت ایک وصف ہے وہ اسی وقت پایا جاتے گا جب اس کا موصوف موجود ہو اور اگر وہ ذات موجود نہ ہو جو موصوف ہے تو صفت یعنی وہ حرکت بھی نہیں پائی جائے گی تو چونکہ مادہ اپاہج اور لایعقل ہے اس لئے اگر حرکت کا تعلق مادہ سے ہوگا تو وہ عجائبات اور نظام عالم کی نئی نئی چیزیں نہیں پیدا ہوں گی جب تک کہ علم اللہ قدرت الٰہی اس کے اندر شامل نہ ہو بہرحال عجائب کی طرف بھی قرآن کو اس نے ارشاد کیا ہے جیسے روحانی عجائبات ہیں جن کو ارباب حقیقت نے کھولا ہے اور معرفت وبصیرت سے ذات خداوندی کا پتہ چلایا ہے اسی طرح سے مادیات میں عجائبات رکھے ہوئے ہیں وہ تدریجاً کھلتے ہیں اور کھل رہے ہیں جس طرح سے قرآن کے عجائبات دورِ نبوت میں ظاہر ہوئے وہ سب اصول کا درجہ رکھتے ہیں ان کے عقدے صحابہؓ نے کھولے ان کے بعد تابعین نے ان کو کھولا اور اس میں شاخیں پیدا ہوئیں تابعین کے بعد تبع تابعین متوجہ ہوئے ان عجائبات میں سے علمی عجائبات نکالے یہاں تک کہ بے شمار تصانیف

وجود میں آگئیں کہ جن میں ان علوم کو مدون کیا گیا جن کے اندر یہ عجائبات اور حقائق الٰہیہ تھے اسی طرح سے کائنات کے سلسلے میں بھی ابتداءً سادہ سادہ تحقیقات تھیں، ان سادہ تحقیقات پر اگلوں نے دوسری تعمیر کھڑی کی کہ اس کے اندر سے اور عجائبات نکلے یہاں تک کہ صدیاں اور قرون گذرنے کے بعد اب اسمیں اتنی شاخیں پیدا ہو گئیں کہ انسان زمین میں ہی نہیں بلکہ فضاء میں گھوم رہا ہے فضاء میں ہی نہیں بلکہ آسمانوں کے قریب پہونچ رہا ہے اور چاند تک اسکی پرواز ہو چکی ہے تو فضاء کے عجائبات بھی قرآن شریف کی روشنی میں سامنے ہیں یہ سارا جو کچھ ہوا پچھلوں کی تحقیقات پر تعمیر کی گئی ہے اگر پچھلے بنیاد نہ رکھتے تو اگلی تعمیریں نہیں ہو سکتی تھیں جس طرح سے حقائق الٰہیہ کے بارے میں بھی پچھلوں نے بنیادیں رکھیں اسپر بعد والوں نے تعمیریں کیں اور نئے نئے حقائق کھولے اسی طرح مادی حقائق کے بارے میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ بھی درحقیقت انہیں پچھلوں کا طفیل اور صدقہ ہے اور انہیں کے فکر کا ثمرہ ہے انہوں نے بنیادیں قائم کیں اور اس سے آگے ہم نے دیوار اٹھائی اور دیوار پر چھتیں ڈالیں پھر دو منزل اور سہ منزل تعمیر کی اگر بنیاد رکھنے والے بنیاد نہ رکھتے تو آج ہم یہ تعمیریں نہیں بنا سکتے تھے تو اس پوری گفتگو سے معلوم ہوا کہ دونوں علم کا حقیقی نکتہ یہ ہے کہ بنانے والے کو پہچانا جائے اور یہ تمام اثرات و آثار دلالت کرتے ہیں اس مؤثر حقیقی کی معرفت پر تاکہ اسکی طرف جھکا جائے اور اس کے قانون پر چلا جائے اسی لئے قرآن کریم نے دو سَو کے قریب آیتیں ذکر کی ہیں جن میں عجائبات کائنات ذکر کئے ہیں کہ زمینوں سے لے کر فضاؤں اور آسمانوں تک اور زمین کی گہرائیوں میں اور آسمانوں کی بلندیوں میں عجائبات قدرت پھیلے ہوئے ہیں دوسری قسم کی آیتوں میں حقائق الٰہیہ کا ذکر کیا گیا ہے تیسری قسم کی آیتوں میں احکامات خداوندی کو بیان کیا گیا ہے اور چوتھی قسم کی آیات میں قصص و عبر۔ اور امثال بیان کی گئی ہیں تاکہ لوگ عبرت پکڑیں اور نصیحت حاصل کریں۔

مدارس اور کالجوں میں صرف ایک قسم کی تعلیم پر اکتفا کر لینا کافی نہیں ہے!

بہر حال مقصد یہ ہے کہ کسی اسکول یا کالج میں صرف ایک چیز کا ہونا کافی نہیں اس

لئے کہ شریعتِ اسلام اور اس کے حقائق کا تعلق کائنات کے ساتھ چولی اور دامن کا ہے اگر ان عجائبات قدرت کی طرف توجہ نہ کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ان دوسری آیتوں کو نہیں سمجھ سکیں گے جن میں مادی کائنات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور اور علماء نے اس میں تحقیقات کی ہیں علم ابدان اور علم ادیان ہیں سے ہر ایک کے مختلف گوشے ہیں مثلاً مختلف ضروریاتِ بدن ہیں جن کا ایک علم بن گیا کہ اگر بدن کو بیماری یا کوئی روگ لاحق ہوجاتے اس کے علاج کا کیا طریقہ ہے اس کے لئے علم طب ہے تاکہ اصل بدن کی اصلاح کی جائے اگر اسکی اصلاح نہ ہوگی تو ظاہر بات ہے کہ بدن جو روحانیت کا سفر کر رہا ہے وہ نہیں کر سکتا ہے بدن ہی تو اس کے لئے سواری ہے بدن کا یہ گھوڑا اگر چلنے والا نہ ہو تو شرعی اعمال بھی انجام نہیں پا سکتے ہیں" پھر طب کے سلسلے میں ہزاروں حقائق ہیں جو انسان کی تکوین سے متعلق ہے کہ کس طرح انسان پیدا ہوا اور باری تعالیٰ کے عجائبات میں سے ہیں اور وہ چیزیں سامنے نہ ہوں تو بہت سی حقائق شریعت نہیں کھل سکیں جن کا مدار ان طبی تحقیقات کے کھلنے پر ہے تو انسان میں سب سے پہلے بدن کو جس چیز کی ضرورت ہے وہ صلاح اور صحت ہے اور وہ موقوف ہے علم طب پر اس بنا پر اس کے لئے علم طب ضروری ہے اور علم طب انبیا علیہم السّلام پر یہ ہی اترا ہے وحی کے ذریعہ اس کے اصول آتے ہیں اور پھر تجربہ کاروں نے اسکو بڑھایا اسی طرح بدن کے دوسرے عوارض ہیں مثلاً تن ڈھانپنے کا قصہ ہے اس کے لئے کپڑا بننا یا بنانا ہے اسی طرح سے اثاث البیت ہے کہ انسان کی بہت سی ضروریات ہیں کھانے پینے سے رہنے سے مکان بنانے سے متعلق قرآن میں ان چیزوں کی طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے اور احسانات خداوندی کے تحت مکانات کا بھی ذکر ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے " وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ۔ یعنی کپڑوں کے گھر اور اینٹوں پتھر کے گھر اور پہاڑوں کے گھر دیئے گئے تاکہ ان میں سکونت حاصل کرو تم اسی طرح قرآن کریم نے ہر چیز کی طرف توجہ دلائی ہے خواہ

لباس ہو خواہ کھانے پینے کی شے ہو خواہ رہن سہن اور صحت و مرض اور تمام چیزیں مستقل فن بن گئی ہیں اور ہر فن ایک مستقل موضوع پر مشتمل ہے اور ان کے احکام الگ ہیں اس کے عوارض الگ ہیں اس کے احوال الگ ہیں تو کالج کے اندر جہاں اسکی ضرورت ہے کہ کائناتی اشیاء کو سمجھا جاتے وہیں اسکی بھی ضرورت ہے کہ اس کا آخری نقطہ خدا کی معرفت ہو اسلام نے ان چیزوں کی طرف توجہ محض عیش کرنے کے لئے نہیں دلائی عیش و عشرت کوئی دوامی چیز نہیں یہ تو چند روزہ قصہ ہے۔

دنیا رہ گذر ہے اور آخرت کا مخرج ہے

آدمی دنیا میں آیا ہے مسافر کی طرح سے

اس کو ایک بڑی منزل تک جانا ہے اگر وہ اصل منزل کو گنوا بیٹھا تو اس کائنات کی حقیقت کو نہیں سمجھا یہ تو راستہ اور رہ گذر ہے مگر چونکہ راستے کے نشیب و فراز کا جاننا ضروری ہوتا ہے اسکے بغیر آدمی راستہ نہیں چل سکتا ہے اور نہ ہی آدمی منزل تک پہنچ سکتا ہے اس لئے اس دنیا کے عجائبات کا دیکھنا اور سمجھنا بھی ضروری ہے کہ یہ وہی تو راستہ ہے کہ جسپر چل کر آدمی اپنے خدا کی معرفت تک پہنچتا ہے تو ہماری جتنی بھی آخرت ہے وہ اسی دنیا میں سے بنتی ہے یہ تصور غلط ہوگا کہ آخرت کا کوئی مکان الگ ہے اور دنیا کا مکان الگ ہے بلکہ اسی دنیا میں سے آخرت نکلتی ہے اور اسی میں سے وہ اعمال پیدا ہوتے ہیں کہ جس سے آدمی اپنے خدا تک پہونچتا ہے مثلاً دولت کمائے گا تو اسی دولت کے ذریعہ وہ زکوٰۃ و صدقات دے گا اور دیگر کار خیر انجام دے گا تو دولت میں سے ہی اسکی آخرت نکل رہی ہے اگر دولت سامنے نہ ہوتی تو یہ آخرت کا محل کیسے تعمیر ہوتا اسی طرح دوسری چیزیں ہیں بدن کی صحت ہے اگر بدن صحیح نہ ہوگا تو آخرت کے اعمال کیسے انجام پائیں گے۔ اسی لئے دنیا کو رہ گذر فرمایا ہے اسی بنا پر رہ گذر کے نشیب و فراز سے واقفیت بھی ضروری ہے رہنے کا طریقہ جاننا بھی ضروری ہے اور ان اخلاقیات کا جاننا بھی ہے کہ جس سے اس دنیا کے اندر امن قائم ہو اسلئے کہ اگر ساری چیزیں مہیا ہوں اور انسان کے دل میں امن اور اخلاقی قوت نہ ہو تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک بہترین

بلڈنگ بنا کر اس میں سانپ اور بچھوؤں کو پال دیا جائے تو اس بلڈنگ بنانے سے کیا فائدہ!

انسان اخلاق سے بنتا ہے

بلڈنگ انسانوں کے لئے بنتی ہے اور انسان اخلاق سے بنتا ہے جب تک انسان کا اخلاق اور کیرکٹر اچھا نہ ہو اور اونچا نہ ہو اور اسکی اخلاقی حالت بلند نہ ہو اس وقت تک وہ انسان نہیں ہے انسان اچھے کپڑوں کا نام نہیں ہے انسان نام ہے اچھے کردار کا اچھے کیرکٹر کا اور جس میں سب سے پہلی چیز ہے انسانیت اور انسانیت کی سب سے پہلی بنیاد ہے انس اور مودۃ اور امت کا باہمی سلوک کہ تمام آدمی بھائی بھائی بن کر رہیں اور آدمی ایک دوسرے کی ہمدردی میں غرق ہو اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کے لئے مستعد ہو اس میں ایثار و قربانی کا جذبہ ہو کہ میں خود تکلیف اٹھالوں گا مگر اپنے بھائی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا دوسروں کو تکلیف میں مبتلا کر کے خود راحت اٹھانا انسانیت نہیں اور نہ وہ حقیقت میں راحت ہے بلکہ اس کا نام خود غرضی ہے۔

معرفت الٰہی موقوف ہے معرفت نفس پر

غرض فرح تمام چیزوں کا مقصد معرفت الٰہی ہے اور معرفت الٰہی ہو نہیں سکتی جب تک کہ معرفت نفس نہ ہو اسلئے کہ صوفیاء کا ایک مشہور مقولہ ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ، کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس کو پروردگار کی معرفت حاصل ہو گئی اسی ذیل میں ایک مستقل علم وجود میں آیا جس کا نام علم النفس ہے جس سے نفس کے اتار و چڑھاؤ نشیب و فراز کو پہچانا جائے کہ کیا کیا چیزیں اس میں چھپی ہوئی ہیں ان علوم سے نفس کی کمزوریوں اور انسانی طبائع کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے اسلئے اسلامی نقطۂ نظر سے ان کا حاصل کرنا مفید ہے اگر نقطۂ نظر صحیح ہو اور کسی علم و فن کی اصل بناء میں کوئی فساد نہ ہو تو اس علم کو کار آمد بنایا جا سکتا ہے لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ان علوم کو حاصل کریں اور اصل نقطہ کو سامنے

رکھکر ان علوم کو وہاں تک پہنچنے کا ذریعہ بنائے۔

اظہارِ مسرت!

بہرحال اسکی بہت زیادہ مسرت اور خوشی ہوئی کہ مسلمانان میل وشارم نے اپنی حوصلہ مندی سے اور اپنے ظرف کی وسعتوں سے ایک اتنی بڑی تعمیر کھڑی کر دی یہ علامت ہے اس بات کی کہ وہ معنوی تعمیر کو بھی اونچا دیکھنا چاہتے ہیں انسانیت اور علم کی تعمیر کو اونچا لے جانا چاہتے ہیں حق تعالیٰ شانہ، ان کے ارادوں میں برکت دے آمین۔ اور جو جو ان کے مقاصد ہیں انکی تکمیل فرمائے اور اس سے نہ صرف میل وشارم کے لوگوں کو خواہ وہ کسی بھی قوم سے تعلق رکھتے ہوں بلکہ آس پاس کے علاقہ اور تمام لوگوں کو توفیق دے کہ وہ اس سے فائدہ اٹھائیں تعلیم گاہ درحقیقت سب کے لئے ہوتی ہے علم کسی خاص قوم کی وراثت نہیں بلکہ علم سارے انسانوں کی ایک مشترک پونجی ہے مسلم ہو غیر مسلم ہو کسی بھی ملت کا ہو علم سب کی ایک مشترکہ متاع ہے کسی کالج یا اسکول کا قیام اسی لئے ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچایا جائے خواہ وہ کسی بھی قوم سے تعلق رکھتے ہوں تو ایک بڑی خوشی کی بات ہے کہ میل شارم میں اس قسم کا کالج قائم ہوا اور جہاں تک میرے علم میں آیا اس کا فیضان عام ہے کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ بلا امتیاز مذہب وملت ہر قوم کے انسان اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ اسکی ضرورت بھی ہے اور دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مقاصد حسنہ میں کامیاب کرے اور ان مقاصد کی تکمیل فرمائے آمین۔

اظہارِ شکر اور اقرارِ عجز

میں آخر میں شکریہ ادا کرتا ہوں ذمہ دارانِ کالج کا کہ انہوں نے مجھ جیسے ناچیز کو یاد فرمایا میرا تعارف اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں دارالعلوم دیوبند کا ایک طالب علم ہوں اس کے سوا اور کچھ میری اصلیت نہیں اور نہ کوئی تعارف ہے اگر کوئی کام بن پڑتا ہے تو وہ درحقیقت اثر ان اکابر کا اور ان بزرگوں کا ہی ہے مقبول غالب کے علماء کے لئے ان کا ایک شعر کافی ہے اس کہا ہے ؎

بنا ہے شہ کا مصاحب پھرے ہے اتراتا
وگرنہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے!!

توحقیقت یہ ہے کہ ہماری ذاتی اور شخصی کوئی آبرو نہیں ہے البتہ بڑوں کی ایک جماعت ہے اور وہ جماعت بین الاقوامی بزرگوں کی ہے انکی شخصیتیں بہت بلند ہیں ان سے وابستگی اور ان سے نسبت ایک بڑی چیز ہے ذرے کی کوئی وقعت نہیں ہوتی ہے لیکن چونکہ اس کو نسبت ہے آفتاب سے اور وہ نسبت بڑی ہے اسلئے اس درجہ کی بھی بڑی حیثیت ہوتی ہے اور وہی ہم بھی کہتے ہیں"

اگرچہ خوردیم نسبتے است بزرگ
ذرۂ آفتاب تابانیم !!

ہم تو خود لاشئی ہیں لیکن نسبت ایک بڑی چیز سے قائم ہے اور وہ نسبت بڑی ہے جو اسکی لپیٹ میں آجائے گا وہ بڑا دکھلائی دے گا حقیقت میں بڑائی انہیں بزرگوں کی ہے ہماری کوئی بڑائی نہیں مخلص بزرگوں کی ایک جماعت ہے وہ بہت سچے لوگ تھے ان کی سچائی آج تک چل رہی ہے اخلاص سے جو روح انہوں نے پھونکی وہ اسی شان سے قائم ہے اسکی چمک اور روشنی میں جو آگیا بن گیا اس کے نتیجے میں اہل علم بنے اہل فضل بنے اہل کمال بنے تو ہمارا اسکی زیادہ تعارف کچھ نہیں کہ دارالعلوم دیوبند سے اور وہاں کے بزرگوں سے ایک تعلق ہے آپ نے جو کچھ بھی قدردانی اور قدر افزائی فرمائی درحقیقت ان ہی کی فرمائی ہیں صرف ایک واسطہ ہوں میں سمجھتا ہوں کہ یہ قدردانی انہیں بزرگوں کی طرف جارہی ہے آپنے جو کچھ اچھے اور اونچے کلمات فرمائے درحقیقت میں واسطہ ضرور ہوں میرے ذریعہ سے یہ کلماتِ خیر وہاں تک پہنچ جاتے ہیں اور میں آخر میں پھر مکرر شکریہ ادا کرتا ہوں آپ حضرات کا کہ یاد فرمایا اور کچھ خیالات ظاہر کرنے کا بھی موقع عنایت فرمایا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

احب الصالحین ولست منہم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

نثار احمد قاسمی سہارنپوری

خادم مدرس مدرسہ خادم العلوم باغونوالی ضلع مظفرنگر (یوپی)

امارت شرعیہ کے قیام کی ضرورت

قرآن و حدیث کی روشنی میں

خطبۂ مسنونہ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ اِلٰی کَآفَّۃٍ لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ہ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ

تمہید بزرگان محترم! میرے لئے خصوصیت سے آج بہت ہی مسرت وخوشی کا دن ہے کہ اس مقدس مجمع میں کہ جس میں اس نواح کے امیر شریعت اور دوسرے بزرگان دین تشریف فرما ہیں مجھے ان کی معیت کا بھی شرف حاصل ہوا اور ان کی برکات سے مستفیض ہونے کا بھی موقع ملا اور دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے کہ ان کی رعیت ہونے کا فخر حاصل ہوا اس لئے کہ امیر شریعت کے سامنے تو سب رعایا ہی ہوتی ہے وہ باہر کے ہوں یا اندر کے ہوں۔ بہر حال ایک رعایا کی حیثیت سے اپنے امیر کی خدمت میں حاضر ہونا ایک مستقل سعادت اور برکت ہے اسلئے میں چاہتا ہوں کہ اس امارت کے سلسلے میں چند طالب علمانہ باتیں آپکی خدمت میں گذارش کروں زیادہ دیر تک تو عرض نہیں کرسکوں گا اس لئے کہ کچھ تو علیل ہوں اور باعتبار علم کے قلیل ہوں اور اسی کے ساتھ ساتھ صبح سے دماغی کاوش کا بار بھی اوپر پڑا ہوا ہے جس وجہ سے تعب اور تکان بھی پیدا ہوگیا ——— معالجوں کی طرف سے بھی مجھے ہدایت ہے کہ عشاء کے بعد نہ کسی جلسے میں تقریر کروں اور نہ شرکت کروں لیکن بہر حال بزرگوں کا حکم ڈاکٹروں کے حکم سے زیادہ اونچا ہے کیونکہ ڈاکٹر معالج جسمانی ہیں اور یہ بزرگانِ دین معالج روحانی ہیں اور روح کو جسم پر قدرتی طور پر

فضیلت حاصل ہے اس لئے معالجین روح کا حکم زیادہ واجب الاطاعت ہے
بہ نسبت معالجین جسم کے اس لئے تعمیل حکم کے طور پر بھی کچھ عرض کرنا ضروری تھا مگر میں
زیادہ نہیں لے سکوں گا صرف تھوڑی دیر چند طالب علمانہ باتیں مختصر طور پر گذارش کروں گا

تعمیر اسلام پانچ شعبوں پر قائم ہے

اسلام وسیع ترین اور عالمگیر دین ہے اور ساری دنیا کی اقوام کے لئے پیغام ہے اور اسکی عمارت
پانچ شعبوں پر قائم ہے گویا اسلام کی پانچ بنیادیں ہیں کہ جس پر اسلام کی تعمیر کھڑی ہے ۱۔
اعتقادات ۲۔ عبادات ۳۔ اخلاقیات ۴۔ معاملات ۵۔ اجتماعیات۔

پہلا شعبہ اعتقادات

پہلا شعبہ اعتقادات کا ہے کہ آدمی کے عقائد درست ہونے
چاہئیں اور عقیدے کی تین بنیادیں ہیں ۱۔ مبداء ۲۔ معاد
۳۔ نبوات۔ مبداء کے معنی یہ ہیں کہ ہم کہاں سے کہاں آتے ہیں۔ ہماری اصل کیا ہے۔ ہم کس
طرح دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ معاد کا حاصل یہ ہے کہ ہم یہ عمر گذار کر جائیں گے کہاں اور
نبوات کا حاصل یہ ہے کہ اس آمد و شد کے درمیان ہم زندگی کیسے گذاریں۔ یہ تین بنیادیں ہیں
عقائد کی۔ مبداء ظاہر بات ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات ہے کہ جس سے ہمیں ہستی ملی ہے
اور وجود ملا ہے اور وہی ہمارے وجود کی اصل ہے اور معاد بھی وہی ہے کہ اسی کی طرف
لوٹ کر جانا ہے وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وہی ہے کہ جس کی ابتداءً
کی خلقت کی اور وہی ہے جو اپنی طرف خلقت کو لوٹا کر لے جائے گا۔ تو مبداء بھی وہی ہے اور
معاد بھی وہی ہے اور ہدایت کرنے والا بھی وہی ہے کہ ہم زندگی کیسے گذاریں تو سب سے پہلی چیز
عقائد ہے کہ جس سے قلب انسانی صحیح ہو جائے۔ کیونکہ تمام اعمال عقائد ہی کے تابع ہیں۔ عقیدہ
اگر غلط ہے تو عمل خود بخود غلط ہو جائے گا خواہ آدمی اچھی نیت ہی سے کرے۔ اگر عقیدہ درست
ہے تو سارے اعمال خود بخود صحیح ہو جائیں گے جب اعمال صحیح ہوں گے تو احوال بھی صحیح
ہوں گے اور جب احوال صحیح ہوں گے تو انجام بھی صحیح ہو جاتے گا تو ابتداء سے انتہا تک انسان
عقائد کی صحت کی بنا پر صحیح ہوگا۔ اسلئے سب سے بڑی بنیادی چیز اسلام میں عقائد کا درجہ ہے جو
قلب کے اندر پیوست کیا جاتا ہے۔

دوسرا شعبہ عبادات

دوسرا شعبہ عبادات کا ہے کہ ان عقائد کے تحت اللہ کو کس طرح سے یاد کیا جائے عبادت کس طرح سے کی جائے. عبادت کے معنی ہیں غایت تذلل یعنی معبود کے سامنے ایسی ذلت اختیار کر لینا جس کے بعد ذلت کا کوئی درجہ باقی نہ رہے. اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی عزت لامحدود ہے کوئی عزت کا درجہ نہیں جو اسکی ذات میں موجود نہ ہو اس کے یہاں عزت کامل ہے اسی لئے اس کے یہاں ذلت کامل یعنی ایسی ذلت پیش کرنی چاہیئے کہ اس کے بعد ذلت کا کوئی درجہ باقی نہ رہے کہ آدمی اس کے سامنے ذلیل نہ ہو جائے۔ تو عبادت کا مطلب یہ ہے کہ اس عزیز مطلق کے سامنے ذلیل مطلق بن جائے۔ اسکی عزت کسی حد پر رُکی نہیں۔ ہماری ذلت کسی حد پر رُکی ہوئی نہ ہو اور یہ غایت تذلل اور انتہائی ذلت اللہ کے سامنے اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ آدمی میں انتہائی محتاجگی ہو کیونکہ غنی کسی کے سامنے نہیں جھک سکتا ہے ؎

آنکھ شیراں راکند روباہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج

جو شیروں کو بھی لومڑی بنادے وہ حاجتمندی ہے. غنا کے ساتھ کوئی کسی کے آگے نہیں جھک سکتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ غنی مطلق ہیں رفیع المرتبت ہیں انسان اس کے سامنے ذلیل مطلق ہے اس کا کام ان کے سامنے ہر وقت جھکنا ہے کہ دل سے بھی جھکے. روح سے بھی جھکے. بدن سے بھی جھکے قول سے بھی جھکے فعل سے بھی جھکے ہر اعتبار سے اپنی ذلت و پستی کا اظہار کر دے. یہ ہے عبادت عبادت کے معنی فقط نماز روزہ کے نہیں ہیں بلکہ قانونِ اسلام کے تحت ذلت کے ساتھ اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے وہ اگر کہیں کہ گھر میں فلاں کام کرو تو ہمارا فرض ہے کہ اسی طرح کریں۔ وہ اگر فرمائیں کہ مسجد میں جاؤ تو ہمارا فرض ہے کہ مسجد میں جاویں اگر وہ کہیں کہ تخت سلطنت پر امیر شریعت بن کر بیٹھ جاؤ۔ ہمارا فرض ہے کہ امیر بن کر بیٹھ جاویں اگر وہ کہیں کہ غلام بن جاؤ فلاں کے تو ہم غلام بننے کو تیار ہیں تو اظہار ذلت کے یہ معنے ہیں کہ عمل سے قول سے. فعل سے حال سے. چال سے. ہر اعتبار سے آدمی اپنی پستی اپنی احتیاج اور اپنی حاجت مندی کا اظہار کر دے۔ اسی کا نام عبادت ہے ۔

تیسرا شعبہ

تیسرا شعبہ اخلاقیات کا ہے۔ عبادات اور عقیدہ درست نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ قلب کی حالت درست نہ ہو اور قلب محل اصل ہے لہٰذا جب تک اخلاق انسانی صحیح نہ ہوں گے یعنی جب تک صبر نہ پیدا ہو حیا نہ پیدا ہو شکر نہ پیدا ہو سخا نہ پیدا ہو۔ شجاعت نہ پیدا ہو۔ توکل علی اللہ نہ پیدا ہو۔ انابت الی اللہ نہ پیدا ہو۔ یہ ملکات جب تک ذہن میں نہ جمیں گے عقیدہ درست نہ ہوگا۔ اور جب تک عقیدہ درست نہ ہوگا تو عمل درست نہ ہوگا اور عبادت درست نہ ہوگی تو مدار آ کر ٹھہر جاتا ہے اخلاق پر اسی لئے اسلام میں اہم ترین شعبہ اخلاق کا ہے لہٰذا اخلاق کی تربیت کی جائے۔ اخلاق کو بلندی پر پہونچایا جائے۔ اور انسان جبلی طور جو بداخلاقیوں کے روگ لگے ہوتے ہیں یہ دور کر کے پاکیزہ اخلاق سے بدلا جائے جبلی طور پر انسان میں حرص بھی ہے بخل بھی ہے۔ حسد بھی ہے۔ کبر و رعونت بھی ہے یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو انسان کو مخلوق کے آگے ذلیل کرتی ہیں ان کو نکال کر کبر کے بجائے تواضع پیدا کی جائے۔ بخل کے بجائے سخاوت پیدا کی جائے۔ خود غرضی کے بجائے ایثار پیدا کیا جائے۔ ہوس رانی کے بجائے قناعت کا جذبہ پیدا کیا جائے جب یہ اخلاق درست ہوں گے تو عقیدے درست ہوں گے پھر اعمال درست ہوں گے اور جب اعمال درست ہوں گے تو انجام درست ہوگا پھر زندگی بھی صحیح ہو جائے گی اور موت بھی صحیح ہو جائے گی اس لئے اسلام میں اہم ترین شعبہ اخلاقیات کا ہے۔

چوتھا شعبہ معاملات

چوتھا شعبہ معاملات کا ہے کہ ہم ایک دوسرے سے کس طرح برتاؤ کریں۔ معاملات میں نزاع ہو۔ جھگڑا ہو۔ اس کا سلجھاؤ کس طرح سے۔ ہم ایک دوسرے سے جھگڑنے پر آمادہ ہو جائیں تو اس کا فیصلہ کس طرح سے کریں۔ لین دین کس طرح سے ہو۔ قرض ادھار کے طریقے کیا ہوں گے۔ امانت رکھنے کے طریقے کیا ہیں اور ادائیگی کے طریقے کیا ہیں۔ اجارہ کے احکام کیا ہیں اور زمین کے احکام کیا ہیں۔ تو معاملات کا شعبہ بھی ایک اہم شعبہ ہے جس میں ایک انسان کو دوسرے انسان سے واسطہ پڑتا ہے۔ اگر دیانت نہ ہو۔ امانت نہ ہو۔ لازمی طور پر دنیا میں فساد پیدا ہوگا اور جب فساد پیدا ہوگا تو بدامنی پیدا ہوگی۔ جب بدامنی پیدا ہوگی تو نہ جان کی خیر رہے گی

نہ مال کی خیر رہے گی ہر شخص غیر مطمئن رہے گا۔ پریشان رہے گا اضطراب اور بے چینی قلب کا جوہر بن کر رہ جائے گا۔ اسی لئے معاملات کی صحت اور خوبی یہ بھی اہم ترین شعبہ ہے اسلام کا۔

پانچواں شعبہ اجتماعیات پانچویں چیز اپنی قومیت کو سنبھالنا ہے یعنی اجتماعی حالت کو درست کرنا ہے کہ قوم میں اجتماعی طور پر ایک تنظیم ہو۔ قوم ایک نظم کے تحت زندگی گذارے۔ بدامنی نہ ہو کہ ایک کا رُخ ادھر کو ہو اور ایک کا رُخ ادھر کو۔ ایک مشرق کو جارہا ہے اور ایک مغرب کو جارہا ہے یا ایک ادھر سے آرہا ہے اور ایک ادھر سے اور دونوں آکر ٹکرائیں آپس میں اور جھگڑیں اور خونم خون ہوں، بلکہ ایک نظم کے اندر پوری قوم جڑی ہوئی ہو۔ ایک نظام کے تحت چل رہی ہو۔ ہر ہر چیز اپنے محل کے اوپر قائم ہو۔ یہ پانچ شعبے ہو گئے ہیں۔ اعتقادات، عبادات، اخلاقیات، معاملات اور اجتماعیات۔ ان پانچ شعبوں کو علماء کے ایک ایک طبقے نے سنبھالا ہے اور لاکھوں علماء ایک ایک شعبے کو سنبھالنے کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں۔ انہوں نے سنبھالا اور اپنا فرض منصبی پورا کیا۔

حکماء متکلمین اعتقادات کو سنبھالنے اور ان کو ثابت کرنے کے لئے حکماء اسلام کا ایک طبقہ کھڑا ہوا جنہیں متکلمین کہتے ہیں۔ انہوں نے عقلی اور نقلی انداز سے عقائد کو حق ثابت استدلالات سے عقائد کا فطری ہونا ثابت کیا کہ سب عقیدے فطرت کے مطابق ہیں۔ کوئی عقیدہ فطرت کے خلاف نہیں ہے۔ ایسا نہیں کہ وہ عقل کے خلاف ہو اور اسلام میں اس کو زبردستی ٹھونس دیا گیا ہو بلکہ فطرت تقاضا کرتی ہے کہ یہی عقیدہ ہونا چاہیئے فطرتیں مطمئن ہیں کہ یہ ہی عقیدہ درست ہے۔ ان حکماء اسلام نے حسّی، عقلی، نقلی، فطری۔ ہر طریقے سے ثابت کر دکھایا۔ ایک ایک عقیدے کے لئے ہزارہا دلائل قائم کئے اور اس سلسلے میں بڑی بڑی ضخیم ضخیم، عظیم عظیم کتابیں لکھی گئیں اور عقائد مضبوط ہو گئے حجت و برہان سے۔ اس لئے کوئی قوم کامیاب نہیں ہو سکتی ہے نہ مسلمانوں کے سامنے ورنہ ان کے عقائد کے سامنے۔ اللہ جزائے خیر دے متکلمین حکماء اسلام کو کہ انہوں

ـــنے اس سلسلہ میں خدمت کی اور اس دائرۂ اعتقادات کو سنبھالا اور ثابت کر کے دکھایا کہ حق یہی ہے جو اس کے خلاف ہے وہ باطل ہے۔

فقہائے اسلام

دوسرا شعبہ عبادات کا ہے اس کو سنبھالا ہے فقہائے اسلام نے اور ائمہ مجتہدین نے اور پھر ان کے نیچے دوسرے ائمہ کھڑے ہو گئے اور فقہ کے بڑے بڑے اکابر نے اس کو مدون کیا اور مرتب کیا۔ باب وار فصل وار مسائل مقرر کئے۔ اپنی ترتیب کے ساتھ مسائل کو ترتیب دیا۔ ہزاروں لاکھوں کتابیں لکھی گئیں اور فقہ ایک مستقل فن بن گیا جس کے اندر ہزارہا فروع داخل ہوئیں۔ ائمہ اجتہاد نے اپنے تفقہ کے اصول سے قرآن وحدیث سے مسائل کا استخراج کیا۔ خود مسائل کو نکال کر پیش کیا اگر کہیں اصول تفقہ میں اختلاف ہوا تو فرعی مسائل میں بھی اختلاف ہوا مگر سب ائمہ ہیں دین حق پر ہی اور حق ان میں دائر وسائر ہے۔ اگر امام ابو حنیفہ۔ امام شافعی۔ امام مالک و امام احمد بن حنبل میں اختلافات ہیں تو وہ حق و باطل کے نہیں کہ ایک سمت حق ہو اور ایک سمت باطل ہو۔ ایسا ہرگز نہیں بلکہ وہ خطا اور صواب کے اختلافات ہیں کہ ایک طرف صواب ہے اور ایک طرف خطاء ہے لیکن ساتھ میں یہ قید بھی لگی ہوئی ہے کہ یہ صواب ہے مگر احتمال ہے کہ خطاء بھی ہو اور یہ خطاء ہے مگر احتمال ہے کہ صواب بھی ہو۔ اسی لئے حق دائر وسائر ہے تمام ائمہ کے اندر اور تمام کے تمام نجوم ہدایت ہیں جس کا دامن آپ تھام لیں گے انشاء اللہ نجات ہو جائے گی اگر کوئی شافعی المسلک ہے تو وہ بھی نجات یافتہ ہے۔ اگر کوئی حنفی ہے تو وہ بھی نجات کے مراتب طے کر رہا ہے اور اگر کوئی مالکی یا حنبلی ہے تو وہ بھی نجات کے راستے پر جا رہا ہے اور سب اللہ ورسول کی طرف دوڑ رہے ہیں اس لئے کہ بنیاد سب کی ایک ہے وہ ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ البتہ استخراج مسائل میں اصول الگ الگ ہو گئے ہیں اور یہ خود شریعت کی حکمت ہے اسلئے کہ ائمہ اختلاف سے امت کے اندر آسانیاں پیدا ہو گئیں ہیں اتنے راستے نکل آئے ہیں کہ جو جس ذوق کا ہے اسی راستے پر چل کر حق کو پا سکتا اگر ایک دریا ہو اور بہت بڑا لمبا چوڑا تھا سمند ہو لیکن پانی پینے کا گھاٹ ایک ہی ہو تو لوگ ہزاروں میل سے سفر کر کے آئیں گے جب ہی پانی مل سکتا ہے ورنہ پانی سے محروم رہیں گے لیکن دریا اگر ایسا ہے کہ ہزاروں مشرب

اور گھاٹ موجود ہیں جس سمت سے آئے وہی پانی۔ وہی مزہ۔ وہی ذائقہ ہے صرف سمت بدلی ہوئی ہے ایک مشرق کی طرف ہے ایک مغرب کی طرف ہے تو کچھ آسانی کر دیا بڑا ہے اور مشرب اور گھاٹ بہت ہیں ہر طرف سے پانی مل سکتا ہے تو اسلام ایک اتھاہ سمندر ہے اس کے مشارب بہت ہیں۔ ایک مشرب حنفی ہے اور ایک مشرب مالکی ہے۔ ایک مشرب حنبلی ہے اور ایک مشرب شافعی ہے۔ اور یہ چار آئمہ وہ ہیں کہ حسنِ تدبیر کہئے یا تقدیر خداوندی کہئے کہ چار مذہب دنیا کے اندر رائج ہو گئے ورنہ ائمہ اجتہاد سینکڑوں پیدا ہوئے۔ امام بخاری خود مجتہد ہیں۔ عبداللہ بن مبارک خود مجتہد ہیں۔ حماد بن سلمہ خود مجتہد ہیں۔ سفیان ثوری مجتہد ہیں۔ سفیان بن عیینہ مجتہد ہیں۔ ہر ایک کا فقہ الگ الگ۔ لیکن یہ خدا کی طرف کی بات ہیں کہ بقیہ فرقے مندرس ہو گئے اور باقی نہ رہے اور یہ چار فقہے دنیا کے اندر رائج ہو گئے

امام ابو حنیفہ کوفہ میں پیدا ہوئے خراسان کی طرف ان کا فقہ چلا تو پورا خراسان حنفی۔ پورا افغانستان حنفی۔ ہندوستان کا اکثر حصہ حنفی۔ پورا ترکستان حنفی۔ جہاں جہاں ان کا فقہ پھیلا وہاں وہاں حنفی ہو گئے چونکہ اللہ و رسول کی محبت انتہاء پر تھی اسی لئے ادب بھی بے حد تھا چنانچہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حج کو تشریف لے گئے مدینہ منورہ روزہ اقدس پر بھی حاضری دی تو سات دن کے بعد واپسی کا ارادہ کیا مگر تمام اہل مدینہ سر ہو گئے کہ ہم نہیں جانے دیں گے جب سارے مُصِر ہو گئے تو ٹھہر گئے دس دن ہو گئے تو پھر اجازت چاہی مگر اہل مدینہ نے پھر گھیر اڈال لیا کہ ہم ابھی اجازت نہ دیں گے گیارہویں دن آپ نے فرمایا کہ اب مجھ میں طاقت نہیں ہے اس پر اہل مدینہ نے معلوم کیا کہ نا طاقتی کی کیا بات ہے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ جب سے مدینہ میں آتے ہیں استنجاء نہیں فرمایا ہے نہ پیشاب نہ پاخانہ نہ کر مناسب نہیں مدینہ کی ارضِ مقدس کو نجاست سے آلودہ کرنا اس لئے اب میرے اندر طاقت نہیں تو پھر اہل مدینہ نے خود با عزت و احترام رخصت کیا یہ تھا ائمہ کا ادب و احترام کہ جتنی محبت غالب تھی ان حضرات میں اتنا ہی ادب و احترام تھا۔

امام شافعی رح آپ کی پیدائش ہوئی مصر میں مقام غزا میں ابتدائی زمانہ مصر میں گذرا اور عمر کا اکثر حصہ حجاز میں گذرا اور عمر کا آخری حصہ بھی مصر میں گذرا مصر میں

ہی وفات بھی ہوئی ۔ مصر تقریباً سب کا سب شافعی المسلک ہے حجاز میں بھی تقریباً سب فقہ شافعی پر چل رہے ہیں محبت وادب میں ان کا بھی وہی حال تھا جو دیگر ائمہ کا ہے خوف و خشیتہ غالب محبت غالب اور تقویٰ اونچے درجے کا ۔

امام مالکؒ

امام دارالہجرۃ کے لقب سے ملقب ہیں مدینہ سے ان کو شغف تھا اور مدینہ کے ذرہ ذرہ سے ان کو محبت تھی اور ادب کا یہ حال تھا کہ مدینہ شہر میں کبھی جوتے پہن کر نہ چلے اسلئے کہ معلوم نہیں کہاں حضور کا قدم مبارک پڑا ہوا اور وہاں میرا جوتا گذرے اور مدینہ منورہ میں کبھی پاخانہ پیشاب بھی نہیں کیا بلکہ اسکے لئے مدینہ منورہ سے کئی میل دور نکل جاتے تھے یہ ادب تھا اور تمام ائمہ میں اسی طرح سے ادب کی انتہا تھی ۔ مدینہ منورہ کو ہی اپنا وطن قرار دیا اور وہیں ہجرت فرمائی انکی تمنا یہ تھی کہ مجھے مدینہ کی زمین قبول کرلے اور میں وہیں دفن ہوجاؤں ۔ نفلی حج بھی نہیں کرتے تھے اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں باہر میری وفات نہ ہوجائے اور میں مدینہ کی زمین سے الگ ہوجاؤں ۔

امام مالک کا خواب اور اسکی تعبیر

امام مالکؒ نے ایک روز خواب دیکھا کہ نبی کریمؐ کا دربار مبارک قائم ہے اور امام مالک حاضر ہیں عرض کیا یارسول اللہ میرا جی چاہتا ہے کہ مدینہ کی زمین مجھے قبول کرلے اور مجھے معلوم ہوجائے کہ میری عمر کتنے دن باقی ہیں ۔ سال ہے یا دو سال ہیں تاکہ مجھے اطمینان ہوجائے اور میں عمرہ کر آؤں ۔ مورخین لکھتے ہیں کہ حضور نے اس طرح سے ہاتھ اٹھایا کہ پانچوں انگلیاں کھلی ہوئی تھیں ۔ اب امام مالک حیران ہیں کہ پانچ انگلیاں آپ نے اٹھائی ہیں تو آیا یہ مطلب ہے کہ پانچ دن باقی ہیں میری عمر کے ۔ یا پانچ مہینے یا پانچ برس ہیں ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ۔ امام مالکؒ کے ہم عصر امام محمد بن سیرین ہیں جو تعبیر خواب کے امام ہیں اور خواب کی تعبیر پر انہوں کے مستقل کتابیں لکھی ہیں ۔ جلیل القدر امام ہیں اور ایسی تعبیر دیتے تھے کہ ہاتھ کے ہاتھ تعبیر واقعات کی صورت میں ظاہر ہوتی تھی ان کو یہ مناسبت تعبیر سے تھی ۔ اس قسم کے ان کے بہت سے واقعات ہیں ۔ تو امام مالکؒ نے ایک شخص سے کہا کہ تم جاکر ابن سیرین سے میرا خواب بیان کردو مگر میرا نام مت لینا ۔ یہ کہنا کہ مدینہ میں رہنے والے ایک شخص نے یہ خواب دیکھا ہے اسکی تعبیر کیا ہے ۔ چنانچہ وہ

شخص وہ حاضر ہوا اور انس ابن سیرین سے کہا کہ مدینے کے ایک شخص نے یہ خواب دیکھا ہے
کہ اس نے حضور سے یہ دریافت کیا کہ میری عمر کے کتنے دن باقی ہیں تو حضورؐ نے ہاتھ اٹھا دیا اب
سمجھ میں نہیں آتا کہ پانچ دن مراد ہیں یا پانچ مہینے یا پانچ برس مراد ہیں۔ ابن سیرین نے فرمایا کہ یہ
خواب تو بہت بڑا عالم دیکھ سکتا ہے جاہل کا کام نہیں کہ اس قسم کا خواب دیکھے اور نہ جاہل کو حضورؐ
یہ جواب دے سکتے ہیں۔ یہ جواب تو بڑے عالم کو ہی دے سکتے ہیں اور مدینہ میں اسوقت
امام مالک سے بڑا کوئی عالم نہیں تو کہیں یہ خواب امام مالکؒ نے تو نہیں دیکھا! اب وہ شخص خاموش
کیونکہ اُسے تو روک دیا گیا تھا کہ میرا نام مت لینا انس کہا کہ اچھا مجھے اجازت دیجئے کہ میں اُن سے
اجازت لے آؤں فرمایا ہاں اجازت لیکر آجاؤ۔ پھر ہم خواب کی تعبیر بتلائیں گے۔ وہ گیا اور جاکر
عرض کیا کہ حضرت وہ تو پہچان گئے کہ یہ خواب دیکھنے والے آپ ہیں اور نام بھی لے دیا مگر یہ
کہا کہ پوچھ کر آجاؤ پھر تعبیر بتاؤں گا فرمایا کہ اچھا جاؤ میرا نام لے دینا کہ مالک بن انس نے یہ
خواب دیکھا ہے۔ اس شخص نے جاکر عرض کیا کہ حضرت امام مالک نے ہی یہ خواب دیکھا ہے۔
ابن سیرین نے فرمایا ہاں امام مالک ہی یہ خواب دیکھ سکتے ہیں دوسرے کی مجال نہیں کہ وہ یہ
خواب دیکھے۔ فرمایا کہ حضورؐ نے پانچ انگلیاں اٹھائیں۔ انس نہ پانچ دن مراد ہیں نہ پانچ مہینے
نہ پانچ برس مراد ہیں بلکہ اشارہ ہے اس طرف ہے کہ ھِیَ خَمْسٌ لَا یَعْلَمُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ
یعنی یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے
کہ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ کسی کو پتہ نہیں کہ میرا انتقال کس زمین
پر ہوگا اور میں کہاں دفن ہوں گا اور کیا وقت ہے میرے انتقال کا قرآن کریم کے اندر فرمایا گیا
کہ اصول غیب کے پانچ ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے فرمایا گیا اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ
عِلْمُ السَّاعَةِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ
مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اس کے نظام کو صرف اللہ
جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔ کسی کو پتہ نہیں حالانکہ قیامت کا عقیدہ قطعی ہے قرآن سے
ثابت ہے ہر مسلمان کا ایمان ہے مگر وقت کا پتہ کسی کو نہیں ہے۔ حتیٰ کہ نبی کریمؐ کو بھی پتہ نہیں چنانچہ
جبرئیل امین نے آپ سے پوچھا مَتَی السَّاعَةُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قیامت کب آئے گی فرمایا

مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِاَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ آپ نے فرمایا کہ اس بارے میں سوال کرنے والے سے زیادہ مجھے علم نہیں ہے ہاں یہ مجھے معلوم ہے کہ قیامت آئے گی مگر یہ مجھے معلوم نہیں کہ کب آئے گی۔ یہ اللہ کے ساتھ مخصوص ہے تو امام ابن سیرین نے فرمایا کہ یہ خواب امام مالک ہی دیکھ سکتے تھے خواب بھی علمی ہے جواب بھی علمی ہے اور حدیث کی طرف اشارہ ہے امام مالک ہی اس کے مخاطب بن سکتے ہیں۔ ابن سیرین نے اس آدمی سے فرمایا کہ امام مالک سے کہدینا کہ حضور کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ موت کہاں آئے گی۔ کس زمین میں آئے گی اس کا علم ان پانچ چیزوں سے ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔ امام مالک یہ جواب سُن کر مطمئن ہو گئے اور پھر گھر سے نہیں نکلے یہاں تک کہ وفات ہوگئی اور مدینہ کی زمین نے قبول کیا اور جنت البقیع میں مزار ہے جو ہر مسلمان کے لئے زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔ تو بہرحال امام مالک امام دارالہجرۃ ہیں اور زیادہ تر ان کا فقہ مغربی ممالک میں پھیلا ہوا ہے جو عرب کے مغربی حصے ہیں ان میں زیادہ تر مالکی آباد ہیں۔

امام احمد بن حنبل کا قیام ہوا ہے نجد میں اور یمن میں اسی لئے نجد اور یمن کے لوگ بکثرت حنبلی ہیں اور وہاں فقہ حنبلی پر عمل ہے۔

تمام ائمہ حقانی ہیں تمام ائمہ برحق ہیں جس کا دامن تھام لو گے انشاء اللہ نجات ہو جائے گی۔ یہ سب حضرات حقانی ہیں۔ ان بزرگوں نے اپنے اصولِ تفقہ سے اور اپنے اجتہاد سے کتاب و سنت سے مسائل اخذ کئے اور مسائل نکال کر دین کو باغ و بہار بنا دیا اور ایک لاء۔ اور قانون کی صورت میں فقہ کو مرتب کیا جن کے ابواب الگ الگ ہیں باب الافاضات باب المعاملات۔ باب المساقات۔ باب المزارعۃ۔ باب الاراضی وغیرہا۔ سارے مسائل ان ابواب کے نیچے جمع ہیں۔ ساری چیزیں استخراج کر کے جمع کر دی ہیں ان کا بھی امت پر احسان عظیم ہے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور ان کے مقابر کو نور سے منور فرما دے اگر یہ استخراج نہ کرتے تو اتنی جزئیات ہمارے پاس فقہ میں موجود نہ ہوتیں بڑی دقت اور دشواری پیش آجاتی۔

عرفاء اسلام ان کا دوسرا نام صوفیاء کرام ہے ان حضرات نے اخلاقیات کو سنبھالا ہے اس طرح پر کہ بال کی کھال نکال کر انسانوں کے سامنے پیش کر دی روح کی حکمت بیان کی اور بتایا کہ نفس میں اتنی مکاریاں ہیں ان کا توڑ یہ ہے اگر نفس میں یہ کید

پیدا ہو تو اسکی کاٹ یہ ہے اور نفس میں یہ خواہش پیدا ہو تو اس کا دفعیہ یہ ہے اور کوئی رغبت اور تمنا پیدا ہو تو اسکی کاٹ یہ ہے اور اگر یہ تدبیر اختیار کریں تو شیطان پاس تک نہیں آسکتا ہے۔ یہ ان حضرات صوفیا ہی کا طفیل ہے کہ حکمت قلب کی انہوں نے تعلیم دی اور انہوں نے دلوں کو منور کیا اخلاق سے اور ان ہی اخلاق کے ذریعہ تزکیہ نفس کیا اور انسان کو انسان بنایا

اُمراءِ اسلام انہوں نے شعبہ معاملات کو سنبھالا۔ لین دین اور جھگڑوں کے فیصلوں پر امراء اسلام مقرر ہوتے۔ دنیا بھر کے جھگڑے نمٹاتے۔ لوگوں کے مقدمات فیصل کئے فوجداری کے الگ دیوانی کے الگ ہر ہر دائرے کے مقدمات سنبھالے اور اس پر مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ حافظ ابن تیمیہ کی کتاب ہے السیاسۃ الشرعیۃ۔ اور اسی طرح بہت سے ائمہ علوم نے کتابیں لکھی ہیں۔ کسی نے سیاست کے اصول واضع کئے فصل خصومات کے مقدمات کو فیصل کرنے کے لئے اسلئے ان اُمراء اسلام نے بہت اونچا کام کیا ہے کہ اس شعبہ کے حقائق کو واضح کیا ہے فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

خلفاء اسلام اس پانچویں شعبہ کو سنبھالا ہے خلفاء اسلام نے جیسے صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ وغیرہ یہ حضرات درحقیقت ذمہ دار تھے ملک کے نظام کے اور تنظیم ملت اور تنظیم امت کے ان حضرات نے پوری امت کو اور مغرب و مشرق کے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرو دیا تھا کہ نہ آپسمیں لڑیں نہ جھگڑیں۔ نہ تعصبات برتیں نہ آپس میں گالم گلوچ کریں نہ سب و شتم کریں اگر کسی کو شبہ ہو تو محبت سے پیش کردیں دوسرا محبت سے جواب دے اگر سمجھ میں نہ آئے تو اسے معذور سمجھے اور یہ خیال کرے کہ ممکن ہے میں ہی غلطی پر ہوں۔ دوسرا حق پر ہو۔ یہ کہنا کہ میں ہی حق پر ہوں دوسرا غلطی پر ہے رائے دہی کے معاملہ میں بالکل غلط چیز ہے۔

ایک پُر مغز نصیحت سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اپنے ایک خلیفہ کو خلافت عنایت فرمائی اس زمانے کے دستور کے مطابق پگڑی باندھی اور کچھ وصیتیں کیں اور کہہ دیا کہ تم میری طرف سے نائب اور خلیفہ ہو جا کر لوگوں کی تربیت کرو

اصلاح کرو۔ ان خلیفہ نے رخصت کے وقت عرض کیا کہ حضرت کچھ نصیحت فرمایئے تاکہ میں اس نصیحت پر کاربند رہوں حضرت نے دو باتوں کی نصیحت فرمائی اور فرمایا کہ نہ تو نبوت کا دعویٰ کرنا اور نہ خدائی کا دعویٰ کرنا۔ خلیفہ یہ سُن کر حیران و پریشان ہوئے کہ حضرت آپ کا خادم غلام برسوں آپ کی صحبت میں رہا کیا مجھ سے یہ ممکن ہے کہ میں خدائی کا دعویٰ کردوں۔ جو نبی کے غلاموں کا غلام ہو وہ کب نبوّت کا دعویٰ کرے گا

توحضرت نے یہ کیسی نصیحت فرمائی۔ نصیحت فرماتے۔ کہ بھائی عبادت میں ثابت قدم رہنا۔ اخلاق کی حفاظت کرنا۔ مخلوق کی اصلاح کرنا اور یہ کہ خدائی کا دعویٰ نہ کرنا۔ نبوت کا دعویٰ مت کرنا یہ تو ہم لوگوں سے ممکن ہی نہیں۔ اس نصیحت سے کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ فرمایا کہ اس کے معنیٰ سمجھ لو پھر بات سمجھ میں آجائے گی۔

دعویٰ خدائی کا مطلب

فرمایا کہ خدا کی ذات وہ ہے کہ جو کہدے وہ اٹل ہو اگر وہ چاہے کہ زمین بنے تو زمین بن کر رہے۔ یہ ناممکن ہے کہ نہ بنے ارادۂ خداوندی پر مراد کا مرتب ہونا قطعی اور لازمی ہے یہ ناممکن ہے کہ حق تعالیٰ ارادہ فرمائیں اور وہ پورا نہ ہو وہ تو قادر مطلق ہے اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ۝ اگر وہ ارادہ کرے کہ جہان بنے تو اسے محنت کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ اسباب فراہم کرے وہ اسباب کے محتاج نہیں۔ اسباب کے تو وہ خالق ہیں وہاں تو منشاء ہے کہ ہو جا بس وہ ہو جاتی ہے تو اللہ کی ذات وہ ہے کہ جو وہ ارادہ کرے اور کہدے وہ اٹل ہو ٹلنے والی چیز نہ ہو۔

دعویٰ نبوّت کا مطلب

اور دعویٰ نبوت کے معنی یہ ہیں کہ نبی کی شان یہ ہے کہ جو وہ فرمادے وہ حق ہو۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ نبی کی زبان سے کوئی ناحق چیز نکلے۔ جو نبی فرمائیں گے وہ حق ہوگا اور جو کر کے دکھائیں گے وہ بھی حق ہوگا۔ ناحق کا وجود نبی کے ساتھ ممکن نہیں ہے نبی جو کہے گا وہ حق ہوگا اور اس کے خلاف باطل ہوگا نبی کی جانب خلاف کبھی حق نہیں ہوسکتی ہے۔ اگر تم نے جاکر یہ کہا کہ جو میں کہہ رہا ہوں وہی حق ہے اور میری رائے اتنی حق ہے کہ کوئی دوسرا سامنے نہیں آسکتا ہے تو یہ در پردہ نبوت کا دعویٰ ہوگا۔ میں تم کو اسی کی نصیحت کرتا ہوں کہ یہ دعویٰ نہ کرنا نبوت کا دعویٰ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم یوں

کہو کہ میں نبی ہوں ہوں۔ بلکہ اپنے اندر خاص وہ شان پیدا کرے جو نبی کے اندر ہوتی ہے یوں کہے کہ جو میں کہہ رہا ہوں وہی حق ہے اس کے خلاف سب باطل ہے اس چیز کا مدعی بننا در پردہ نبوت کا دعویٰ ہے۔ اور جو یوں کہے کہ جو میں نے ارادہ کر لیا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ دنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے مخلوق کٹ جائے خون بہہ جائے مگر یہ ہو۔ یہ در پردہ خدائی کا دعویٰ ہے۔ یہ خدا کا کام ہے کہ جو وہ ارادہ فرماتے وہ اٹل ہو تو میں نے جو یہ کہا ہے کہ خدائی کا دعویٰ نہ کرنا اس کا یہ مطلب ہے کہ اپنے ارادے کو یوں مت سمجھنا کہ یہ اٹل ہے اور ہونا ہی چاہیئے اور اس کے خلاف ممکن نہیں حالانکہ ہر چیز میں تمہارا خلاف ممکن ہے یہ تو ہوا دعویٰ خدائی کا حاصل اور دعویٰ نبوت کا حاصل کہ جو تمہاری زبان سے نکل جائے اس پر جمے رہو گویا کہ اس کے خلاف باطل ہے حالانکہ یہ ناممکن ہے وہ خدا کا مقام ہے اور یہ نبی کا مقام ہے۔ تو حضرت شیخ نے بڑے بلیغ پیرائے میں نصیحت فرمائی۔ ظاہر میں تو بڑی وحشت ناک نصیحت تھی کہ خدائی کا دعویٰ نہ کرنا نبوت کا دعویٰ مت کرنا۔ مگر جب معنی بیان کئے خدائی اور نبوت کے تو سمجھ میں آگیا۔ معلوم ہوا کہ بہت سے آدمی در پردہ خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور بہت سے لوگ جو جمود کرتے ہیں کہ وہی صحیح ہے جو ہم کہہ رہے ہیں وہ در پردہ نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں ورنہ ان پر کوئی وحی یا الہام آ رہا ہے کہ وہی حق کہہ رہے ہیں دوسرا حق کہہ ہی نہیں سکتا ہے۔ وہ مسئلہ جو قرآن و حدیث سے ثابت شدہ ہے اس کے بارے میں تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہی حق ہے اسکی خلاف ہرگز نہیں۔ ہاں اپنی رائے اور فکر کے بارے میں یہ کہیں کہ یہ ہی حق ہے یہ نہیں ہونا چاہیئے۔

فصل خصومات تنظیم امت پر منحصر ہے

ان جھگڑوں کا فیصلہ جب ہی ہو سکتا جب امت کا نظام بنا ہوا ہو پھر اس قسم کے مدعی مغلوب ہو جائیں گے اور واقعی جو حقانی لوگ ہیں وہ غالب آجائیں گے یہ کام ہے نظام و تنظیم کا جب تک تنظیم نہ ہو نظام نہ ہو اس وقت تک معاملہ نہیں سُلجھ سکتا ہے اس خدمت کو انجام دیا ہے خلفاء اسلام نے یہ ہی درحقیقت ملک کے نظام اور تنظیم ملت کے ذمہ دار تھے ان ہی حضرات نے اُمت کو جوڑا ہے اور ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا ہے۔

پانچوں طبقے ہمارے نزدیک واجب التعظیم ہیں

خلفاء اسلام نے تنظیم ملت کی

ذمہ داری قبول کی۔ امراء اسلام نے جھگڑوں اور فیصلوں کو نمٹایا اور عرفاء اسلام نے اخلاق درست کئے اور فقہاء اسلام نے عبادات کو صحیح کیا اور حکماء اسلام نے عقائد کو درست کیا یہ پانچ طبقے اکابر اہل اللہ کے ہیں جو اسلام میں پیدا ہوئے جنہوں نے ان پانچ شعبوں کو مضبوط کیا اور مضبوط بنیادوں پر کیا اور امت کے سامنے پیش کیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک بات اور سمجھ لینی چاہیئے یہ کہ یہ ایک مقدمہ ہوا تفصیل اس میں بہت ہے مگر میں زیادہ تفصیل نہیں کر سکتا ہوں اسی لئے میں نے ایک لفظ کہا تھا کہ طالب علمانہ انداز میں کہوں گا یہ تو محض طالب علمانہ انداز ہے جو درس و تدریس میں طالب علموں کے سامنے کہا جا سکتا ہے اگرچہ آپ عرفی طور پر طالب علم نہیں ہیں مگر حقیقۃً تو طالب علم ہیں ورنہ جلسہ میں کیوں آتے علم کی طلب ہی تو آپ کو لے کر آئی ہے آپ بھی طالب علم ہیں اور میں بھی ایک طالب علم ہوں اور آپ سے کم رتبہ ہوں۔ تو کم از کم درس و تدریس سہی مگر کچھ تو سمجھ جائیں گے تھوڑی بہت بات۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ اتنی بات تو آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ جو میں نے کہی ہے کہ پانچ شعبے ہیں اور ان پانچ شعبوں کو پانچ طبقات نے اٹھایا ہے اور وہ طبقے سب کے نزدیک معظم و مکرم ہیں اسلئے امراء اسلام بھی ہماری ایک آنکھ اور فقہاء اسلام بھی ہماری ایک آنکھ ہیں اسی طرح عرفاء اسلام بھی ہماری ایک آنکھ ہیں اور خلفاء اسلام بھی ہماری ایک آنکھ ہیں تو آدمی اپنی کس آنکھ کو پھوڑ لے سب کو یکساں طور پر ہم کو اپنے سر پر رکھنا پڑے گا اسی بنا پر سب ہمارے نزدیک معظم و مکرم ہیں سب کے آگے گردن جھکانا ہمارا کام ہے اگر کوئی شخص محدث کے آگے گردن جھکا دے اور فقیہہ کے خلاف کرے وہ درحقیقت امتی ہونے کا ثبوت نہیں دے رہا ہے امت کا صحیح فرد وہ ہے کہ حکماء فقہاء صوفیاء۔ عرفاء۔ امراء۔ خلفاء سب کو واجب التعظیم سمجھ کر سب کے آگے گردن جھکا دے اسلئے کہ یہ پانچوں طبقے وہ ہیں جنہوں نے نبی کریم کی ایک ایک شان کو سنبھالا ہے آپ کی ایک شان عقیدے کی ہے ایک شان عبادت کی ہے ایک شان اخلاق کی ہے۔ ایک شان معاملات کی ہے۔ ایک شان خلافت و تنظیم ملت کی ہے یہ حضورؐ کی پانچ شانیں ہیں انھیں ٹکرانے کا یہ مطلب ہے کہ حضور کی شانوں میں تعارض پیدا کر رہے ہیں۔ لوگ ان میں باہم ٹکر دے رہے ہیں یہ سوائے جہل کے اور کیا ہو سکتا ہے شئون

بنوت میں ٹکراؤ پیدا کرنا علم والے کا کام نہیں ہے اور نہ علم والے کا کام یہ ہے کہ طبقات امت میں ٹکراؤ پیدا کرے حقیقت یہ کہ ہر ایک کے سامنے گردن جھکا دے اور ہر ایک کی تعظیم وتکریم ضروری سمجھے۔

ہر طبقے نے کتاب و سنّت سے نظم قائم کیا ہے

ایک دوسری بات اور سمجھ لیجئے وہ بھی طالب علمانہ ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر طبقے نے کتاب و سنّت سے نظم قائم کیا ہے یعنی اسلامی مسائل بے تکے نہیں ہیں ہر مسئلہ ایک لڑی کے اندر پرویا ہوا ہے اور مسائل کا ایک نظام ہے اور پورے مسائل منظم ہو کر ایسے ہیں جیسے موتیوں کا ایک ہار ہوتا ہے کہ اگر ایک موتی بیچ سے نکال دو تو ہار ناقص ہو جائے گا اور چونکہ ہر کڑی دوسری کڑی کے ساتھ جڑی ہوتی ہے لہٰذا ہر شعبہ نہایت منظم ہے

تنظیم بغیر امام کے نہیں ہوتی ہے

آپ جانتے ہیں کہ نظم و تنظیم بغیر امام کے نہیں ہوتی ہے مثلاً اگر تسبیح میں ایک ہزار دانے ہیں مگر امام نہ ہو جسے اُلفند کہتے ہیں وہ ایک لمبا دانہ ہوتا ہے تسبیح کے درمیان وہ اگر بیچ میں نہ ہو تو وہ تسبیح نہ ہوگی بلکہ مالا کہلائے گی۔ اگر تسبیح ہی بنانی ہے تو ایک گرہ بیچ میں ضرور ہونی چاہیئے جسے آپ امام کہیں گے اسی سے سارے دانے جڑے ہوتے ہوں گے وہ گرہ اگر آپ کھول دیں تو سارے دانے بکھر جائیں گے۔ جھاڑو میں ہزاروں سینکیں ہوتی ہیں ایک سینک کو آپ چٹکی سے مسل دیں تو وہ ٹوٹ جائے گی لیکن اگر بندھن باندھ کر جھاڑو بنائیں تو گھر کا کوڑا کباڑا آدھ گھنٹے میں صاف کر دیں گی۔ ایک سینک یہ کام نہیں کر سکتی ہے ساری سینکیں مل کر پھینکیں گی اور ملنے کی شرط یہ ہے کہ ان میں بندھن بندھے وہی بندھن ان کا امام ہے اگر ان میں بندھن نہ ہو تو وہ منتشر ہو جائیں گی بکھر جائیں گی کوڑا کباڑ تو کیا صاف کریں وہ خود کباڑ بن جائیں گی۔ لیکن اگر بندھن باندھ دیا اور ایک ڈورے کے تابع کر دیا ان کو تو سارے گھر کا کوڑا صاف ہو جائے گا اور وہ جھاڑو ایک جگہ رکھی ہوئی موزوں نظر آئے گی۔ گویا کہ صاف کرنے کا آلہ موجود ہے جو بڑے سلیقہ سے رکھا ہوا ہے بغیر امام و بندھن کے نظم قائم نہیں ہو سکتا ہے اسلام ایک اجتماعی مذہب ہے ہر چیز میں اس نے نظم قائم کیا ہے اور بندھن باندھا ہے مثلاً نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے تو اس کا

ایک نظم قائم کیا ہے کہ جماعت سے پڑھو اور جماعت کے اندر بھی پھر ترتیب قائم کی ہے کہ امام کیا کرے گا اور تم کیا کرو گے۔ امام کیا پڑھے گا اور تم کیا پڑھو گے۔ اس میں تمہیں آزادی نہیں بلکہ ایک نظم کے تحت نماز پوری کرنی ہوگی حدیث میں ہے اِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوْا آمِیْن۔ یہ حدیث کا آخری ٹکڑا ہے مطلب یہ ہے کہ جب امام اللّٰہُ اکبر کہے سب اللّٰہُ اکبر کہو جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو۔ وہ سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو۔ وہ قیام کرے تم سب قیام کرو اور جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو اور جب وہ سلام پھیرے تم بھی سلام پھیرو۔ تم کلیتہً امام کے تابع ہو ہر نقل و حرکت میں اگر تابع نہ ہوئے اور اطاعت نہ کی تو آپ جماعت سے الگ ہو جائیں گے۔ اگر آپ نے امام سے پہلے سلام پھیر دیا تو بس گئی آپ کی نماز۔ اگر آپ امام سے پہلے سجدے سے فارغ ہو گئے بس گئی آپ کی نماز۔ اس لئے کہ آپ امام سے منحرف ہو گئے جماعت کی نماز بن نہیں سکتی جب تک آپ اطاعت کامل نہ کریں لیکن انفرادی طور پر بھی اللہ نے اجازت دی ہے کہ پڑھ لیا کرو جتنی چاہے پڑھو۔ لیکن جماعت سنتِ مؤکدہ ہے۔ اور بعض ائمہ کے یہاں واجب قرار دی گئی ہے اور بعض کے یہاں فرض ہے کہ اگر نماز با جماعت ترک کر دی تو وہ اس کا مستحق ہے کہ اسکو قتل کر دو یا جیل میں ڈال دو۔ امام ابو حنیفہؒ کے یہاں یہ سہولت ہے کہ وہ جماعت کو سنتِ مؤکدہ کہتے ہیں جو قریب قریب واجب کے ہوتی ہے تو جماعت بن نہیں سکتی جب تک امام نہ ہو اور امام امام نہیں ہو سکتا ہے جب تک کہ سب مطیع نہ ہوں۔ امام بنا دیا اور مقتدی کھڑے ہو گئے لیکن کوئی تکبیر کہتا ہے تو کوئی تکبیر کے بجائے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتا ہے کسی نے سجدہ کیا تو کسی نے رکوع کیا کسی نے مغرب کی طرف منہ کیا کسی نے مشرق کی طرف منہ کیا تو امام ہوا نہ ہوا برابر ہے امام جب ہی بنتا ہے کہ جب سب مطیع ہوں۔

امیر و مامور کے فرائض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اِسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَلَوْ اُمِّرَ عَلَیْکُمْ عَبْدٌ حَبَشِیٌّ مُجَدَّعُ الْاَطْرَافِ سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر امیر مقرر کر دیا جائے کسی ایسے حبشی غلام کو جس کے ہاتھ پیر بھی کٹے ہوئے ہوں۔ کوئی صورت و جاہت کی نہ ہو اور قوم مل کر اُسے امیر بنا دے تو مامورین پر سمع و طاعت فرض ہے اس کے خلاف

مت کرو امت کا نظم جب ہی باقی رہ سکتا ہے۔ نماز فرض کی تو اس میں جماعت کا حکم دیا اور جماعت کے لئے امام بنانے کی لازمی ضرورت پڑے گی۔ سفر میں آپ جائیں تو شرعی حکم یہ ہے کہ اگر پانچ آدمی ہوں تو ایک کو امیر بنالو اپنی مالی قدرت اس کے پاس جمع کر دو۔ امیر کا فرض ہوگا کہ وہ آپ کو کھانا بھی کھلائے سفر کا انتظام بھی کرے۔ سواری کا بندوبست بھی کرے آپ مطمئن رہیں گے سب کا امیر اور امام انجام دے گا۔

ایک پُرلطف واقعہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف فرما ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے چند صحابہ کو ساتھ لے کر سفر کیا۔ حضرت صدیق اکبر رضؓ نے فرمایا کہ بھائی کسی کو امیر مقرر کر لو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ سے زیادہ افضل ہم میں کون ہے کہ جسے امیر بنادیں آپ افضل الصحابہ ہیں۔ فرمایا کہ میں اس قابل نہیں ہوں، کوئی اور بن جائے۔ عرض کیا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا ہے آخر کار سب نے مل کر حضرت صدیق اکبرؓ کو ہی امیر بنادیا۔ حضرت نے فرمایا کہ جب میں امیر بن گیا تو اطاعت کرو گے۔ عرض کیا کہ لازمی طور پر کریں گے۔ عہد و پیمان لیا کہ منحرف تو نہیں ہو گے عرض کیا کہ قطعاً نہیں۔ جب منزل پر پہونچے تو سب کے بستر کھول کر بچھانے شروع کئے۔ لوگوں نے کہا حضرت بچھائیں گے فرمایا کہ امیر کے کام میں دخل مت دو۔ امیر کی اطاعت واجب ہے۔ کسی کو بستر نہیں بچھانے دیا۔ کبھی جگہ صاف کر رہے ہیں۔ کبھی کپڑے بچھا رہے ہیں جہاں کوئی آیا کہ حضرت میں کروں گا یہ کام فرماتے کہ میں امیر ہوں امیر واجب الاطاعت ہوتا ہے۔ لوگ عاجز آگئے۔ کھانے پکانے کا وقت آتا تو جنگل سے لکڑیاں لا رہے ہیں کبھی بازار میں گوشت خریدنے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا حضرت! ہم یہ کام کریں گے۔ فرمایا کہ امیر کے کام میں دخل مت دو۔ لوگ عاجز آگئے کہ ہم کس مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔ کہ ہمارے امام، مقتدا، بڑے اور ساری خدمات انجام دے رہے ہیں ہمارے جوتے بھی سیدھے کر رہے ہیں۔ بستر بھی بچھا رہے ہیں کھانا بھی پکا رہے ہیں اور کوئی بول بھی نہیں سکتا ہے اور جہاں کوئی بولا تو انہوں نے کہا کہ میں امیر ہوں واجب الاطاعت ہوں اسلئے لوگ عاجز آگئے۔ اس سفر میں ایک لطیفہ بھی پیش آیا وہ بھی سنادوں گو مضمون سے متعلق نہیں مگر اس واقعہ کا جز ہے کہ ایک روز صدیق اکبرؓ نے کھانا وغیرہ پکا دیا مگر کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دیا کسی کام سے باہر تشریف لے گئے ایک صحابی کو بھوک

بے تحاشا لگی۔ انہوں نے کھانے کے نگراں سے کہا کہ بھائی کم از کم مجھے ایک روٹی دے دو مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے مجھ سے تو اٹھا بھی نہیں جاتا۔ نگراں نے کہا جب تک امیر نہیں آئیں گے اور انکی اجازت نہیں ہوگی تو میں کھانا نہیں دوں گا۔ انہوں نے بہت منّت وسماجت کی کہ بھائی مجھے ضعف طاری ہو رہا ہے۔ بھوک ستا رہی ہے ایک آدھی روٹی دے دو کچھ سہارا ہوگا۔ انہوں نے پھر انکار کیا اور ان کو روٹی نہیں دی۔ تو صحابہ جیسے مقدس ہیں ویسے ہی طبائع کے اندر خوش طبعی بھی ہے۔ فرمایا کہ اچھا میں تجھے سمجھوں گا نہ دے تو روٹی۔ اسی حال میں بھوکے بیٹھے رہے کچھ دیر کے بعد وہ جنگل کی طرف اُٹھ کر چلے اچانک دیکھا کہ ایک دیہاتی اونٹ پر بیٹھا ہوا آرہا ہے وہ گاؤں کا مکھیا تھا۔ لباس سے ہی معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی گاؤں کا بڑا آدمی ہے اور اچھی خاصی بڑی عمدہ اونٹنی پر سوار ہو کر آرہا ہے ان صحابی نے کہا چودھر صاحب کہاں جارہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ مجھے ایک غلام خریدنا ہے۔ کھیتی باڑی کے کام کے لئے انہوں نے کہا کہ میرے پاس غلام موجود ہے اور پانچ سو درہم میں بیچ سکتا ہوں۔ چودھری صاحب نے کہا کہ پانچ سو درہم کوئی بڑی بات نہیں ہے اگر غلام اچھا ہے انہوں نے کہا کہ بہت سمجھدار ہے۔

معاملہ طے ہوگیا اور پانچ سو درہم لے کر ان کی طرف اشارہ کیا جنہوں نے روٹی نہیں دی تھی کہ وہ بیٹھا ہوا ہے اس کو جا کر پکڑ لو اور یہ بھی کہہ دیا کہ دیکھو اس کے دماغ میں تھوڑی سی ٹُننک ہے جب کوئی پکڑنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں غلام کب ہوں بلکہ میں تو آزاد ہوں اس کا خیال نہ کیجیو۔ انہوں نے کہا کہ میں سمجھ گیا بعضوں کے دماغ میں ہوا کرتی ہے میاں ایسے ہی انہوں نے کہا کہ چلاتے گا بھی کہ میں غلام کب ہوں؟ میں تو حُر ہوں۔ آزاد ہوں اس کا بھی خیال نہ کیجیو۔ یہ اسکی عادت ہے انہوں نے کہا کہ میں سمجھ گیا ہوں چودھری صاحب نے جا کر اس کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ چل میرے ساتھ اس نے کہا کہ کہاں چلوں چودھری صاحب نے کہا کہ میرے گھر۔ اس نے کہا کہ کیوں۔ کہنے لگے کہ میں نے تجھے خریدا ہے۔ اس نے کہا کہ واللہ میں غلام نہیں ہوں میں تو آزاد ہوں۔ اس نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ تیری عادت یہی ہے۔ اب یہ چلا رہا ہے کہ آزاد ہوں۔ حر ہوں مگر چودھری صاحب نے ایک نہ سُنی۔ چودھری صاحب چونکہ طاقتور تھے اس کو زبردستی اٹھا کر اونٹ پر سوار کیا اور لے جانا شروع کیا اور اس نے ہائے واے

شروع کی کہ مجھے غلام بنا دیا ہے، تو آزاد ہوں اس نے کہا کہ میں تیری ساری داستان سن چکا ہوں تیری عادت ہی یہ ہے۔ ادھر سے صدیق اکبرؓ چلے آ رہے تھے دیکھ کر یہ چلاتے کہ امیرالمومنین میرا تو ناطقہ بند کر دیا ہے اور مجھے غلام بنا دیا ہے اور یہ چودھری مجھے لئے جا رہا ہے صدیق اکبر کا سبھی لوگ احترام کرتے تھے چودھری اتر ا سواری سے اور سلام عرض کیا حضرت نے فرمایا کہ بھائی یہ تو میرا ساتھی ہے اسے تو کہاں لئے جا رہا ہے کہنے لگا حضرت جی میں نے اسے پانچ سو درہم میں خریدا ہے یہ غلام ہے فرمایا کہ یہ غلام نہیں ہے یہ تو آزاد ہے یہ کس نے بیچا ہے۔ اشارہ کیا کہ فلاں صاحب نے بیچا ہے میں نے رقم بھی ان کو ہی دی ہے انہوں نے کہا کہ غلام موجود ہے لے جاؤ۔ حضرت صدیقؓ سمجھ گئے کہ کسی نے مذاق کیا ہے ان کے ساتھ۔ جب واپس آتے تو جنہیں روٹی نہیں ملی تھی انہوں نے آنکھ سے اشارہ کر کے کہا کہ اب کہو کیا حال ہے تو نے مجھے روٹی سے عاجز رکھا تھا اب بتا۔ صدیق اکبرؓ پہنچے تو فرمایا کہ کیا واقعہ ہے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے بہت بھوک لگ رہی تھی میں نے اسکی بہت منت کی سماجت کی کہ بھائی آدھی ہی روٹی دے دو کچھ سہارا ہو جائے گا اس نے کہا کہ جب تک امیر نہیں آئیں گے میں نہیں دوں گا تو میں نے بھی ایک مذاق کیا کہ اس کو پانچ سو درہم میں بیچ دیا تو حضرت صدیق اکبرؓ بہت ہنسے وہ پانچ سو درہم واپس کئے گئے جب اسکی گلو خلاصی ہوئی یہ واقعہ حضورؐ کے سامنے سنایا گیا تو آپ مسکراتے اور منہ پر رومال رکھ لیا جب بھی اس واقعہ کا ذکر آتا تو حضورؐ مسکراتے اور منہ پر رومال رکھ لیتے۔ گویا یہ عجیب لطیفہ بن گیا۔

ہر جماعت کا ایک امام مقرر ہے

یہ واقعہ اس پر یاد آیا تھا کہ نماز کے اندر بھی جماعت رکھی ہے اور اس جماعت کا ایک امام مقرر کیا ہے اور وہ بھی مطاع جسکی اطاعت کی جائے سفر پیش آئے تو اس میں ایک کو امام بنا لیا جائے تاکہ سفر منظم ہو گھر میں اگر ہو تو ایک کو بڑا سمجھ لو اور اس کے احکام کی تعمیل کرو گھر میں نظام پیدا ہوگا۔ حج رکھا تو اس میں امام الحج مقرر کیا کہ اس کے احکام کی اطاعت کی جائے زکوٰۃ رکھی تو بیت المال میں ایک کو امام مقرر کیا کہ وہ ہر چیز کی زکوٰۃ وصول کیا کرے تو ہر چیز میں ایک جماعتی اور اجتماعی نظم قائم کیا اور اس کا ایک ایک امیر مقرر کیا اور اسکی سمع و طاعت واجب قرار دی کہ اسکی اطاعت کرو

ہر فن کا ایک امام مقرر رہے

عقیدہ میں مرکز حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات ہے اس میں امام مقرر کئے گئے۔ چنانچہ عقائد میں دو دو بڑے امام ہیں ایک امام ابومنصور ماتریدی ہیں اور ایک امام ابوالحسن اشعری ہیں یہ دو امام ایسے سمجھے جاتے ہیں کہ جن کی رائے فن عقائد میں فن کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی لئے بعض لوگ اشعری ہیں اور بعض لوگ اپنی نسبت دوسرے امام کی طرف کر کے اپنے آپ کو ماتریدی کہتے ہیں۔ ان میں آپس میں کچھ تھوڑے بہت اختلافات بھی ہیں مگر وہ اختلافات لفظی کے قریب قریب ہیں عقائد سب کے ایک ہیں کہ جب اس فن کا کوئی بڑا مسئلہ پیش آوے تو رجوع کر دا سکی طرف کہ امام ابو الحسن نے یہ کہا ہے۔ فقہ کا مسئلہ ہو تو اسمیں ایک امام مقرر کر دامام شافعیؒ ہوں۔ امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ ہوں جب کوئی مسئلہ اختلافیہ آئے تو کسی ایک کی اطاعت کر لو۔ تاکہ تمہارے اندر نزاع نہ پیدا ہو اسلئے کہ مسئلہ میں نزاع نہیں۔ مسئلہ میں اگر اختلاف ہو تو اختلاف حجت کا ہوتا ہے اور نزاع وجدال جو ہوتا ہے وہ نفسانی جذبے کے تحت ہوتا ہے اور وہ بُرا ہے اور حجت سے جو اختلاف ہوتا ہے وہ بُرا نہیں ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ہر اختلاف بُرا نہیں ہے۔

نہ ہر اتفاق اچھا ہے اور نہ اختلاف بُرا

مثلاً چور اور ڈاکو اتفاق کر لیں تو یہ اتفاق اچھا نہیں ہے۔ بُرائی میں اگر لوگ متحد ہو جائیں تو وہ اتحاد بھی بُرا ہوگا اور اگر بھلائی کے اوپر لوگ جمع ہو جائیں تو وہ اتحاد اچھا ہوگا۔ اب اختلاف کو لے لو اگر اختلاف حجت سے ہو اور اللہ و رسول کا حوالہ دیانت سے ہو تو وہ ایک پہلو ہوگا دین کا وہ اختلاف تو ہوگا مگر جھگڑا نہ ہوگا کیونکہ حجت اس میں موجود ہے یہ جھگڑے اصل میں ہم اپنے جذبات سے کرتے ہیں اور مسئلوں کو آڑ بنا لیتے ہیں مسئلے کی خاصیت لڑنا نہیں ہے اگر مسئلوں کی خاصیت لڑنا ہوتا تو پہلے تو صحابہ میں لاٹھی چلتی کہ کوئی رفع یدین کر رہا ہے کوئی نہیں کر رہا ہے کوئی آمین بالجہر کر رہا ہے کوئی آمین بالسر کر رہا ہے۔ کوئی فاتحہ کو امام کے پیچھے واجب قرار دیتا ہے اور کوئی ناجائز قرار دے رہا ہے تو سب سے پہلے تو صحابہ میں لاٹھی چلتی اگر مسئلہ کی خاصیت لڑنا ہوتا مگر سب اپنے اپنے مسلک پر عمل کر رہے ہیں اور ایک دوسرے کی عظمت بھی قلب میں لئے ہوئے ہیں پھر اس کے بعد ائمہ مجتہدین میں ڈنڈا چلتا۔ جن میں اختلاف اور

خوب لڑائی ہوتی مگر سارے ائمہ باہم متحد ہیں اس لئے کہ وہ اختلافات فرعی ہیں اور بنیادیں سب کی ایک ہیں اس لئے قلوب میں سب ایک دوسرے کی عظمت لئے ہوئے ہیں

امام شافعیؒ کا واقعہ ستی کہ امام شافعیؒ جب بغداد میں امام ابوحنیفہ کے مزار پر حاضر ہوئے تو فاتحہ پڑھی اور ایصال ثواب کیا وہیں مسجد تھی جب نماز کا وقت آیا تو نماز پڑھی اور اپنا مسلک ترک کر کے امام اعظمؒ کے مسلک کے مطابق نماز پڑھی اور امام شافعیؒ کا مسلک جو کہ مستحب کے درجہ میں تھا یعنی رفع یدین۔ نہیں کیا اور آمین زور سے نہیں کہی۔ پوچھنے پر امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مجھے صاحب مزارہ سے حیا آتی ہے کہ میں ان کے قریب ہوکر ان کے مسلک کے خلاف عمل کروں جس جس مسئلہ میں گنجائش تھی اس میں فقہ حنفی کے مطابق نماز پڑھی اور جہاں جہاں جائز و ناجائز کا اختلاف تھا اس میں وہ معذور تھے۔ چونکہ انکی عظمت قلب میں موجود تھی اسلئے ایسا کیا تو معلوم ہوا کہ مسئلہ کی خاصیت لڑائی نہیں بلکہ اپنے نفسانی جذبات سے لڑتے ہیں اور مسائل کو آڑ بنا رکھا ہے۔

آمین بالجہر پر دلچسپ و نادر واقعہ ہمارا بچپن کا زمانہ تھا ہمارے یہاں سہارنپور میں مارچ نام کا ایک کلکٹر تھا۔ تھائی لینڈ کا رہنے والا۔ نسلاً یورپین تھا مگر مذاق و ذوق اس کا ایشیائیت کا تھا کیونکہ اسکی پیدائش ہندوستان کی تھی۔ اس کے زمانے میں ایک جھگڑا پیش آیا کہ ایک حنفی کہیں اہل حدیث کی مسجد میں چلا گیا انہوں نے زور سے آمین کہی اس نے آہستہ سے کہی وہاں سب جُہلاء جمع تھے انہوں نے اسکی مار پٹائی کی کہ اس نے زور سے آمین نہیں کہی پٹتے پٹتے وہ چلایا کہ حنفیو! دوڑو دوڑو تمام حنفی جمع ہو گئے انہوں نے اہل حدیث پر حملہ کر دیا۔ اب اہل حدیث چلاتے کہ اے اہل حدیث دوڑو ادھر سے اہل حدیث آ گئے۔ غرض لاٹھی چلی کتنوں کے ہی سر پھٹے۔ بلوہ عام ہو گیا۔ فریقین سے رپٹ درج کرائی مارچ کا زمانہ تھا اس کے یہاں مقدمہ پیش ہوا فریقین کے وکلاء نے بحث کی آمین کے مسئلے میں اب اسکی سمجھ میں ہی نہ آوے اس نے کہا کہ بھائی کیا آمین کسی جائداد کا نام ہے یا کوئی جاگیر ہے یا کوئی بلڈنگ ہے آخر تم کس چیز پر لڑ رہے ہو انہوں نے کہا صاحب

مسئلہ ہے۔ اس نے کہا کہ مسئلے پر کیوں لڑتے ہو۔ آخر یہ لڑائی کی کیا وجہ ہے انہوں نے کہا کہ صاحب ایک حدیث میں آیا ہے کہ آمین زور سے کہو اور ایک حدیث میں آیا ہے کہ آہستہ سے پڑھو اس نے کہا کہ بھائی جسے زور سے پڑھنے کی حدیث پہنچی ہے وہ زور سے پڑھے اور جسے آہستہ پڑھنے کی حدیث پہنچی ہے وہ آہستہ سے پڑھے۔ آپس میں لڑتے کیوں ہو اپنی حجت پر عمل کرو۔ اسکی سمجھ میں بات نہ آئی کہ آمین پر لڑائی کیسے ہوسکتی ہے۔ بات بھی ایسی ہی سمجھ میں نہ آنے کی تھی۔ اسلئے تحقیق کر کے فیصلہ لکھا اور فیصلہ بڑا دانشمندانہ لکھا۔ اس نے لکھا کہ میں روداد مصر کو دیکھ کر اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ مسلمانوں کے یہاں آمین کی تین قسمیں ہیں (۱) آمین بالجہر یعنی زور سے آمین پڑھنا (۲) آمین بالسر یعنی آمین آہستہ سے پڑھنا (۳) آمین بالشر یعنی جھگڑا اٹھانے کے لئے آمین پڑھنا۔ یہ جتنا جھگڑا ہے۔ نہ آمین بالجہر کا ہے اور نہ آمین بالسر کا کیونکہ دونوں کے بارے میں پیغمبر سے حدیث وارد ہے اور یہ جھگڑے کی چیز نہیں۔ یہ سارا جھگڑا آمین بالشر کا ہے لہذا یہ دونوں فریق مفسد ہیں۔ میں دونوں کو سزا کرتا ہوں۔

مسلمان نفسانی لڑائی کے لئے مسائل کو آڑ بنا لیتے ہیں

مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ آپس میں نفسانی کے جذبے کے تحت لڑتے ہیں اور مسائل کو آڑ بنا لیتے ہیں مسئلے کی خاصیت لڑائی نہیں ہے آپ کے ہاتھ میں کتاب و سنت کی حجت ہے اسپر عمل کریں لڑائی کے کیا معنی اور نفرت کے کیا معنے۔ آپسمیں مل کر رہو اگر کوئی نہیں مانتا ہے تو جبر تھوڑا ہی ہے ان کے پاس بھی حجت ہے وہ اسپر عمل کر رہا ہے یہ کہنے کا کیا حق ہے کہ وہ فاسق ہے۔ کافر ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے۔ لہذا میری بات مانو۔ دوسرا باطل محض ہے اسں لئے وہ حق پر نہیں ہے یہ کہنا غلط بات ہے۔ یہ مسائل صرف آڑ ہیں ورنہ حقیقی لڑائی تو نفسانی جذبات کی وجہ سے پیش آتی ہے لڑ لڑ کر مسلمانوں نے حکومتیں برباد کردیں۔ اپنی جائدیں تباہ کردیں اپنی بلڈنگیں برباد کردیں جب یہ دنیا چلی گئی تو رہ گیا دین اور لڑنا ضروری تھا اسلئے ہٹ نہیں سکتے تھے کہا کہ اب دین کو آڑ بناؤ۔ اب جائدادیں نہیں تو مسئلوں پر لڑو۔ فروعات پر لڑو یہ صرف نفسانی جھگڑے اگر حجت ہاتھ میں ہے تو اس میں جھگڑا ہی نہیں امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ چونکہ حدیث میں آیا ہے اسں

لئے زور سے آمین کہتا ہوں۔ امام ابو حنیفہ کہیں گے کہ آپ معذور ہیں کیونکہ آپ کے پاس حجت
ہے۔ میرے پاس حدیث ہے میں آہستہ سے آمین کہتا ہوں چونکہ میرے پاس حجت ہے۔
امام شافعی کہیں گے کہ آپ بھی معذور ہیں چونکہ آپ کے پاس بھی حجت ہے آپ بھی حق پر
عمل کر رہے ہیں میں بھی حق پر عمل کر رہا ہوں۔ معاملہ ختم ہوا نہ دوستی گئی نہ نفرت پیدا ہوئی۔ نہ جھگڑا
پیدا ہوا اسلئے کہ حجت ہے جہاں اختلاف بلا حجت ہوتا ہے تعصب سے عناد سے پارٹی بندی سے
وہاں اصل میں لڑائیاں نفسانی جذبے کے تحت ہوتی ہیں وہ مسئلے کی لڑائی نہیں ہوتی۔ وہ تو
مسئلہ کو آڑ بنا کر اپنا اندرونی بخار نکالنا مقصود ہوتا ہے۔

علاج جسمانی ایک ڈاکٹر کرتا ہے ایسے ہی علاج روحانی میں ایک کو امام بناؤ

میں عرض کر رہا تھا
کہ فقہ کے مسئلے میں بہرحال کسی کو امام بنانا پڑے گا جہاں اختلافی مسئلہ آوے کسی امام کی طرف
رجوع کرے اور یہ فطری چیز ہے مثلاً آپ علاج کرائیں اور چار طبیبوں کی چار رائیں ہو جائیں ایک
کہے کہ میں گرم دوائیں دوں گا ایک کہے کہ میں ٹھنڈی دوائیں دوں گا ایک کہے کہ میں خشک
دوائیں دوں گا ایک کہے کہ میں تر دوائیں دوں گا کیا کبھی آپ نے یہ کیا ہے کہ چونکہ طبیب آپس
میں لڑ رہے ہیں لہذا مجھے انتقال کر کے قبر میں چلا جانا چاہیئے۔ میں علاج نہیں کراؤں گا چونکہ
جان عزیز ہے اس لئے ان اطباء میں سے آپ انتخاب کرتے ہیں کہ کسی ایک کی طرف رجوع
کریں خواہ انتخاب کی کوئی بھی وجہ ہو خواہ یہ وجہ ہو کہ یہ جامعہ طبیہ کا پڑھا ہوا ہے جو بہت بڑا طبی ادارہ
ہے لہذا یہ طبیب حاذق ہوگا اس لئے اس کا علاج کراؤں گا۔ یا اس وجہ سے کہ اس کے مطب
سے شفا پانے والے بہت ملتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نسخے تیر بہدف ہیں لہذا اس کا
علاج کراؤں گا یا یہ وجہ ہو کہ یہ طبیب خاندانی طور پر طبیب ہے اس کے یہاں جدی طب چلی
آرہی ہے لہذا طب سے جو مناسبت اُسے ہے وہ دوسروں کو نہیں ہے اس بنا پر میں اس
کا علاج کراؤں کوئی بھی وجہ ہو مگر انتخاب کریں گے اس لئے جان عزیز ہے۔ محض اس بنا پر
کہ اطباء میں اختلاف رائے ہے آپ موت کو ترجیح نہیں دیتے زندگی پر۔ کہتے ہیں کہ زندگی رہنی
چاہیئے اور علاج ہونا چاہیئے ان اطباء میں سے کسی کو منتخب کر لو۔ اگر علماء میں اختلاف رائے ہو

اور آپ یہ کہیں کہ علماء تو لڑ رہے ہیں لہٰذا ہم دین اسلام کو چھوڑ دیتے ہیں اور ابدی موت کو ترجیح دیتے ہیں اور موت کو قبول کرتے ہیں یہ آج تک کسی نے کیا ہے؟ انتخاب کرنا پڑے گا جس کی طرف آپ جائیں یہ دیکھیں کہ اس کا علم مستند ہے۔ اس کے مشائخ سند صحیح کے ساتھ نبی کریم تک پہونچے ہوئے ہیں۔ اور جو احکام یہ بیان کرتے ہیں ان کی سند کا سلسلہ پیغمبر تک پہنچا ہوا ہے لہٰذا ہم ان کے مسائل پر عمل کریں گے۔ دوسروں کے مسئلے پر عمل نہیں کریں گے۔ کوئی بھی وجہ ہو مگر انتخاب کرنا پڑے گا۔ اطباء میں اگر اختلاف رائے ہو تو ان میں سے انتخاب کرتے ہیں اور اگر علماء میں اختلاف ہو تو دین سے بدظن ہو جاتے ہیں کہ صاحب کس کی مانیں مولوی تو آپس میں لڑ رہے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جان زیادہ عزیز ہے ایمان عزیز نہیں ہے۔ وہاں چونکہ جان عزیز ہے اس لئے ڈاکٹروں میں کتنا ہی شدید اختلافات ہو کسی کا انتخاب ضرور کریں گے۔ یہاں اگر ایمان عزیز ہوتا تو کتنا ہی اختلاف ہوتا علماء میں کسی نہ کسی کا ضرور انتخاب کرتے اور اسکی پیروی کرتے۔ چونکہ ایسا نہیں ہے معلوم ہو کہ جان تو عزیز ہے مگر ایمان عزیز نہیں ہے بہر حال اپنا امام ضرور بنانا پڑے گا اور اشخاص میں سے انتخاب ضرور کرنا پڑے گا اور ایک کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ طب کے اندر ہو تو رجوع کرنا پڑے گا کسی طبیب کی طرف۔ ایک دم چار کا علاج جاری کریں تو آپ کا مزاج فاسد ہو کر رہ جائے گا اور جلد ہی آپ قبر میں تشریف لے جاویں گے اسلئے کہ ایک طبیب صبح کو ٹھنڈی دوا دے گا تو دوسرا شام کو گرم دوا دے گا تیسرا تر دوا دے گا چوتھا طبیب خشک دوا سے علاج کرے گا تو مریض تختہ مشق بن جائے گا اور وہ قبر میں جانے کی تیاری شروع کر دے گا اس لئے ایک ہی کا علاج کریں۔

ایک شیخ کی اتباع ضروری ہے

طریقت میں آپ نے بیعت کی تو وہاں بھی توحید مطلب ہے کہ جس شیخ کے ہاتھ پر بیعت کریں یہ سمجھیں کہ میری دنیا و آخرت کی خوبی اسی شیخ میں ہے دوسرے کی طرف رجوع بالکل مت کرو۔ ہاں عظمت سب کی کرو۔ احترام سب کا کرو۔ مگر قلب کا علاج ایک ہی سے کراؤ۔ صوفیاء کی اصطلاح میں اس کا نام توحید ہے مطلب یہ ہے کہ وحدت ہونی چاہیئے اس شخص کے لئے جس کو

آپ نے شیخ بنالیا ہے یہ شیخ دو یا تین نہیں ہوں گے۔ بلکہ ایک ہی ہوگا اور ایک ہی کے طریق پہ چلنا پڑے گا۔ ہاں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ شیخ واقعی اہل سنت میں سے نہیں ہے بلکہ مبتدع ہے تو ترک کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد پھر حضرات صوفیا۔ لکھتے ہیں کہ ترک کر کے دوسرے کے ہاتھ پر بیعت کرو مگر اس پہلے کی شان میں بے ادبی مت کرو۔ چاہے وہ اپنی ذات میں کیسا ہی ہو۔ گستاخی مت کرو۔ ادب سے پیش آؤ۔ تو طریقت کے اندر توحید مطلب ہے اور طب کے اندر توحید مطلب ہے تو آخر علم کے اندر توحید مقصد کیوں نہیں ہونا چاہئے اور کسی ایک امام کو کیوں مقرر نہیں کرتے کہ آپ اس کے فقہ پر عمل کریں۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو آپ ڈانواں ڈول رہیں گے۔ کبھی ادھر کبھی اُدھر اور یہ نفس کی اتباع ہوگی کسی امام کا اتباع بالکل نہ ہوگا اور شریعت میں نفس کا اتباع مطلوب نہیں۔

نظم کا مقصد امت کا متحد ہونا ہے

تو شریعت نے ہر معاملے میں نظم قائم کیا عقائد میں الگ نظم ہے اور فقہ کے مسائل میں الگ نظم ہے مقصد یہ ہے کہ امت جڑ جائے چاہے اختلاف رائے بھی ہو مگر باہم متفق و متحد ہو جائیں۔

صوفیاء کے مختلف طریقے

اسی طرح سے جب آپ حضرات صوفیاء کے پاس جائیں گے اور اپنے اخلاق کی تربیت کرائیں گے تو ان کے بھی مختلف طُرق پائیں گے۔ چشتیہ کا اور طریق تربیت ہے۔ نقشبندیہ کا اور طریق تربیت ہے۔ سہروردیہ کا اور طریق تربیت ہے۔ قادریہ کے وظائف اور ہیں مگر یہ سب حضرات اہل اللہ اور سب حضرات اہل حق ہیں۔ لیکن چاروں میں آپ ایک دم بیعت کر کے چاروں سے علاج کرائیں تو دین فاسد ہو کر رہ جائے گا اس لئے کہ متضاد چیزوں پر عمل کیسے کریں گے لہٰذا ایک ہی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ ہاں عظمت و احترام سب کا کرنا پڑے گا اور خادم سب کا بننا پڑے گا مگر علاج ایک سے کرائیں۔ تو تصوف کے اندر بھی توحید مطلب ہے جیسے طب کے اندر توحید مطلب ہے۔ اور فقہ کے اندر توحید مقصد ہے۔

معاملات میں امیر

اسی طرح سے جب معاملات پیش آویں تو کسی نہ کسی کو امیر تو بنانا

پڑے گا ہی. مثلاً کوئی جھگڑا ہوا اب راستہ چلتے ہوئے پوچھ رہے ہیں کہ بھائی کیسے فیصلہ کروں۔ ایک نے کہا کہ یوں کرو. دوسرے نے کہا کہ یوں کرو. تیسرے نے کہا کہ یوں کرو اگر تینوں کی رائے پر عمل کیا تو وہ جھگڑا تو یوں ہی رہ جائے گا اور ساتھ ہی ساتھ گھر بھی فاسد ہو جائے گا لیکن اگر کسی ایک متدین شخص کو اپنا امیر بنا لیا کہ بھائی ہم تم سے فیصلہ چاہتے ہیں. جو تم فیصلہ کر دو گے ہمیں منظور ہے۔ اگر صحیح کرو گے تب عمل کریں گے اور اگر کوئی فکری غلطی بھی واقع ہو گئی تب بھی عمل کریں گے مگر کرائیں گے فیصلہ آپ سے ہی تو ایک قسم کا اطمینان و سکون ہو جائے گا۔ اسی واسطے فقہاء لکھتے ہیں کہ قضاء قاضی ظاہراً و باطناً نافذ ہو جائے گی۔ قاضی جب حکم کر دے کہ یہ ہے مسئلہ تو وہ ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی نافذ ہو جاتا ہے یعنی اس کے خلاف پھر کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر بعد میں یہ بھی ثابت ہو کہ رائے کی غلطی تھی تو یہ بات نہیں کہ فیصلہ لوٹے گا ایسا نہیں بلکہ جو فیصلہ ہو چکا وہ نافذ ہو کر رہے گا چونکہ وہ فیصلہ من جانب اللہ ہے اس کے بغیر سکون و اطمینان قلبی اور یکسوئی نہیں ہو سکتی اس بنا پر قاضی کی قضا ظاہراً و باطناً نافذ ہو جاتی ہے اور اس کو ماننا لازم ہو جاتا ہے۔ تو امراء اسلام اس لئے مقرر کئے گئے تا کہ وہ جھگڑوں کے فیصلے کر سکیں۔

امارت کا حق کس کو ہے اگر خلیفۃ المسلمین اور بادشاہ اسلام موجود ہے تو اصل امیر وہ ہے پھر جن کو وہ امیر مقرر کریں وہ امیر بن جائیں گے۔

اگر اسلام کی حکومت نہیں ہے تو فقہاء لکھتے ہیں کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ سب مل کر اپنا ایک امیر مقرر کر لیں اگر سارے ملک کے مسلمان ایک امیر پر جمع نہ ہوں تو خطوں کے امیر بنا لیے جاویں۔ ہر صوبہ کا الگ امیر ہو اور تمام مامورین پر اپنے اپنے امام کی اطاعت کرنا واجب ہے اسی کو قرآن کریم نے فرمایا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ یہاں پر تین اطاعتیں واجب اور فرض قرار دیں۔ اللہ کی اطاعت۔ رسول کی اطاعت۔ اور اولی الامر یعنی امیر کی اطاعت۔

اللہ کی اطاعت ذاتی اور رسول و امیر کی اطاعت وصفی ہے۔ قرآن تو قرآن ہی ہے وہ تو

سرچشمہ ہے بلاغت وفصاحت کا اور معجزہ ہے اس نے جہاں اللہ کی اطاعت فرض کی وہاں تو اللہ کا نام ذکر کیا کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ یعنی اللہ کی اطاعت کرو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ بذاتہٖ واجب الاطاعت ہیں کسی وصف کی وجہ سے ان کی اطاعت واجب نہیں ہے کہ جب اللہ کا نام آئے تو گردن جھک جانی چاہیے اَطِیْعُوا اللّٰہَ علم ذات کا ذکر کیا ہے اس لئے کہ وہ بالذات واجب الاطاعت ہیں۔ ہم اور آپ کسی وصف سے واجب الاطاعت بنتے ہیں۔ آپ میں اگر علم آگیا تو علم کی وجہ سے آپ کی اطاعت ہوگی۔ آپ کی اطاعت نہ ہوگی۔ مثلاً کوئی جاہل ہے اسکی کوئی بھی اطاعت نہیں کرتا۔ ہاں علم کا وصف اگر آجائے تو اطاعت کرنے لگیں گے اگر کوئی باپ ہے تو باپ ہونے کی وجہ سے اسکی اطاعت شروع ہو جاتی ہے۔ کوئی استاد ہے تو استاد ہونے کی حیثیت سے اسکی اطاعت ہونے لگے گی کوئی شیخ ہے تو شیخ ہونے کی وجہ سے اس کی اطاعت ہوگی تو انسان بذاتہٖ واجب الاطاعت نہیں بلکہ بالاوصاف واجب الاطاعت ہے جب کوئی وصف کمال پیدا ہوگا اس کی وجہ سے اسکی اطاعت ہوگی لیکن حق تعالیٰ شانہٗ بذاتہٖ واجب الاطاعت ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ اپنی صفات کمال کی وجہ سے واجب الاطاعت ہیں۔ صفات تو ذات کے تابع ہوا کرتی ہے کیونکہ وہ ذات کا پرتو ہیں۔ اصل سرچشمہ کمالات کا ذات ہے اور صفات اس لئے مقبول ہوئیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں مگر اصل ان سب کی ذات ہی ہے۔ اور جب آگے کی اطاعت بتلائی گئی تو یوں نہیں فرمایا گیا کہ اَطِیْعُوا عِیْسٰی یا اَطِیْعُوا مُوْسٰی یا اَطِیْعُوا مُحَمَّدًا بلکہ فرمایا اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ یعنی رسول وصف رسالت کی وجہ سے واجب الاطاعت ہیں اسی وجہ سے اگر وہ کوئی ذاتی مشورہ دیں تو واجب الاطاعت نہیں ہوں گے۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ اپنی محبت کی وجہ سے ان کی منشاء کی بھی اطاعت کریں لیکن قانون شریعت یہ ہے کہ اگر رسول کوئی ذاتی رائے دیں تو واجب الاطاعت نہیں البتہ جب یہ فرمائیں کہ میں حکم خداوندی پہنچا رہا ہوں تو وہ واجب الاطاعت ہے جب رسالت پہنچائیں گے تو اطاعت کرنا فرض ہے اور جب یوں فرمائیں کہ میرا ذاتی مشورہ ہے تو آپ مختار ہیں قبول بھی کر سکتے ہیں اور معذرت بھی کر سکتے ہیں۔ ادباً چاہیے آپ عمل کر لیں مگر آپ کے ذمے واجب نہیں ہے

واقعہ حضرت بریرہ رضؓ

جیسے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ ہوا یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی باندی تھیں اور ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیثؓ سے کر دیا تھا۔ حضرت بریرہؓ حسین وجمیل اور بہت خوبصورت تھیں اور حضرت مغیثؓ کالے کلوٹے اور بدصورت تھے اس لئے آپس میں بنتی نہ تھی رات دن آپس میں کھٹ پٹ رہتی تھی اور رات دن لڑائی ہوتی رہتی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے مگر بہر حال قصہ چل رہا تھا حضرت عائشہؓ نے ان کو آزاد کر دیا اب وہ باندی نہیں رہیں اور مسئلہ شرعی یہ ہے کہ منکوحہ باندی جب آزاد ہوتی ہے تو نکاح اس کے قبضے میں آجاتا ہے چاہے تو باقی رکھے چاہے تو فسخ کر دے۔ اب جب کہ آزاد ہو گئیں تو انہوں نے ارادہ کیا کہ میں نکاح کو باقی نہیں رکھوں گی بلکہ فسخ کر دوں گی کیونکہ حضرت مغیثؓ سے ان کی موافقت نہیں ہوتی تھی۔ پکا ارادہ کر لیا کہ اب میں ان کے نکاح میں نہیں رہوں گی اور حضرت مغیث ان پر سو جان سے عاشق تھے جب انہیں معلوم ہوا تو پریشان ہو گئے۔ کبھی صدیق اکبرؓ سے سفارش کراتے ہیں۔ کبھی حضرت عمر فاروقؓ کے پاس جاتے ہیں کہ آپ ان کو سمجھا دیں کہ وہ نکاح باقی رکھیں۔ انہوں نے سب کو جواب دے دیا کہ نہیں میں نکاح باقی نہیں رکھتی ہوں۔ آخر میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ آپ نے ہی یہ نکاح باندھا تھا اب بریرہ رضؓ اس نکاح کو توڑ رہی ہیں آپ ان سے فرما دیں کہ اس نکاح کو باقی رکھو۔ اور حضرت مغیثؓ بے حد پریشان حال ہیں مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہ وقت دیکھنے کے قابل تھا کہ حضرت مغیثؓ مدینے کی گلیوں میں روتے ہوئے پھر رہے تھے۔ آنکھوں میں آنسوں ہیں ڈاڑھی پر آنسو ٹپ ٹپ گر رہے ہیں کہ ہائے بریرہ جدا ہو گئیں اس درجہ عشق تھا تو حضورؐ سے جا کر عرض کیا کہ آپ فرما دیں نکاح باقی رکھنے کو۔ حضورؐ تشریف لے گئے اور فرمایا کہ بریرہ نکاح مت توڑ و مغیث سے۔ میں نے ہی وہ نکاح قائم کیا تھا تم اب بھی قائم رکھو۔ وہ بھی بڑی ذہین تھی۔ انہوں نے کہا۔ یا رسول اللہ یہ حکم شرعی ہے یا آپؐ کا ذاتی مشورہ۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں حکم شرعی نہیں شرعاً تو تم آزاد ہو۔ نکاح باقی رکھو چاہے توڑ دو یہ میرا ذاتی مشورہ ہے۔ بریرہ نے کہا پھر تو میں نہیں مانتی ہوں آخر کار نہیں مانا اور نکاح توڑ دیا۔ تو معلوم ہوا کہ اگر نبی اپنی ذات سے کوئی مشورہ دیں تو وہ قانوناً واجب الاطاعت

نہیں ہوتا ہے اگر رسالت پیش کریں کہ یہ حکم خداوندی ہے تو اس کی اطاعت فرض ہے اس سے معلوم ہوا کہ جب انبیاء بھی ذاتی طور پر واجب الاطاعت نہیں تو میری اور آپ کی کیا حقیقت ہے اور میں ذاتی بات کہوں اور اس پر ضد کروں کہ نہیں اس کو ماننا ضروری ہے قطعاً ضروری نہیں ہے صرف ایک رائے ہے آپ کی میری بھی ایک رائے ہے۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ جو حق ہو اس پر عمل کریں۔ تو اللہ نے جہاں اپنی اطاعت کا حکم دیا وہاں اپنا نام لیا ہے اور فرمایا اَطِیْعُوا اللّٰہَ کہ اللہ کی ذات واجب الاطاعت ہے آگے رسول کا نام نہیں لیا بلکہ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فرمایا یعنی وصف رسالت کا تذکرہ کیا کہ اسی وصف رسالت کی وجہ سے وہ واجب الاطاعت ہیں کہ جب رسالت خداوندی پیش کریں تو گردن تسلیم خم کر دو۔

اولی الامر منکم یہاں اطیعو کا لفظ بھی خصوصیت سے ذکر نہیں کیا جیسا کہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ میں ذکر کیا تھا یہ اولی الامر منکم پچھلے اَطِیْعُوْا کے نیچے ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جو اولی الامر ہوگا وہ تابع ہوگا نبی کریم کے چونکہ آپ کا نائب بن کر آیا ہے اس لئے واجب الاطاعت ہے مستقلاً اس کی اطاعت نہیں اللہ کے رسول کا فرمان نافذ کرے گا تو اطاعت واجب ہوگی ورنہ محض ذاتی مشورہ ہوگا کوئی واجب الاطاعت نہیں اور اولی الامر کا لفظ اخیر میں ہے اس کے بعد کوئی اطاعت نہیں ہے اس بنا پر تین اطاعتیں ہو گئیں۔ اللہ کی اطاعت۔ رسول کی اطاعت۔ اولی الامر کی اطاعت۔ ہاں اگر اولی الامر کوئی غلط حکم دے دے تو اس کی اصلاح کی جائے اس لئے ذاتی حکم واجب الاطاعت نہیں جب وہ یوں کہے کہ قرآن شریف میں یوں آیا ہے تو پھر وہ واجب الاطاعت ہے چاہے وہ استنباط ہی سے کہتا ہو نص صریح بھی نہ ہو کیونکہ وہ قرآن ہی سے کہہ رہا ہے وہ قرآن ہی کا مصداق ہے اس لئے اس سے گردن پھیرنا جائز نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ کی خلافت کا ایک واقعہ حضرت عمر جب امیر المومنین تھے تو دربار خلافت میں ایک عورت حاضر ہوئی اس نے عرض کیا کہ امیر المومنین! میرے خاوند کی آپ کیا بات پوچھتے ہیں۔ صائم الدہر ہے۔ قائم اللیل ہے تمام راتیں عبادتیں کرتا ہے اور تمام دن روزے رکھتا ہے فرمایا کہ ماشاء اللہ۔ اللہ

مبارک کرے بڑا اچھا خاوند ہے کہ عبادت گذار ہے راتوں کو تہجد پڑھتا ہے دنوں کو روزے رکھتا ہے۔ مبارک ہو۔ وہ بیچاری چپکی ہو کر چلی گئی۔ دربار میں ایک صحابیؓ موجود تھے جن کا نام اکثمؓ تھا وہ اُٹھے اور انہوں نے کہا کہ امیر المومنین آپ سمجھے بھی، یہ کیا کہہ کر گئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خاوند کی تعریف کر کے گئی ہے۔ اور کیا کہتی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت! اسے کیا مصیبت آئی تھی کہ وہ دربار خلافت میں آکر خاوند کی تعریف کرے کہ نمازیں اتنی پڑھتا ہے روزے اتنے رکھتا ہے۔ کہنے لگے پھر کیا کہہ کر گئی ہے۔ اکثمؓ نے کہا خاوند کی تعریف کرنے نہیں آئی تھی بلکہ استغاثہ اور دعویٰ دائر کر کے گئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دعویٰ کیا کر کے گئی ہے۔ اکثمؓ نے کہا کہ دعویٰ یہ کیا ہے کہ ساری رات تو رہتا ہے عبادت میں اور سارے دن رہتا ہے روزے میں کہ اللہ میاں کے کام کا تو ہے میرے کام کا نہیں ہے۔ یہ ہے اس کا منشاء وہ استغاثہ دائر کر کے گئی ہے۔ حضرت عمرؓ چپ ہو گئے اور فرمایا کہ مجھ جیسے کو امیر بنا دیا ہے جسے معاملہ سمجھنے کی بھی طاقت نہیں۔ میں اس قابل نہیں تھا کہ امیر بنایا جاتا۔ پھر فرمایا کہ اچھا اللہ تعالیٰ نے تجھے اتنی سمجھ دی ہے تو تو ہی فیصلہ کر اس مقدمے کا۔ جب اس نے استغاثہ دائر کیا ہے اور خاوند کی تعریف کی ہے تو کیا حکم شرعی ہونا چاہیئے۔ انہوں نے فوراً ہاتھ کے ہاتھ فیصلہ کیا کہ امیر المومنین اس کے خاوند کو حکم دیا جاوے کہ چار دن میں سے ایک دن ضرور افطار کیا کرے اور خوب کھانا کھایا کرے اور چار راتوں میں سے ایک رات بالکل نہ جاگے بیوی کے پاس سویا کرے تین راتوں میں اُسے اختیار ہے کہ خوب تہجد پڑھے اور تین دنوں میں اُسے اختیار ہے کہ خوب روزے رکھے تو ہر چار دن میں سے ایک دن اور ہر چار راتوں میں سے ایک رات خالی چھوڑے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے اکثم یہ حکم تم نے کہاں سے نکالا ہے۔ انہوں نے کہا قرآن سے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ قرآن میں کہاں موجود ہے کہ اگر کسی بیوی کا خاوند رات دن عبادت کرے تو وہ چار رات دن میں سے ایک رات دن بیوی کے پاس گزارے۔ عرض کیا کہ قرآن میں حکم ہے فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے۔ اگر چار بیویاں ہوں تو چار راتیں اسکی گھر جائیں گے اگر چار میں سے ایک بیوی ہو تو تین راتیں خدا کی اور ایک رات بیوی کی

فرمایا سبحان اللہ کتنا اچھا فیصلہ ہے۔ مجھ جیسے کو امیر بنا دیا جس نے قرآن سے اتنا فیصلہ نہیں کیا۔ اسی دن حضرت عمرؓ نے ان کو چیف جسٹس یعنی قاضی القضاۃ بنا دیا کہ اللہ نے تمہاری سمجھ کو تیز کیا ہے اس لئے تم ہی فیصلے کرو آج سے مسلمانوں کے مقدموں کے۔ ایک چاول سے پوری دیگ پرکھی جاتی ہے۔ جب ایک فیصلہ کیا جو کہ معمولی مسئلہ تھا جو قرآن سے پیش کیا۔ فرمایا کہ تیری سمجھ اس قابل ہے کہ آج سے تو مسلمانوں کے فیصلے کرے اسی بنا پر اُن کو قاضی القضاۃ بنا دیا۔

اطاعت سے انحراف قوم میں تفریق پیدا کرتا ہے

بہر حال اطاعتیں تین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت۔ رسول کی اطاعت۔ اور رسول کے جو نمائندے اور نائب ہیں ان کی اطاعت۔ جبکہ وہ رسول کی رسالت کو جاری کریں اور ان کے علم پر اعتماد ہو تو وہ واجب الاطاعت بن جاتے ہیں۔ پھر اُن سے اور ان کی اطاعت سے انحراف کرنا قوم کے اندر تفریق ڈالتا ہے اس لئے ماموریں کے ذمہ ہے کہ ہر صورت میں جب کہ وہ حکم شرعی بیان کریں تو ان کی اطاعت کریں

لہٰذا جب ہم نے اپنا امیر شریعت بنالیا ہے اور بحمد اللہ ان میں امیر شریعت کے اوصاف بھی موجود ہیں جو اوصاف کہ واقعی طور پر ایک امیر کے اندر ہونے چاہیں خدا نے ان کو اہل بنایا ہے جب آپ کو ایک اہل ملا تو آپ کا فرض ہے کہ ان کی اطاعت کریں اب ایسے اشخاص تو آنے سے رہے جو کبھی بھی غلطی نہ کریں۔ ہمیں اپنے ہی میں سے ایک کو بنانا پڑے گا اور اس کی اطاعت کرنی پڑے گی۔ ہاں اتنا دیکھ لو کہ وہ بشر عمدہ ہو جس کی تمام زندگی تقویٰ و طہارت سے گذری ہو جس کی زندگی میں صلاح اور رشد پایا جاتا ہو وہ بے شک اس قابل ہے کہ وہ ہمارا مطاع بن جائے اور غلطی سے تو کوئی بشر خالی نہیں ہر ایک انسان غلطی بھی کرتا ہے مگر اس کے باوجود واجب الاطاعت ہے تو بہر حال اللہ تعالیٰ نے ایک امیر بنا دیا آپ کیلئے جو اہل ہے امامت کا ہم سب کا فرض ہے کہ اس کی اطاعت کریں۔ اب اگر ان سے کوئی اور افضل ہو تو یہ ضروری نہیں کہ امیر سب سے افضل ہو۔ اگر دوسرا کوئی افضل بھی ہو تو اطاعت اسے بھی کرنی پڑے گی اس لئے کہ قوم نے مل کر ان کو امیر مقرر کر دیا ہے۔

خواہشمند کو امیر نہیں بنایا جائے گا

اگر کوئی یوں کہے کہ صاحب میں ان سے زیادہ کامل ہوں اس لئے میں امیر بنوں گا تو مدعی کو امیر بنانے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا ہے۔ خود شریعت میں مسئلہ موجود ہے لا نولی امرنا ھٰذا من طلبہ جو خود عہدے کی طلب کرے اُسے کبھی عہدہ نہیں دیں گے۔

جو عہدے سے بچے اس کو امیر بنایا جائے

جو شخص عہدے سے بچے اور الگ رہے وہ اس قابل ہے کہ عہدہ اس کے ذمّے ڈالا جائے اس واسطے کہ جب مسلمانوں نے عہدہ ڈال دیا اس کے ذمّے اور اس کو امیر بنادیا اور امیر نے پھر ایک قاضی مقرر کردیا تو قوم کا فرض ہے کہ اس کی اطاعت کرے اگر خدانخواستہ کوئی ایسی بات سامنے آئے کہ صریح قرآن وحدیث کے خلاف فیصلہ دیا اور تخریب کردی تو بھائی اس وقت غور کیجیو! کہ ایسے کو امیر کیوں بنایا۔ لیکن قرآن وسنت کے مطابق فیصلے کر رہا ہے تو اس بیچارے سے کیوں انحراف کریں۔

امارت شرعیہ کا قیام تنظیم ملّت کا ذریعہ ہے

امارت شرعیہ کا قیام ضروری ہے اور فقہاء لکھتے ہیں کہ جب حکومت اسلامی نہ ہو تو مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنا ایک امیر مقرر کرلیں اپنے معاملات ان کی طرف رجوع کریں اور سمع وطاعت کے ساتھ اس پر چلیں۔ اس کا فائدہ پوری قوم کو پہنچیگا۔ وہ یہ کہ جب پوری قوم منظم ہوگی اور ایک کے تابع ہوگی تو اغیار پر اثر پڑے گا کہ یہ ہے متحد ومنظم قوم۔ جب عید کی نماز ہوتی ہے اور ایک امام کے پیچھے پچاس پچاس ہزار آدمی ہوتے ہیں تو بہت سے غیر مسلموں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ یہ نظام کسی قوم کو نصیب نہیں ہے جو اس قوم کو دیا گیا ہے کہ ایک کے اشارے پر لاکھوں آدمی جھک رہے ہیں حرم محترم میں جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ ایک امام کے پیچھے تیس لاکھ آدمی نماز پڑھ رہے ہیں۔ امام جھکتا ہے تو وہ بھی جھکتے ہیں عجیب وغریب نظام قائم ہے ایک امام حج کے پیچھے سارے حجاج جارہے ہیں۔ ایک امام زکوٰۃ کے پیچھے سارے اپنی زکوٰتیں پیش کر رہے ہیں تو اسلام نے ہر ہر جزئی میں

ایک نظم قائم کیا ہے۔ اور نظام ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ جماعت نہ ہو اور جماعت ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ امام نہ ہو اور امیر نہ ہو اور امیر ہو ہی نہیں سکتا ہے جب تک کہ سمع وطاعت نہ ہو۔ تو سمع وطاعت ہم سب کا فرض ہے ہمیں اور آپ کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ کہ اس اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی توفیق دی کہ ہم نے اپنا ایک امیر مقرر کیا اور امیر بحمد اللہ ایسا کہ قابل اعتراض نہیں ہے۔

اعتراض سے کوئی بچا ہوا نہیں ہے

دنیا میں کوئی ایسی ذات نہیں ہے جو اعتراض سے بچی ہوئی ہو اعتراض سے کوئی خالی نہیں۔ اعتراض جس پر چاہو کر دو۔ حتیٰ کہ اعتراض کرنے والوں نے اللہ ورسول پر بھی اعتراض کر دیئے ہیں کسی شاعر نے کہا ہے۔

قِيْلَ اِنَّ اللّٰهَ ذُوْ وُلْدٍ قِيْلَ اِنَّ الرَّسُوْلَ قَدْ كَهَنَ

مَا نَجَا اللّٰهُ وَالرَّسُوْلُ مَعًا مِنْ لِسَانِ الْوَرٰى فَكَيْفَ اَنَا

کہنے والے نے کہا کہ اللہ صاحب اولاد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام ان کے بیٹے ہیں اور وہ باپ ہیں اور حضرت مریم بیوی ہیں۔ رسول کے بارے میں کسی نے کہا کہ کاہن ہیں۔ کسی نے کہا کہ ساحر ہیں کسی نے کہا کہ مجنون ہیں تو شاعر کہتا ہے کہ جب اعتراض کرنے والوں نے اللہ ورسول کو بھی نہیں چھوڑا تو میں کون ہوں۔ میں بیچارہ کیا چیز ہوں۔ دنیا میں کون ہے ایسا جس پر اعتراض نہ ہوا ہو۔ بھائی تھوڑا بہت تو اعتراض سب پہ ہوتا ہے۔ مجموعی زندگی کو دیکھا جاتا ہے کہ مجموعی زندگی سچائی سے گذر رہی ہے یا مکروفریب سے صلاح و تقویٰ پر گذر رہی ہے یا جہالت پر اس لئے اگر تھوڑی بہت غلطی بھی ہو جاتے تو وہ قابل عفو ہے۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ جن کی نیکیاں غالب ہیں وہ اللہ کے یہاں بھی نجات پا جائیں گے۔ معصوم تو انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی ذات گرامی ہیں۔ لیکن انبیاء کے بعد اولیاء محفوظ ہیں پھر اولیاء کے بعد جتنے ہم اور آپ ہیں نہ معصوم نہ محفوظ ہیں کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی غلطی ہو ہی جاتے گی مگر مجموعی زندگی کو دیکھ کر حکم لگے گا۔ ایک ایک غلطی نہیں پکڑی جاتے گی یہ بدنیتی ہو گی کہ ساری زندگی کی اچھائیوں

میں سے ایک برائی پر نظر پڑی تو اس کو آپ نے اچھال دیا۔ یہ تو عناد کی بات ہے یہ کوئی آدمیت نہیں ہے۔ یہ ہے خلّت ماکرہ نبی کریمؐ نے اس سے پناہ مانگی ہے۔ فرمایا کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ خَلِیْلٍ مَاکِرٍ عَیْنَاہُ تَرَیَانِیْ وَقَلْبُہٗ یَرْعَانِیْ اِنْ رَأَیٰ حَسَنَۃً دَفَنَھَا وَاِنْ رَأَیٰ سَیِّئَۃً اَذَاعَھَا کہ اے اللہ میں ایسے مکار دوست سے تیری پناہ لیتا ہوں جس کی آنکھیں مجھے دیکھیں اور اس کا دل میری ٹوہ میں لگا رہے۔ اگر نیکی دیکھے تو اسے چھپالے اور اگر برائی دیکھے تو اس کو پھیلاتا پھرے۔ ایسا دوست پسندیدہ نہیں ہے۔ بلکہ اگر کسی کی برائی آپ کے سامنے ہو تو اس کی اچھائیوں کو بھی دیکھنا چاہیئے اور ان کی اچھائیوں کی وجہ سے اس کی برائی نظر انداز کر دینی چاہیئے۔ یہ ہی قرآن کا فیصلہ بھی ہے اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْھِبْنَ السَّیِّئَاتِ کہ نیکیاں تمام برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔ جب ختم ہوگئی پھر برائی رہ ہی کہاں گئی جس کو اچھالا جاتے۔ لیکن کہنے والے اور اعتراض کرنے والے تو ہر وقت اور ہر زمانہ میں رہتے ہیں۔ کام کرنے والے اگر اس کی پرواہ کریں تو کچھ بھی نہیں کر سکتے ہیں۔ قیامت میں جب باری تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی تو اعتراض کرنے والے بھی سامنے کھڑے ہوں گے اور کام کرنے والے بھی کھڑے ہوں گے۔ مگر کامیاب و سرخرو کام کرنے والے ہی ہوں گے۔ تو شکریہ ادا کرنا چاہیئے اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے ہمیں اپنا امیر بنانے کی توفیق دی اور آگے ہم اس کی توفیق بھی بارگاہ صمدی سے چاہتے ہیں کہ ہم اپنے امیر کی سمع و طاعت کریں اور ہم کو راہ راست پر چلاتے۔ ہمارے گناہوں کو معاف کر دے۔ ہمیں اسلام پر قائم و دائم رکھے۔ ایمان پر خاتمہ فرماتے آمین یارب العلمین

احقر نثار احمد قاسمی

خادم تدریس مدرسہ خادم العلوم باغونوالی

ضلع مظفر نگر۔ یوپی۔

مؤمنانہ زندگی کا قرآنی تجزیہ

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له ونشهد ان سیدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله ارسله الله الی کافة للناس بشیراً ونذیراً وداعیاً الی الله باذنه وسراجاً منیراً صلی الله علیه وعلی آلہ واصحابه وبارك وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً

اما بعد۔ فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم۔ بسم الله الرحمن الرحیم

وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض هوناً واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاماً ۔ والذین یبیتون لربهم سجداً وقیاماً والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جهنم ان عذابها کان غراماً انها ساءت مستقراً ومقاماً والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالك قواماً والذین لا یدعون مع الله الهاً آخر ولا یقتلون النفس التی حرم الله الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذالك یلق اثاماً یضعف له العذاب یوم القیٰمة ویخلد فیه مهاناً الا من تاب وآمن وعمل عملاً صالحاً فاولئك یبدل الله سیئاتهم حسنات وکان الله غفوراً رحیماً ومن تاب وعمل عملاً صالحاً فانه یتوب الی الله متاباً۔

نجات کا تعلق عمل سے ہے علم سے نہیں ہے | بزرگان محترم! یہ چند آیتیں قرآن کریم کی اس وقت میں نے تلاوت کی جن کا تعلق زیادہ تر عمل سے ہے اس لئے کہ علمی باتیں تو کانوں میں پڑتی ہی رہتی ہیں جلسوں میں مواعظ میں، گفتگو میں لیکن عملی مسائل کی گفتگو کم آتی ہے، اور کوتاہی ہم لوگوں کی جتنی ہے وہ عمل کی ہی ہے۔ علم کی نہیں، علم کے وسائل تو اس زمانے میں اتنے بڑھ چکے ہیں کہ ہم علم کا ارادہ بھی نہ کریں تو خواہ مخواہ علم ہمارے سامنے آتا ہے۔ کتابیں ہیں، رسائل ہیں، اخبارات ہیں تو رات دن سامنے علمی باتیں

آتی رہتی ہیں، کوتاہی ہے درحقیقت عمل کی ہے۔ علم کی نہیں۔ بقول مرزا غالب کے ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی !

علم تو ہے مگر عمل کرنے کو جی نہیں چاہتا ہے، آمادگی نہیں ہوتی، اور نجات کا تعلق عمل ہی سے ہے علم سے نہیں۔ اس لئے میں نے ایسی چند آیتوں کا انتخاب کیا ہے اس وقت کہ جنمیں زیادہ تر عملی چیزیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے کہ عبادات کی طرف تو لوگ کافی متوجہ ہیں۔ نماز پڑھنا، ذکر، تلاوت، لیکن اسلامی معاشرت کی طرف لوگ بہت کم متوجہ ہیں کہ معاشرہ ہمارا اسلامی بن جائے، اور رہن سہن اسلامی ہو، طرز کلام و سلام اسلامی ہو، اٹھنا، بیٹھنا اسلامی ہو ان آیات میں ان ہی چیزوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ فرمایا گیا

مخلوق خدا رحمت سے مربوط ہے۔ "وعباد الرّحمٰن" رحمن کے بندوں کی کیا علامتیں ہیں، کس طرح پہچانا جائے کہ یہ رحمٰن کے بندے ہیں۔ رحمت کی صفت کو یہاں خاص کیا گیا یہ نہیں فرمایا گیا کہ عباد اللہ۔ یعنی اسم ذات کیطرف نسبت نہیں کی گئی اور یہ بھی نہیں فرمایا گیا کہ عباد الجبار، وعباد القہار، عباد الرّحمٰن کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ دو وجہوں سے اوّلاً اس لئے کہ مشرکین مکہ لفظ اللہ سے تو واقف تھے۔ رحمٰن سے بالکل واقف نہ تھے حالانکہ رحمٰن کی صفت ایک درجے میں اسم ذات کے قریب ہے فرمایا گیا۔ قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ایاما تدعوا فلہ الاسماء الحسنٰی۔ اسے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو۔ تو اللہ کے لفظ کے ساتھ رحمٰن کا لفظ لایا گیا۔ گویا یہ برابری کرتا ہے علم ذات کی، اور رحمٰن کی ذات کو مشرکین مکہ سمجھتے نہیں تھے چنانچہ ان ہی آیتوں سے دو چار آیت پہلے فرمایا گیا کہ واذا قیل لھم اسجدوا للرّحمٰن یعنی جب مشرکین مکہ سے کہا گیا کہ رحمٰن کو سجدہ کرو قالوا وما الرحمٰن انہوں نے کہا کہ رحمٰن کیا چیز ہوتا ہے وہ اس سے واقف ہی نہیں تھے، انسجد لما تامرنا وزادھم نفورًا۔ تو غرض رحمٰن کے لفظ سے واقف نہیں تھے،

طبیعتیں چلتی نہیں تھیں۔ اسی لئے رحمٰن کے لفظ کو استعمال کیا گیا ہے دوسرے اس وجہ سے اختیار فرمایا گیا کہ حق تعالیٰ کی تمام صفات کمال ہیں۔ سب سے زیادہ غالب صفت رحمت کی ہے جس کے پرتوے پڑ رہے ہیں عالم پر گویا اللہ نے اپنے بندوں کے ساتھ جو تعلق قائم کیا ہے تو رحمت کی صفت کے ساتھ کیا ہے۔ قہر و غضب کے ساتھ نہیں، اگر قہر و غضب کی بنا پر تعلق قائم ہوتا تو کسی مخلوق کا پتہ بھی نہ چلتا سب جل کر خاکستر ہو جاتے کون تاب لا سکتا تھا اس کے قہر کی اور اس کے جبر کی لیکن رحمت کی صفت وہ ہے کہ قدرتی طور پر آدمی رحم والے سے مربوط ہوتا ہے اسی لئے نبی کریمؐ کی شانِ مبارک رحمتہ اللعالمین ذکر فرمائی گئی ہے کہ جہانوں کے لئے آپ مربی ہیں اور ہادی ہیں۔ اور ہادی کے لئے سب سے پہلی شان یہ ہے کہ رحمت اور شفقت اس میں کوٹ کر بھری ہوئی ہو اور اگر قہر اور جبر اور زیادتی ہو گی تو سب لوگ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ کوئی مربوط نہ ہو گا۔ تو رحمت و شفقت وہ ہے کہ باہم مربوط کر دیتی ہے حتیٰ کہ دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں۔

صفت رحمت غالب ہے حق تعالیٰ کی تمام صفات میں حق تعالیٰ کی صفات میں غلبہ ہے صفت رحمت کو اور حق تعالیٰ نے اس کو ایک حسّی صورت دی اور ایک تکوینی صورت پیدا فرمائی، تاکہ اس کی رحمت کا غلبہ ظاہر ہو۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ شریعت اسلامی جتنی کائناتوں کا پتہ دیتی ہے سب سے اوپر عرش ہے، عرش مثل قبّے کے چھایا ہوا ہے سارے جہانوں کے اوپر جیسے سرپوش ڈھانپ دیتے ہیں اور سینی میں ہزاروں چیزیں ہوتی ہیں سرپوش ڈھانپ دیا تو ساری چیزیں اس کے اندر آجاتی ہیں۔ تو عرش تک تو چلتی ہے مخلوق مگر عرش کے اوپر کسی مخلوق کا پتہ نہیں۔ وہاں اگر شریعت کسی مخلوق کا پتہ دیتی ہے تو وہ ایک لوح اور تختی ہے جو آسمانوں اور زمینوں سے بڑی ہے اور عرش پر رکھی ہوئی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ ان رحمتی سبقت غضبی میری رحمت غالب ہے میرے غضب کے اوپر یہ گویا دستاویز کے طور پر کائناتوں کے بادشاہ نے لکھ کر رکھ دیا ہے کہ میری پالیسی اپنی

مخلوق کے ساتھ رحمت وشفقت کی ہوگی تاکہ مخلوق مانوس ومربوط ہوجائے اور جو پیغام اسے دیا جائے قبول کرے، قہر وغضب سے دل کسی بات کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا لیکن شفقت سے، رحمت سے آپ کچھ بھی کہیں آدمی بھائی ہوجاتا ہے۔ اور خود حق تعالیٰ نے عرش پر جو استوار فرمایا تو وہ صفت رحمت سے فرمایا "الرحمن علی العرش استویٰ"، چھا گیا رحمٰن عرش پر یہ نہیں فرمایا گیا کہ الجبار علی العرش استویٰ، "القہار علی العرش استویٰ"، قہر والا چھا گیا عرش پر، جبر والا چھا گیا عرش پر، بلکہ رحمت والا چھا گیا تو گویا اب نتیجہ یہ نکلا کہ ساری کائنات کے اوپر چھایا ہوا ہے عرش، اور عرش پر چھائی ہوئی ہے رحمت، تو نتیجہ نکلتا ہے کہ ساری کائنات پر چھائی ہوئی ہے رحمت، تو اول تو تختی لکھ کر رکھ دی کہ ہماری پالیسی اور ہماری تقدیر عالم کے لئے رحمت کی ہوگی۔ پھر صفت رحمت غالب ہوئی اور استوار کیا عرش پر تو گویا یہ اعلان ہوگیا کہ اس کے نیچے جتنی مخلوق ہے وہ سب رحم وکرم کا برتاؤ کرے گی اور عرش قائم کیا گیا پانی کے اوپر وکان عرشہٗ علی الماء اور رحمت کو اگر صورت دی جائے تو وہ پانی کی ہوگی، جیسے غصہ اور غضب کو شکل دی جائے تو وہ آگ کی شکل اختیار کرے گی یہی وجہ ہے کہ جب آدمی غضبناک ہوتا ہے اور غصے میں لال پیلا ہوتا ہے تو کہا کرتے ہیں کہ فلاں آگ بگولا ہوگیا یہ کوئی نہیں کہتا کہ پانی پانی ہوگیا، پانی پانی جب کہتے ہیں جب اس کا رحم وکرم ظاہر ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ غضب کی صورت مثالی آگ کی ہے یعنی اگر غضب کو اور قہر کو مجسم بنایا جائے تو آگ کی شکل اختیار کرے گا اور رحمت کو اگر جسم دیا جائے تو وہ پانی کی شکل اختیار کرے گا تو پانی پر قائم کیا عرش کو کہ وہ صورت مثالی ہے رحمت کی اور عرش پر خود چھا گئے صفت رحمت سے تو اوپر بھی رحمت نیچے بھی رحمت اور حدیث میں فرمایا گیا کہ اللہ نے کائنات کو پیدا کرکے سو رحمتیں پیدا کیں انمیں سے ایک رحمت اتاری ہے اس پوری کائنات میں جس کی وجہ سے ماں باپ اپنی اولاد پر رحم کھاتے ہیں جانور اپنے بچوں پر رحم کھاتے ہیں۔ ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی پر رحم کھاتا ہے تو ایک رحمت کا اثر ہے جو پوری کائنات میں پھیلی ہوئی ہے اور ننانوے رحمتیں

... رکھی ہیں، عرش کے نیچے کہ قیامت کے دن گنہگاروں کے لئے استعمال کی جائیں گی تو جب ایک رحمت کا یہ اثر ہے کہ آدمی جب رحم و کرم پر آجاتا ہے تو کوئی دشمن باقی نہیں رہتا ہے سارے دوست ہی دوست بن جاتے ہیں۔

حق تعالےٰ قیامت میں اپنے بندوں کی حیلے بہانوں سے مغفرت فرمائیں گے

حق تعالےٰ قیامت کے دن جب ان ننانوے رحمتوں کو استعمال فرمائیں گے تو کتنی عظیم مغفرت ہوگی، کتنی بخششیں ہوں گی۔ لن یھلک علی اللہ الا ھالک۔ بس جسے ہلاک ہی ہونا ہوگا وہ تو ہلاک ہوگا۔ رحمت نہیں چاہے گی کہ کوئی ہلاک ہو۔ بلکہ یہ چاہے گی کہ یہ بخشا جائے نجات پا جائے، کامیاب ہو جائے اسکی ہزاروں مثالیں ہیں جو احادیث میں دیگئی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ـــــ رحمتِ حق بہانہ می جوید ـــ اللہ کی رحمت لوگوں پر بخشش کرنے کے لئے بہانے تلاش کرے گی قیمت کی طلب گار نہیں ہو گی، کہ کچھ معاوضہ ہمیں دو تو ہم رحمت کریں گے بلکہ رحمت عام ہوگی، حیلے بہانوں سے رحمت کی جائے گی، ذرا ذرا سی چیز پر مغفرت کی جائے گی، حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دو آدمی آئیں گے جن کو حکم دیا جائے گا جہنم کا، ملائکہ ان کو جہنم میں لے جائیں گے اور جہنم میں ان کو جھونک دیں گے، وہ جہنم میں پہونچکر اتنے چلائیں گے کہ سارے جہنموں پر ان کی آواز غالب آجائے گی بے حد شور مچائیں گے تصنع کے ساتھ پوری آواز سے ہائے واویلا کریں گے حق تعالےٰ فرمائیں گے کہ ان کو نکال کر لاؤ، ملائکہ ان کو نکال کر لائیں گے ان کی پیشی ہوگی، فرمائیں گے کہ تم اتنا کیوں چلا رہے ہو کیا تمہارے اوپر ملائکہ نے کچھ زیادتی کی ہے، کیا مقررہ عذاب سے کچھ زیادہ عذاب دے دیا تم کو، وہ کہیں گے، کہ یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں، فرمائیں گے پھر اتنا کیوں چلا رہے ہو: وہ کہیں گے کہ اس لئے چلا رہے تھے کہ آپ ہمیں نکلوالیں بس ہمارا مقصد پورا ہو گیا گویا وہاں بھی وہ چار سو بیسی کریں گے فرمائیں گے حق تعالیٰ کہ تم قدرت کو دھوکہ دینا چاہتے ہو، حیلے حوالے کر رہے تھے کہ تم کو نکال دیا جائے، تم جہنم کے اندر فوراً جاؤ تو ایک تو فوراً جا کر کود پڑے گا جہنم میں اور ایک وہیں ڈٹ کر کھڑا ہو جائے گا۔ اُسے آڈر

دیا جارہا ہے حکم دیا جارہا ہے مگر جاتا نہیں وہیں کھڑا ہوا ہے۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم نے حکم عدولی کیوں کی ہے جب ہمارا حکم تھا کہ جا جہنم میں تو نے کیوں نہیں مانا۔ وہ کہے گا اے اللہ! بے شک آپ کا حکم تھا اور وہ واجب التعمیل تھا مگر میرے ذہن نے یہ قبول نہیں کیا کہ آپ رحیم و کریم ہو کر عذاب سے نکال کر پھر دوبارہ عذاب میں داخل کریں اتنا اعتماد مجھے آپکی مجھے آپ کی رحمت پر تھا کہ کسی طرح دل نہیں مانتا تھا کہ عذاب سے نکال کر دامن رحمت میں لے آئیں۔ اور پھر عذاب میں داخل کریں یہ رحمٰن کی شان سے بعید ہے۔ اس پر بھروسہ کر کے میں ڈٹ کر کھڑا ہو گیا۔ حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تیرا یقین صحیح تھا جا تیری نجات ہوگئی وہ صرف حیلہ ہی تو تھا مغفرت کا پھر دوسرے سے پوچھیں گے جو فوراً جہنم میں کود پڑے گا۔ کہ فوراً کیوں کود پڑا وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ میں نے ساری عمر نافرمانی ہی میں گذار دی شریعت کا ایک حکم بھی مان کر نہیں دیا۔ میں نے سوچا کہ یہ میرے پروردگار کا آخری حکم ہے اسکی تو تعمیل کر لوں اس واسطے میں فوراً کود پڑا حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو نے اتنی بڑی نیکی کی کہ تیرے سارے گناہ ختم ہو گئے جا تیری بھی نجات ہوگئی۔ تو یہ ہے وہ کہ "رحمت حق بہانہ می جوید" کہ اللہ کی رحمت بہانے تلاش کرے گی۔ مغفرت کے یعنی خود ہی ایسے سامان پیدا فرمادیں گے کہ حیلہ ہو جائے مغفرت کا۔ کرنی ہوگی مغفرت پہلے ہی سے کہ مقصود ہوگی مگر اس کے لئے ایک حیلہ بنا دیں گے۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص حاضر ہوگا اور اس کا نامۂ اعمال نیکیوں سے بھرپور ہوگا۔ جگمگا رہا ہوگا۔ ساری عمر میں صرف ایک بدی کی ہوگی اسکے دل میں یقین ہوگا کہ میری تو سو فیصد مغفرت ہوگی، ایک بدی سے وہ کیا پکار کرے گی، وہ آئے گا اور بہت ناز کے ساتھ آئے گا کہ ہے ہی نہیں کوئی بدی لے دے کے صرف ایک بدی ہے، فرمائیں گے تیری مغفرت اسی سے ہے کہ اس بدی کو نیکی سے بدل لاؤ جب تیری نجات ہوگی ورنہ نہیں۔ اب وہ بیچارہ پریشان ہوگا، وہاں مانگتا پھرے گا کون تیار ہوگا اپنی نیکی دینے کو ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہوتا ہے، وہاں تو ذرا سی نیکی ہوگی لوگ سہارا دیکھیں گے شاید اسی کی وجہ سے نجات ہو وہاں کون یہ سخاوت کرے گا کہ بھائی نیکی تو لے جا کوئی دینے کو تیار نہ ہوگا

حتیٰ کہ جو ماں باپ ہوں گے وہ بھی ہٹ جائیں گے۔ وہاں کون کس کا پُرسانِ حال ہوگا۔ یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ۔ وہاں باپ اولاد سے بھاگتا پھرے گا اولاد ماں باپ سے بھاگتی پھرے گی۔ ماں باپ چاہیں گے کہ ساری اولاد جہنم میں چلی جائے لیکن ہم کسی طرح بچ جائیں۔ اولاد چاہے گی کہ چاہے سارے ماں باپ جہنم میں چلے جاویں لیکن ہم کسی طرح سے بچ جاویں تو وہاں نفسی نفسی ہوگی، اپنی نیکی دینے کو کون تیار ہوگا۔ اب یہ بیچارہ پریشان پھر رہا ہے کس سے نیکی مانگے کون نیکی دے گا۔ ایک شخص سامنے آئے گا جس نے ساری عمر بدیاں ہی بدیاں کی ہونگی اس کی پوری عمر میں ایک ہی نیکی کی ہوگی یہ التجا کرے گا کہ بھائی ایک نیکی چاہیے وہ کہے گا کہ بھائی میرے پاس تو کل ایک نیکی ہے میں تو اول بھی جہنم میں اور آخر بھی جہنم میں۔ میرے پاس تو بدیاں ہی بدیاں ہیں۔ میری نجات کہاں ہوگی اگر تیرا کام چلے تو تو ہی لیجا اس ایک نیکی کو اور لا اپنی بدی مجھے دے دے اب اس کا پورا نامۂ اعمال نیکیوں سے بھرپور ہوگا۔ باری تعالےٰ فرمائیں گے کہ اس شخص کو بھی آنا چاہیئے تھا جسنے تجھے ایک نیکی دی تھی وہ بھی آئے گا اب اس کے پاس کچھ بھی سہارا نہیں فرمائیں گے حق تعالیٰ کہ تونے نیکی دے کر آج اتنی بڑی نیکی کی ہے کہ ساری بدیاں تیری ختم ہوگئیں۔ جا تیری بھی نجات ہوگئی، یہ ہے وہ کہ "رحمت حق بہانہ می جوید" اللہ کی رحمت بہانے تلاش کرتی ہے، تو بہرحال ایسے ہزاروں واقعات حدیث میں فرمائے گئے ہیں کہ رحم و کرم سے بندوں کی نجات کی جائے گی۔

رحمٰن کی شان تو اللہ کی رحمت غالب ہے اس رحمت کے غلبہ کی تکوینی صورت تو یہ ظاہر فرمائی کہ عرش پر صفت رحمت کے ساتھ استوار فرمایا۔ اور عرش کے اوپر تختی لکھ کر رکھدی کہ اِنَّ رحمتی سبقت غضبی کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اور عرش کو قائم کیا پانی پر جو صورت مثالی ہے رحمت کی اس کے نیچے سو رحمتیں تھیں ننانوے رحمتیں رکھ لیں کہ قیامت کے دن استعمال کریں گے بندوں پر اور ایک رحمت بکھیری عالم میں جس سے بڑے اپنے چھوٹوں پر ماں باپ اپنی اولاد پر جانور

اپنے بچوں پر رحم کھاتے ہیں تو اوپر سے لے کر نیچے تک رحمت ہی رحمت کا کارخانہ ہے غضب کا نہیں، کوئی نا ہنجار بدیاں کر کے اپنے لئے خواہ مخواہ غضب طلب کرے یہ اسکی ذمہ داری ہے حق تعالے تو رحمت ہی رحمت کرنا چاہتے ہیں، ہم بنالیں اس رحمت کو زحمت یہ ہمارا خود کا فعل ہے۔ لن یھلك علی اللّٰہ الا ھالك جو کبھی ہلاک ہوگا وہ خود ہی ہلاک ہونے کا ارادہ کرے گا تو ہلاک ہوگا۔ ورنہ اللہ نہیں چاہتے کہ کوئی ہلاک ہو۔ ذرا ذرا سے حیلوں سے مغفرت فرماتے ہیں یہ ہے رحمٰن کی شان، اس لئے رحمٰن کے بندوں کی شان بھی رحم وکرم کی ہونی چاہیئے۔

رحمٰن کے بندوں کی شان کیا ہونی چاہیئے

وعباد الرحمٰن رحمٰن کے بندوں کی کیا شان ہونی چاہیئے۔ اسمیں گویا اس طرف اشارہ کہ ان کی شان بھی باہم میل ملاپ میں رحمت کی ہو، شفقت کی ہو، جب دو مسلمان ملیں تو شفقت سے ملیں، دو اجنبی ملیں تو ملنساری اور شفقت سے ملیں

کوئی نوع ایسی باقی نہ رہے کہ جسمیں شفقت ورحمت نہ ہو۔ تو رحمٰن کے بندوں کی شان کیا ہونی چاہیئے؟ رحمانیت ہونی چاہیئے۔ رحمت ہونی چاہیئے۔ اور وہ ایسی ہو رحمت کہ ان کی چال ڈھال سے بھی ظاہر ہو ان کے قال سے بھی ظاہر ہو ان کے حال سے بھی ظاہر ہو، ہر چیز میں رحمت نمایاں ہو تب ہی وہ رحمت کے بندے کہلائیں گے، اور اگر بندے لگیں آگ بگولا ہونے جیسے دیکھو وہ کانٹا بن کے چبھتا ہے۔ وہ رحمٰن کا بندہ کیا ہوگا، جیسے حضرت ابوالدردا جلیل القدر صحابی ہیں اور دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں لوگوں کو دیکھا آپس میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں لڑائی بھڑائی چل رہی ہے آوازیں سخت اور کرخت ہوگئیں بہت رنج ہوا اس لئے کہ وہ تو صحابی ہیں جلیل القدر صحابہ کا دور دیکھے ہوئے ہیں اور صحابہ کی شان یہ تھی کہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم کفر پر شدید تھے مگر آپس میں رحیم تھے وہ دور تو دیکھے ہوئے ہیں۔ اب جو بعد کا دور دیکھا کہ لوگ لڑ رہے ہیں جھگڑ رہے ہیں دوسرے کی مخالف سمت میں کھڑے ہو رہے ہیں تو بڑی حیرت سے ایک جملہ فرمایا اور کتنا بلیغ جملہ تھا

فرمایا کان الناس ورقا لا شوک فیہ وصار وشوکا لا ورق فیہ کہ لوگ ہرے بھرے پتے تھے کہ جنمیں کانٹا کا نشان نہیں تھا اب ایسے کانٹے بن گئے ہیں کہ انمیں ہرے پتے کا نشان نہیں جیسے دیکھو ایک چھبتا ہے جیسے دیکھو ایک دوسرے کو بُرا کہتا ہے تو لوگ کانٹے بن گئے ہرے بھرے ورق نہیں ہیں۔ اس چیز کو دفع کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے فرمایا وعباد الرحمٰن کہ جب رحمٰن کے بندے ہو تو رحمانیت اختیار کرو رحم وکرم اختیار کرو۔

مومن کی رفتار ہر قول وفعل سے تو رحمت ظاہر ہو گھر سے باہر نکلے گا آدمی سب سے تو چال نظر آئے گی تو چال میں بھی رحمت کی شان ہونی چاہیئے ایک تو یہ ہے کہ آدمی کھٹ کھٹ کرتا ہوا چلے، جیسے کوئی جبار وقہار آرہا ہو، فرعون آرہا ہو، یہ نہیں بلکہ عباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونًا. رحمٰن کے بندے وہ ہیں کہ زمین پر چلتے ہیں تو نرم رفتاری کے ساتھ نہ اسمیں کبر ہوتا ہے نہ اسمیں رعونت ہوتی ہے نہ فرعونیت ہوتی ہے بلکہ تواضع للہ خاکساری، عبدیت، بندگی یہ شان ہوتی ہے۔ جب بندگی دل میں گھر کئے ہوئے ہو تو چال میں بھی بندگی آئے گی جب دل میں رچی ہوتی ہے بندگی تو قول میں بھی وہی بندگی آئے گی اور وہی تواضع اور وہی انکساری کی شان ہوگی۔ زمین پر نرم رفتاری کے ساتھ چلیں۔ یعنی اعتدال کی چال ہو نہ تو ہو تشدد کی چال کہ ٹھوکریں مارتے ہوئے چلیں جیسے جانور چلا کرتے ہیں، شیر بھیڑیئے جب چلتے ہیں تو زمین پر پیر مارتے ہوتے چلتے ہیں۔ یہ شان بندوں کی نہیں ہونی چاہیئے۔ اور نہ بالکل بیماروں کی سی چال ہو۔ جیسے معلوم ہو کہ اب گر پڑیں گے نیچے گردن جھکی ہوئی جیسے کوئی مریل چلا آرہا ہو ایسا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ واقصد فی مشیک اعتدال اور میانہ روی پیدا کرو اپنی چال میں نہ بیماروں کی چال ہو نہ متکبروں کی چال۔ بلکہ نرم رفتاری ہو۔ جسمیں ایک طرف تو وقار ٹپکتا ہو اور ایک طرف قوت وجلالت ٹپکتی ہو، بہادری بھی رہے اسمیں اور وقار بھی رہے اور تواضع بھی رہے احادیث میں نبی کریمؐ کی چال مبارک کی جو تفسیر آتی ہے وہ ہے

کان یمشی تقلعًا یعنی آپ اسطرح سے قوت سے چلتے تھے کہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے زمین کھود کر نیچے اتر جائیں اسں قوت سے پیر پڑتا تھا۔ اور تواضع کا یہ عالم کہ گردن نیچے ہوتی تھی تواضع بھی حد کمال کو پہونچی ہوئی تھی، قوت وجلالت بھی حد کمال کو پہنچی ہوئی تھی، نہ ضعیفوں کی چال نہ متکبروں کی چال، بلکہ درمیانی چال جسمیں تواضع بھی اور تواضع کے ساتھ وقار بھی، خودداری بھی دونوں چیزیں ہوتی تھیں اور پسند بھی یہی کیا گیا کہ مسلمانوں کے ہر فعل میں نہ تو ضعف ہو فرمایا گیا۔ المومن القوی خیر من المومن الضعیف قوی مسلمان بہتر ہے ضعیف مسلمان سے قوت ہونی چاہیئے اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ اسمیں کبر ورعونت ہونی چاہیئے اسں سے بھی بچایا گیا اور ضعف سے بھی بچایا گیا جب آپ گھوڑے پر سوار ہوئے تو آپ کی عادت یہ تھی کہ رکاب میں پیر رکھ کر سوار نہیں ہوتے تھے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی محتاجگی ہے کہ ہم چڑھ نہیں سکتے جب تک رکاب میں پیر نہ ڈالیں بلکہ اچھل کر سوار ہوتے تھے تاکہ قوت ظاہر ہو یہ آپ کی شان تھی کہ ایک دم اوپر پہنچے اور رکاب کا سہارا نہیں لیتے تھے زین نہ ہو تو ویسے جم جاتے تھے، گھوڑے کے اوپر تو آپ کی ہر چیز میں قوت بھی اور تواضع بھی، انکساری بھی عبدیت بھی ہوتی تھی۔ فرمایا گیا "واقصد فی مشیك"، چال میں اپنی میانہ روی اختیار کرو، ضعف بھی نہ ہو کہ کوئی مریل چلا آرہا ہے نہ کبر ورعونت ہو کوئی سمجھے کہ کوئی فرعون آرہا ہے نرم رفتاری سے چلیں گے تو دوسروں کو سلام کرنے کی بھی ہمت ہوگی کہ کوئی انسان آرہا ہے اور کھٹا کھٹ کرتے ہوئے چلیں گے تو لوگ ڈر جائیں گے کہ کوئی درندہ آرہا ہے جیسے سقراط کا واقعہ ہے۔

سقراط کا واقعہ | سقراط کا ایک بہت بڑا حکیم تھا اور گویا ایک درجہ میں طب کا موجد سمجھا جاتا ہے اور رات دن پہاڑوں میں جڑی بوٹیوں کا امتحان کرتا پھرتا تھا، سارا دن گھومتے گھامتے ایک دن آیا ایک دکان پر بیٹھا دن بھر کا تھکا ہوا تھا اس کے آنکھ لگ گئی پیر تو زمین پر رکھے ہوئے ہیں اور بیٹھا ہوا ہے دکان کے تختے پر اور نیند آگئی بادشاہ وقت کی سواری نکل رہی تھی نقیب وچوبدار ہٹو بچو کہتے جارہے ہیں اور

اس بیچارے کو کچھ خبر نہیں یہاں تک کہ بادشاہ کی سواری قریب آگئی تو بادشاہ کو ناگوار گذرا کہ پبلک کا ایک آدمی اور پیر پھیلائے ہوئے بیٹھا ہے۔ نہ بادشاہ کی تعظیم ہے نہ عظمت ہے بڑا بے ادب گستاخ بادشاہ کو اتنا جذبہ آیا کہ سواری سے اتر کر اس کو ایک ٹھوکر ماری زور سے اب سقراط کی آنکھ کھلی اور آنکھ ملکے دیکھنے لگا اور بادشاہ نے کہا کہ جانتا بھی ہے تو کہ میں کون ہوں اس نے کہا جی ہاں میں یہی جاننے کی کوشش کر رہا ہوں کہ آپ کون ہیں اور اب تک اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ شاید آپ جنگل کے کوئی درندے معلوم ہوتے ہیں اس لئے کہ آپ نے ٹھوکر ماری ہے اور وہی ٹھوکر ماکر چلتے ہیں۔ بادشاہ کو اور زیادہ ناگوار گذرا اسے کہا کہ تو جانتا نہیں کہ میں بادشاہ وقت ہوں، میرے ہاتھ میں اتنے خزانے ہیں، اتنی فوجیں ہیں اتنے سپاہ ہیں اتنے قلعے ہیں اتنے شہر ہیں میرے قابو میں، سقراط نے بڑی متانت سے کہا کہ بندۂ خدا تو نے اپنی بڑائی کے لئے پیش کیا فوجوں کو، ہتھیاروں کو، خزانوں کو، روپے کو پیسے کو ان میں سے ایک چیز بھی تیرے اندر کی تو نہیں ہے سب باہر ہی باہر کی چیزیں ہیں تیرے اندر کیا کمال ہے جس کی وجہ سے تو دعویٰ کرے کہ تو باکمال ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ روپے پیسے نے تجھے چھوڑ دیا بس تو ذلیل ہو گیا اب تیری عزت ختم ہو گئی تاج و تخت اتفاق سے پاس نہ ہو تو بس تو ذلیل ہو گیا، فوجیں اگر کہیں رہ جائیں اور تو شکار میں آگے بڑھ جائے تو ذلیل ہے اس لئے کہ فوج تو ہے ہی نہیں یہ کیا عزت ہوئی کہ اندر کچھ نہیں اور بیرونی چیزوں پر مدار کار رکھے ہوئے ہے۔ تیرے اندر کی کیا چیز ہے نہ فوجیں تیرے اندر کی ہیں نہ تاج و تخت تیرے اندر کا ہے تو اگر اپنا کمال بتلاتا ہے اور بڑائی بتلاتا ہے تو اندر کا کمال پیش کر اگر تیرے اندر واقعی کوئی کمال ہے اب وہ بیچارہ بادشاہ بھی حیران ہوا کہ واقعی بات سچی ہے جواب دے نہ سکا اس نے کہا کہ اگر تجھے کمال دکھلانا ہے تو ایک لنگی باندھ اور کپڑے اتار اور میں بھی لنگی باندھتا ہوں اور کپڑے اتار کر اس دریا میں کودتے ہیں اور وہاں اپنے اپنے کمالات دکھلائیں گے اس وقت معلوم ہوگا کہ تو باکمال

ہے یا میں باکمال ہوں تو گویا سقراط نے تبلایا کہ کمال حقیقت میں جس پر ... ی فخر کرے وہ اندرونی کمال ہے اندر تو کمال نہ ہوا اور باہر کی چیزوں پر فخر کرے وہ ہمیشہ جدا ہونے والی چیزیں ہیں وہ جدا ہو گئیں تو بے کمال ہو گیا، ذلیل ہو گیا یہ کیا کمال ہے۔

حقیقت میں کمال اپنے اندر کا ہے اور اپسر بھی فخر کی اجازت نہیں | حقیقت میں کمال وہ ہے کہ زمین کے اوپر ہو جب بھی باکمال اور زمین کے اندر نیچے دفن کردو جب بھی باکمال رہے میدان حشر میں لے جائے جب بھی باکمال رہے اور جنتوں میں جائے جب بھی باکمال رہے کمال وہ ہے جو نفس کے ساتھ قائم رہے۔ باہر کی چیزیں کوئی کمال نہیں، وہ جدا ہو گئیں تو بے کمال ہو گیا تو حقیقت یہ ہے کہ آدمی فخر کرے کچھ اپنے کمال پر کرے جو اندر ہے، اوّل اپسر بھی فخر کی اجازت نہیں اس لئے کہ کوئی بھی کمال ہو انسان کی ذات میں نہیں ہے اگر ہے تو وہ اللہ کا دیا ہوا ہے دوسرے کے دی ہوئی چیز پر کیا فخر کرے شکر کا موقع تو ہے کہ مجھے عطا کر دی ہے فلاں چیز، لیکن فخر کرے تو اپنی ذات پر کرے تکبر کا نعرہ بلند کرے تو کسی ذاتی کمال پر کرے۔ اور آدمی کی غفلت میں کمال ہی کیا ہے کہ جس پر وہ فخر کرے، مادی طور پر آدمی کی ذات کو دیکھو تو وہ نجاست سے بھری ہوئی ہے کہ اس کے اندر پاخانہ، پیشاب اور دم مسفوح اور خون ہے کہ باہر نکل آئے تو کپڑا بھی ناپاک یہ تو حقیقت ہے اور اخلاقی اور جبلی طور پر دیکھو تو جہالت اور بداخلاقی یہ فخر کی چیز ہے! نجاست فخر کی چیز ہے! فخر ہوتا ہے کمال پر اور کمال اس کی ذات میں ہے نہیں اس لئے فخر کی بھی اجازت نہیں اور اگر کمال ہے تو وہ بھی اللہ کا دیا ہوا ہے، اس پر شکر کا موقعہ ہے لیکن بہرحال اگر کوئی فخر کرے بھی تو اپنے اندر کی چیز پر کرے، مثلاً علم پر، اخلاق پر، اگر اسے جھک ہی مارنا ہے تو کسی اندرونی کمال پر جھک مارے اندر کچھ نہ ہو اور باہر باہر کی چیزوں پر فخر کرے تو باہر کی چیزیں اسے چھوڑ دیں گی تو بے کمال رہ جائے گا تو یہ کیا کمال ہے، یہ کیا عزت ہوئی تو غرض اصل چیز اندرونی کمال کو اس لئے فرمایا کہ تمہارے نفس کے اندر تواضع اور انکساری ہو اور جب تم چلو تو چال میں بھی وہی انکسار آئے

وہی بندگی آئے اس میں نہ تکبر ہو نہ ضعف ہو۔ متانت ہو سنجیدگی ہو، وقار ہو، خود داری ہو کہ دوسرا یوں کہے کہ کوئی شائستہ انسان آرہا ہے لفنگا آدمی نہیں ہے۔ اس کے دل میں وقعت بیٹھے تو یمشون علی الارض ہونًا میں ادب ہوا رفتار کا، چال ڈھال کا، اب آگے قول ہے۔

مومن کی گفتار قول کے بارے میں فرمایا واذا خاطبہم الجاھلون قالوا سلٰمًا جب جاہل لوگ جہالت سے اس کے ساتھ معاملہ کریں اور باتیں کہیں اکھڑی اکھڑی بے تمیزی کی تو یہ نہیں کہ اس سے خود بھی الجھے کہ اسنے گالی دی تو تم بھی اسے گالی دینے لگو۔ اس نے اگر بدتہذیبی کی بات کی تو تم بدتہذیبی کرد، واذا خاطبہم الجاھلون، جب جاہل جاہلانہ حرکتوں سے خطاب کریں تو تمہارا جواب کیا ہو، قالوا سلٰمًا بھائی ہمارا سلام لو، ہم ان باتوں کو نہیں جانتے ہیں۔ تمہیں ہی مبارک ہو، یہ چیزیں ہمیں تو اسلام نے یہ چیزیں نہیں تبلائیں کہ ہم بحث مباحثہ کریں اور گالم گلوچ ہو اور ہم درشت کلامی سے پیش آئیں یہ تمہیں ہی مبارک ہو ۔ قالوا سلٰمًا۔ ہمارا تو سلام لو۔ ہم اس تماشہ کے آدمی نہیں ہیں۔ اسلئے کہ اگر آدمی لڑے بھڑے گا اور اس نے ایک گالی دی اور آپ نے دو دیں تو گالی مٹی نہیں بلکہ تگنی ہوگئی، اسنے ایک دی تھی دو آپ نے دیدیں، تین گالیاں جمع ہوگئیں۔ تو اس عالم میں گندگی پھیلی اور آپ نے گالی کا جواب سلام سے دیا۔ دعا سے دیا تو اسکی گالی مٹ گئی اور آپ کی دعا غالب آگئی اور عالم پاک ہوگیا جھگڑے سے دنیا پاک نہیں ہوتی بلکہ جھگڑے کو اور برائی کو خیر سے بدل دیا جائے تو دنیا پاک ہوجاتی ہے۔

غیروں کے شر کو اپنی خیر سے دفع کرو جیسا کہ قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم کہ دوسروں کے شر کو اپنی خیر سے دفع کرو گالی کا جواب گالی سے مت دو بلکہ اگر کوئی گالی دے تو تم کہو کہ بھائی صاحب! آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ مناسب نہیں جب آپ اسے بھائی صاحب کہیں گے تو خواہ مخواہ بھی شرمندہ ہوگا اور اس کی گردن

جھک جائے گی کہ اگلا تو بھائی صاحب کہہ رہا ہے میں کیسے گالیاں دوں۔ جب آپ خود ہی کہہ رہے ہیں کہ بھائی میں تو حقیر آدمی ہوں، تو وہ دوسرا لڑے گا تو کاہے پر لڑے گا اور آپ یوں کہیں کہ میں تجھ سے بڑا ہوں وہ کہے گا میں تجھ سے بڑا ہوں تو ضرور لاٹھی ڈنڈا چلے گا اور اگر وہ کہے کہ میں بڑا ہوں تو آپ کہیں کہ بے شک آپ بڑے ہیں میں تو حقیر آدمی ہوں اب اس کی لڑائی کہاں چلے گی؟ کس سے لڑے گا وہ! تواضع میں لڑائی نہیں ہوتی۔ وہ بہت ہی بدطینت ہوگا جو خواہ مخواہ لڑے گا ورنہ قاعدے میں لڑائی نہیں ہوسکتی ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ ادفع بالتی ھی احسن فاذالذی بینك وبینه عداوة كانه ولی حمیم کہ دوسرے کی برائی کو اپنی بھلائی سے دفع کرو اگر دشمنی بھی ہوگی اس کے دل سے جائے گی اور دوست بن جائے گا مگر یہ بھی وضاحت فرمادی وما یلقّٰها الا الذین صبروا وما یلقّٰها الا ذوحظ عظیم "یہ بات وہی کرسکتا ہے جس کے اندر صبر و تحمل ہو اور صواب و استقلال موجود ہو اور جو بڑا صاحب نصیب ہو اور جس کے قلب کے اندر قوت موجود ہو برداشت کرنے کی اور ذرا ذرا سی بات پر آنے سے باہر نہ نکل جائے کہ کوئی اسے گالیاں بھی دے تو سہہ جائے اور اور برائی بھی ہو تو سہہ جائے، کیوں سہیگا! اس لئے کہ اپنے کو بڑا نہیں جانتا ہے حقیر سمجھتا ہے۔ جب دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے تو کوئی گالیاں بھی دے برا بھی کہے تو کوئی اثر نہیں ہوگا، تو یہ کام صاحب نصیب اور خوش نصیب کے ہیں اس لئے فرمایا کہ جب جاہل لوگ جہالت کی گفتگو کریں تو ہنسی آمیز گفتگو کریں سخت کلامی سے پیش آئیں تو ان سے الجھو مت بلکہ یہ کہو کہ یہ روش تمہاری ہے ہم اس کے عادی نہیں ہیں بس سلام کر کے وہاں سے رخصت ہو جاؤ اور ان سے ہرگز نہ الجھو۔

سلام اور اسکی قسمیں واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلٰما اس سے معلوم ہوا کہ سلام بھی کئی قسم کا ہوتا ہے۔ قرآن میں ایک جگہ ارشاد باری ہے واذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منها او ردوها ایک سلام تو یہ ہے کہ جب کوئی مسلمان ملے

تو آپ کا فرض ہے کہ السّلام علیکم کہیں یہ تو سلام تحیت ہے، اور ایک سلام وداع ہے کہ جب کسی سے رخصت ہونے لگیں تو السلام علیکم کہہ کر رخصت ہوں یہ سلام تودیع اور سلام وداع اور رخصتی کا سلام ہے۔ اور ایک ہے سلامِ امن کہ جب جاہلانہ باتیں پیش آئیں تو آپ کہیں بھائی سلام ہے ایسی باتوں کو سلام ہے ہم اس کے عادی نہیں ہیں ہم تو جا رہے ہیں تم لڑے جاؤ اگر تمہارا جی چاہے یہ سلام امن ہے کہ امن پسندی کا ثبوت دے کر سلام کر کے چلے آئے تو گویا سلامتی ہے تحیت کرو گے کسی کو سلام کے ساتھ اس کا دل پگھلیگا دشمن کو بھی اگر آپ کہدیں گے السّلام علیکم تو ایک دفعہ تو دشمنی ڈھیلی ہو جاوے گی .... اور اگر دوست ہوگا تو اس کا دل بڑھ ہی جائے گا۔ رخصت کے وقت سلام کر کے رخصت ہوں گے تو آپ کو چھوڑ جاویں گے دلوں کے اندر اور اگر ویسے ہی منہ اٹھا کر بغیر سلام کئے تو لوگ کہیں گے کہ کیسا شخص ہے اسے تہذیب کا پتہ نہیں کوئی وقار قائم نہیں رہے گا۔ اور آنے کا سلام جو ہے اس سے محبت قائم ہوتی ہے جانے کا سلام ہے اس سے وقعت قائم ہوتی ہے۔ اور یہ امن پسندی کا سلام ہے اس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ بے غرض آدمی ہے اسکی بے غرضی کی عظمت قائم ہوتی ہے تو ہر صورت میں سلام کا نفع ہی نفع ہے اور سب سے بڑا نفع ہے اخلاقی وہ یہ کہ اول تو یہ دعا ہے السلام علیکم کے معنی ہیں کہ سلامتی ہو تم پر، اللہ کا نام سلام ہے اس کے نام کی برکت تمہارے اوپر آئے تو بھائی جب مسلمان دوسرے بھائی کو دعا دے گا کہ تمہیں اللہ سلامت رکھے تجھ پر سلامتی ہو تو دوسرا پگھل جائے گا وہ جواب میں کہے گا وعلیکم السّلام تم پر اللہ سلامتی نازل فرمائے، اب دشمنی کہاں سے ہوگی جب ایک دوسرے کو دعائیں دے رہے ہیں احادیث میں فرمایا گیا ہے البادی بالسلام بری من الکبر سلام میں جو ابتدا اور پہل کرے گا وہ تکبر سے بری ہو جائے گا اسی واسطے شرعی مسئلہ یہی ہے کہ آپ جائیں تو ہر شخص یہی کوشش کرے کہ میں پہل کروں سلام کرنے میں اس لئے کہ جب انتظار کرے گا کہ دوسرا سلام کرے یہ اپنی بڑائی ہے گویا وہ سمجھے گا کہ میں اس درجہ کا آدمی ہوں۔ میں کیوں سلام کروں۔ توبہ توبہ اس کا فرض ہے کہ مجھے سلام کرے اس

لئے شریعت نے حکم دیا کہ ہر شخص کوشش کرے کہ میں پہل کردوں تا کہ وہ کبر رفع ہو جائے۔ سلام میں ابتدا کرنے والا وہ تکبر سے بری ہو جاتا ہے اس کے دل میں تواضع اور خاکساری پیدا ہو جاتی ہے اسی واسطے شرعی حکم یہ ہے کہ اگر کوئی گھوڑے پر سوار ہو جائے اور دوسرے لوگ نیچے ہوں تو سوار کا فرض ہے کہ وہ سلام کرے اس لئے کہ اوّل تو سلام نہ کرنے میں اپنا کبر اور گھوڑے پر سوار ہے اور بھی زیادہ اس کی ناک اونچی ہو جائے گی۔ اس لئے اس کا فرض قرار دیا کہ وہ سلام کرے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں وہ سلام نہ کریں تاکہ اس کے دل میں کبر و رعونت نہ پیدا ہو گویا شریعت نے ہر موقع پر توجہ دلائی ہے کہ بندگی اختیار کرو، مثلاً

مدح کرنے والے کے منہ میں مٹی ڈالدو کوئی شخص کسی کے منہ پر تعریف کرے شریعت نے اس سے روکا ہے اور فرمایا ہے احثوا التراب فی وجوہ المداحین مدح کرنے والوں کے منہ پر خاک ڈالدو تاکہ ان کے دل میں کوئی تملق نہ رہے اور تمہارے دل میں کبر نہ رہے، الا یہ کہ مدح کرنے والا ایسا ہو کہ اسکی محبت کا صحیح اندازہ ہو چکا ہو کہ خالص مخلصانہ محبت سے کہہ رہا ہو۔ کوئی خوشامد، کوئی غرض، کوئی تملق پیش نظر نہ ہو، جذبات محبت کے ہوں۔ اسمیں تو خیر تحمل کر لیا جاتے، لیکن جیسے عام طور سے مدح سرائی کرتے ہیں امیروں کی پیسے لینے کی غرض سے وہ خوشامد ہوتی ہے کوئی وقعت نہیں ہوتی اس کا علاج یہی ہے کہ احثوا التراب فی وجوہ المداحین ان کے منہ پر خاک ڈالدو۔ مقصد یہ ہے کہ مدح کرنے والے کے دل میں تملق اور خوشامد نہ ہو اور جسکی مدح کی جارہی ہے اس کے دل میں کبر پیدا نہ ہو۔ اگر دونوں کے قلوب بری ہیں تو گنجائش ہے کہ بھائی کر لو مدح لیکن اگر یہ نہیں ہے کسی کے دل میں کھوٹ ہے تو اس کا فرض ہے کہ اس کھوٹ کو دفع کرے۔

حضرت گنگوہیؒ کا معمول حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں ایک قصیدہ لکھا مولینا حکیم محمد اسماعیل صاحب نے جو بمبئی میں حکیم اجمیری کے نام سے مشہور تھے بہت قابل لوگوں میں تھے اٹھانوے شعر کا برجستہ قصیدہ لکھدیا تو جس وقت حضرت کی

خدمت میں پیش کیا اور پڑھکر سنانے کی اجازت مانگی اول تو آپ نے اجازت نہیں دی بہت اصرار کے بعد اجازت دی اور جب سنا کر فارغ ہوگئے، انھوں نے سنا دیا حضرت نے سُن لیا خاموشی سے مگر بعد میں ایک چٹکی مٹی کی اٹھا کر حکیم صاحب کے منہ میں ڈال دی گویا حدیث کے الفاظ پر عمل کیا حالانکہ وہاں محبت خالص جذبات میں قصیدہ کہا اور برجستہ کہا لیکن پھر بھی حضرت نے پسند نہیں فرمایا یہ ہیں صفات رحمٰن کے بندوں کی چال ایسی ہو۔ قول یہ ہو۔ اسمیں تواضع اور خاکساری ہو کبر ورعونت نہ ہو

مومن کا سجود وقیام | آگے فرماتے ہیں والذین یبیتون لربھم سجدًا وقیامًا اور رحمٰن کے بندے ایسے ہیں کہ رات بھر نماز پڑھتے پڑھتے گذار دیتے ہیں۔ کبھی سجدہ کرتے ہیں، کبھی قیام کرتے ہیں پھر عبادت خداوندی میں روتے روتے پورا وقت گذار دیتے ہیں۔

دفع مضرت مقدم ہے جلب منفعت سے | یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جھنم اے اللہ! عذاب جہنم کو ہم سے ہٹا دیجئے ہمارے ذمہ لازم نہ ہو یہ ہمارے سر پر نہ پڑے گلے کا ہار نہ بن جائے۔ انھا ساءت مستقرا ومقامًا۔ یہ بدترین ٹھکانہ بدترین مقام ہے اے اللہ ہم کو اس سے نجات دیجیو۔ اس میں دفع مضرت کو خصوصیت سے بیان کیا ہے جلب منفعت یعنی نفع کمانا وہ اگلا کام ہے کہ جنت مانگو، رضاء خداوندی مانگو، دیدار الٰہی کی طلب کرو۔ مگر پہلے جہنم سے تو بچ جاؤ تو ضرر کا دفع کرنا مقدم ہے نفع کی خواہش سے اس لئے خصوصیت سے ذکر کیا ربنا اصرف عنا عذاب جھنم ان عذابھا کان غرامًا انھا ساءت مستقرًا ومقامًا۔

اب گویا یہ تین حالتیں آگئیں ایک ملتے کی اسمیں قول اور ہیئت کا ادب بتلایا ہے چال ایسی ہو، قال ایسی ہو، اس کے بعد تنہائی میں ذکر اللہ بتلایا ہے کہ توجہ الی اللہ کرتے رہو تنہائی میں بھی فارغ مت بیٹھو، بیکار اپنا وقت ضائع مت کرو، زبان سے اللہ اللہ کہے جاؤ، سبحان اللہ کہے جاؤ لاالٰہ الا اللہ کہے جاؤ۔ درود شریف پڑھتے جاؤ۔ اور جہنم سے پناہ مانگتے رہو۔ یہ تنہائی کے کام

ہیں اب گویا تنہائی ختم ہوئی اب معاملات آئے لین دین تجارت وزراعت مالیات کا لینا دینا آگے اس کے آداب بتلاتے ہیں۔

لین دین میں اعتدال اختیار کرنا چاہیئے والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواماً۔ جب کسی کو دینے پر آؤ تو فضول خرچی مت کرو۔ اتنی سخاوت مت کرو کہ گھر کا سارا سامان ہی اٹھا کر دیدو۔ اور پھر کل اپنے آپ بھیک منگے بن جاؤ۔ یہ کوئی دینا نہیں یہ تو فضول خرچی ہے اور اتنا ہاتھ بھی مت دو کہ ایک پائی بھی نہ نکلے ہاتھ سے یہ بخل ہے یہ زیبا نہیں اور فضول خرچی بھی زیبا نہیں رحمٰن کے بندوں کو دینا بھی ہو اور روکنا بھی ہو۔ دینا ہو اعتدال کے ساتھ۔ روکنا ہو اعتدال کے ساتھ۔ یعنی کسی برے مصرف میں صرف نہ ہو، حلال کی ہماری کمائی ہے اور چلی جائے حرام موقعہ میں، کھیل میں تماشوں اور باشوں میں یہ نہ ہونا چاہیئے بلکہ جب کمائی اپنی نیک ہے تو نیکی کے راستے پر خرچ بھی کرو۔ اور اعتدال کے ساتھ کرو۔ ایسا نہیں کہ گھر بھی خالی کردو جذبے میں آکر اور کل کو سوال کرتے پھرو اسی لئے اعتدال کا راستہ بتلا دیا کہ نہ فضول خرچی اور اسراف ہو اور نہ بخل اور تقصیر ہو کہ کچھ بھی نہ نکلے بلکہ وکان بین ذالک قواماً۔ اعتدال کے ساتھ ہو گویا یہ لین دین کا طریقہ اور ڈھنگ بتلایا کہ مومن کی اور رحمٰن کے بندوں کی شان ہونی چاہیئے کہ نہ وہ محض خرّاچ ہوں اور نہ محض بخیل ہوں۔ درمیان کا راستہ اختیار کریں کہ خرچ بھی کریں اور حسب ضرورت رکھیں بھی۔ روکیں برے مصرف سے اور خرچ کریں نیک مصرف میں اسمیں بھی اعتدال مدنظر رہے یہ تو ہوا بندوں کے ساتھ معاملہ اب آگے بتلایا کہ اللہ کے ساتھ کیا معاملہ ہونا چاہیئے۔

مومن کا معاملہ خدا کے ساتھ والذین لا یدعون مع اللہ الٰھاً آخر رحمٰن کے بندوں کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ کے ہوتے ہوئے کسی غیر اللہ سے فریاد نہیں کرتے نہ غیر اللہ سے بیٹا مانگتے ہیں نہ غیر اللہ سے استغاثہ کرتے ہیں نہ غیر اللہ کے سامنے جھکتے ہیں نہ غیر اللہ کو حاجت روا سمجھتے ہیں حتیٰ کہ انبیاء علیہم السّلام جیسی پاک

مخلوق کہ ان سے زیادہ کوئی مقدس نہیں ان سے بھی استغاثہ نہیں کرتے ان کی عبادت بھی نہیں کرتے عبادت صرف ایک ہی ذات کی کرتے ہیں. مانگتے ہیں تو صرف ایک ہی ذات سے، حاجت روا ایک ہی کو سمجھتے ہیں۔ انبیاء اور اولیاء کو حاجت روا نہیں سمجھتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جیسے ہم بندے ہیں محتاج اللہ کے یہ بھی اللہ کے بندے ہیں۔ اللہ کے محتاج ہیں۔ ہمیں تو وہ دے گا جو صرف اپنی ذات سے غنی ہو وہ صرف اللہ کی ذات ہے تو پکارتے ہیں تو صرف اللہ کو پکارتے ہیں، یہ نہیں پکاریں گے غوث الاعظمؒ کو پکارنے لگے، حضرت خواجہ معین الدینؒ اجمیری کو پکارنے لگے، حضرت صابر کلیریؒ کو یہ ان کے راستے سے انحراف ہے، کیا وہ بھی پکارتے تھے ان مشائخ کو، وہ تو اللہ کو پکارتے تھے، انہوں نے تو اپنے سلسلہ میں اس لئے داخل کیا تھا تم کو کہ جسطرح ہم اللہ کے سامنے جھک رہے ہیں اسی طرح تم بھی جھکو اللہ کے سامنے، تم نے وہ راستہ چھوڑ دیا اور ان ہی کے آگے جھکنا شروع کر دیا انہوں نے کب کہا تھا کہ ہمارے آگے جھکو وہ تو اس سے روکتے تھے۔

انبیاء نے شرک کی تعلیم نہیں دی بلکہ وحدت کی تعلیم دی ہے | قرآن کریم میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے صاف تعلیم موجود ہے اولیاء تو ان کے بعد کے ہیں۔ وما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتب وبما کنتم تدرسون۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کسی کے لئے یہ زیبا نہیں کسی کے لئے یہ جائز نہیں جبکہ اس بشر کو اللہ علم دے حکمت دے اور نبوت دے اور وہ یوں کہے لوگوں سے کہ کونوا عباداً لی کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے پکارنے لگو یہ کسی بشر کے لئے جائز نہیں انبیاء کے لئے بھی جائز نہیں انبیاء کا طبقہ سب سے زیادہ مقدس طبقہ ہے جب ان کو یہ تنبیہ ہے حق تعالیٰ شانہٗ کی تو دوسرے کس شمار میں۔ کسی نے بھی اس قسم کی تعلیم نہیں دی کہ تم اللہ کو چھوڑ کر ہمیں پوجنے لگو بلکہ تعلیم یہ دی کہ تم ربانی بن جاؤ اور ربانی بننے کے لئے آتے ہو۔ انسان یا آدمی کی پکار کرنے کے لئے

نہیں آئے ہو۔ ربانی بنو۔ مگر کب بنو گے؟ جب تم کتاب اللہ کی تعلیم کرو گے اس کے درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھو گے۔ پھر توحید معلوم ہو گی، پھر اللہ کے آگے جھکنے کا نہیں علم ہوگا پھر اسی کے آگے جھکو گے کسی دوسرے کو نہیں پکارو گے۔

شرک کوئی مذہب نہیں اگر تم نے کتاب اللہ کو چھوڑ دیا اور اس کا علم بھی حاصل نہ کیا تو جہالت کے ساتھ جس کے آگے چاہے جھک جاؤ۔ پتھر کے آگے جھک جاؤ۔ آگ کے آگے جھک جاؤ۔ نہیں جھکو گے تو خدا کے آگے نہیں جھکو گے، سب غیر کے آگے جھکیں گے یعنی شرک میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ شرک کوئی مذہب نہیں یہ تو خدا کی پھٹکار ہے اس واسطے کہ حق تعالیٰ معبود حقیقی ہیں جب اس کے آگے نہ جھکے تو دنیا کی ہر چیز کے آگے اسے جھکواتے ہیں کہ اس کے آگے بھی ذلیل ہو، اس کے آگے بھی ذلیل ہو، اتنا ذلیل و خوار کرتے ہیں کہ آگ کے آگے وہ جھکا ہوا ہے، پانی کے آگے وہ جھکا ہوا ہے آدمی کے آگے وہ جھکا ہوا ہے حتیٰ کہ لوگوں نے انتہا کر دی کہ شرمگاہوں کے آگے جھکے ہوئے ہیں سجدہ کے لئے تو یہ کوئی مذہب ہے! یہ تو پھٹکار ہے خدا کی،

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت
بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

جب اس عزت والے کی بارگاہ کے سامنے نہ جھکے تو ایک ذرے کے آگے ناک رگڑواتے ہیں کہ اس کے آگے جھکو اس کے آگے بھی ذلیل ہو۔ کہیں تمہارے لئے عزت نہیں تو یہ شرک تو پھٹکار ہے کوئی مذہب نہیں ہے۔

اصل مذہب توحید ہے اسی کی انبیاء نے تعلیم دی مذہب تو توحید ہے ایک ہی کے آگے جھکو ایک ہی کو حاجت روا سمجھو ایک ہی کو مشکل کشا سمجھو ایک ہی کو قاضی الحاجات سمجھو ایک ہی کو دافع المصیبات سمجھو، اور نیاز مانگو تو اسی سے، رزق مانگو تو اسی سے، صحت مانگو تو اسی سے ایک ہی ہے کرنیوالا۔ اس کے سوا کوئی نہیں، ہر ذرہ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے اس لئے فرمایا کہ جس بشر کو ہم علم دیں اس کا یہ کام نہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو یوں کہے، کہ اللہ کو چھوڑ دو اور میرے بندے بنو اللہ کو

مت پکارو مجھے پکارا کرو یہ کبھی نہیں ہو سکتا ہے۔ نہ اولیاء اللہ کا یہ کام ہے انبیاء کرام کا تو کیا ہی ہونا۔ انبیاء اور اولیاء اس سے بری ہیں۔ یہ سب جاہلانہ حرکتیں ہیں جب علم نہیں ہے کہ ہمارا آقا کون ہے تو جسے چاہو آقا بنالو، اور جب علم ہے کہ آقا ایک ہے تو پھر آدمی کسی کا بندہ نہیں بنے گا۔ تو یہ سب لاعلمی اور جہالت کے کرشمے ہیں کہ اس کے آگے جھک اس کے آگے جھک اس سلسلہ میں ایک شعر ہے غالباً جگر مراد آبادی کا ہے اور بہت ہی اچھا شعر ہے لفظی صنعت بھی اچھی ہے الفاظ بھی عمدہ ہیں اور مضمون تو اچھا ہے ہی۔ شعر ہے ؎

سر جس پہ نہ جھک جائے اسے در نہیں کہتے
اور ہر در پہ جو جھک جائے اسے سر نہیں کہتے

کیا اچھی بات کہی سر وہی ہوگا جو ایک کے آگے جھکے گا اور ہر در پہ جو جھکے وہ سر نہیں وہ تو گیند ہے ٹھوکر ماری یہاں جھک گیا ٹھوکر ماری وہاں پہنچ گیا۔ تو مسلمان ٹھوکروں گیند بننے کے لئے آیا ہے؟ یہاں اس کو ٹھوکر دیدی وہاں جاکر گر پڑا۔ وہ تو ایک آقا کا غلام ہے اور پھر سب کے اوپر مخدوم ہے۔ آقا ہے ساری کائنات اس کے تحت میں ہے اور اس کے زیر حکم ہے تو بہر حال یہ ہونا چاہیئے مومن کا کام کہ یبیتون لربھم سجدا وقیاما۔ رات دن اللہ کی عبادت میں مصروف رہیں۔ اسی سے مانگنا اسی سے فریاد کرنا۔ لا یدعون مع اللہ الٰھاً آخر اللہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے کو معبود بنالینا، رب بنالینا یہ رحمٰن کے بندوں کا کام نہیں یہ تو شیطان کے بندوں کا کام ہے۔ شیطان ہی کہتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز کے آگے جھکو اور ہر ذرے کے آگے ذلیل ہو اس لئے کہ وہ انسان کی ذلت چاہتا ہے، اللہ چاہتا ہے کہ میرے بندے عزت سے رہیں اور عزت اسمیں ہے کہ مالک کے آگے جھکے یہ تو تھی بحث عقائد کی اب آگے رہے اعمال تو وہ یہ کہ رحمٰن کے بندوں کے کام کیا ہونے چاہئیں۔

مومن کی قتل وغارت گری | فرمایا ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا

بالحق لوگوں کے قتل وغارت سے بچتے ہیں۔ جھگڑے، گردنیں مارنا، بدامنی پیدا کرنا یہ رحمٰن کے بندوں کا کام نہیں ہے کہ بس تلوار ہاتھ میں ہے اور مارتے ہوئے چلے گئے۔ زبان قینچی کی طرح چل رہی ہے ذلیل کرتے ہوئے چلے گئے یہ تو شیطان کے بندوں کا کام ہے یہ رحمٰن کے بندوں کا کام نہیں ہے کہ قتل وغارت گری کرتے پھریں ہاں الا بالحق خدائی حکم لے کر قتل وغارت گری کرنا خدا کے بندوں میں ایسے ناہنجار پیدا ہوگئے کہ وہ اللہ کے آگے نہیں جھکتے اور جھکنے والوں کو وہ پامال کرنا چاہتے ہیں اُس فتنہ کو دفع کرنے کے لئے قتل کر سکتے ہیں باقی انسانی، غیظ وغضب نکالنے کیلئے قتل کرنا یہ مومن کا کام نہیں تم دنیا میں اس لئے نہیں آئے ہو کہ نفسانی غیظ کے لئے لوگوں کو قتل کرو جس نفس کو اللہ نے حرام کر دیا ہے تمہیں کیا حق ہے اسے حلال کرنے کا۔

بندہ وہ ہے جو بندگی اختیار کرے بندہ وہ ہے جو آقا کا فرمانبردار ہو اور آقا کا فرمان مانے اگر آقا کہے کہ قتل وغارت کرو کہ بہت اچھا اور آقا کہے کہ امن سے رہو کہ بہت اچھا، اگر آقا کہے کہ تخت وسلطنت پر بیٹھو کہ بہت اچھا اور اگر یوں کہے کہ غلام بن کر ٹوکرا اٹھاؤ کہ بہت اچھا تو بندہ وہ ہے، کہ جو آقا کا حکم ہو وہ کرے ہر طرح سے اللہ کے حکم کی پابندی کرے یہی بندگی ہے اگر وہ کہے کہ نماز پڑھو تو نماز پڑھنا بندگی ہے وہ کہیں کہ ہرگز نماز مت پڑھو تو نماز چھوڑ دینا بندگی ہے پھر جائز نہیں نماز پڑھنا۔ وہ حکم دیتے ہیں کہ پانچ وقت میں نماز پڑھو یہی عبادت ہے اور تین وقتوں میں حکم دیا گیا کہ حرام ہے نماز پڑھنا۔ عین طلوع کے، عین غروب کے وقت، عین زوال کے وقت، ان وقتوں میں پڑھو گے تو گنہگار ہو جاؤ گے، معلوم ہوا کہ نہ نماز کا پڑھنا عبادت ہے، نہ چھوڑنا عبادت ہے بلکہ کہنا ماننا عبادت ہے۔ ہم اگر کہیں کہ چھوڑ دو تو چھوڑنا عبادت ہے، رمضان آیا حکم دیا کہ روزے رکھو روزہ رکھنا عبادت ہے عید کا دن آیا حکم ہوا کہ آج ہرگز روزہ مت رکھو روزہ رکھنا بالکل جائز نہیں تو روزہ نہ رکھنا عبادت ہے معلوم ہوا کہ نہ روزہ رکھنا عبادت ہے نہ ترک روزہ عبادت ہے بلکہ کہنا ماننا عبادت ہے جب ہم کہیں

کہ روزہ رکھو تو روزہ رکھو اور جب ہم کہیں کہ روزہ ہرگز مت رکھو، ہم کہیں کہ لا تمش فی الارض مرحا کہ زمین پر اکڑ کر مت چلو۔ متکبروں کی چال مت چلو تو عبادت وہی ہے کہ آدمی تکبر سے نہ چلے اینٹھ مروڑ کیساتھ نہ چلے اور جب حکم دیں کہ خوب اکڑ کر چلو تو خوب اکڑ کر چلو جیسے طواف کے اندر جس طواف کے بعد سعی ہوتی ہے ابتدار کے چار پھیروں ہیں احرام کی چادر نیچے ڈال کر خوب اکڑ کر چلیں بوڑھے ہوں بچے ہوں۔ جوان ہوں خوب اینٹھ کر چلیں، مونڈھے ہلاتے ہوئے جیسے معلوم ہو کہ بڑے پہلوان ہوں، جس چیز سے روکا تھا اسے وہاں واجب قرار دیدیا کہ ہمیں یہی پسند ہے کہ خوب اکڑ کر چلو، جہاد کے اندر یہ حکم ہے کہ جب دشمنوں کے سامنے آؤ تو وہاں تواضع اختیار مت کرو۔ کہ گردن جھکا کے صوفی بن کے جاؤ بلکہ خوب اینٹھ کر اکڑ کر آنکھیں نکال کر چلو تاکہ ان کے اوپر ہیبت پڑے وہاں وہی پسند ہے تو حاصل یہ نکلا کہ آقا کی پسند پر موقوف ہے آپ کی پسند کوئی چیز نہیں، اپنے نفسانی جذبے سے کچھ نہ کرو، وہ کہیں کہ اکڑ کر چلو تو تم کہو کہ بہت اچھا وہ کہیں کہ جھک کر چلو تم کہو کہ بہت اچھا۔ تابع فرمان رہنا ہی ہے بندگی، اسی لئے فرمایا کہ لا یقتلون بس وہ قتل و غارت نہیں کرتے، وہ جھگڑے نہیں اٹھاتے، وہ امن پسند ہیں الا بالحق مگر جہاں لوگ حق ہی کو پامال کرنے کے کھڑے ہو جائیں پھر سرکوب بھی کیجئے، پھر جوتا اٹھانا بھی شروع کیجئے اس لئے کہ بعضے لوگ بات سے باز نہیں آتے ہیں لات سے آتے ہیں۔ بات سے کتنا ہی سمجھاؤ کبھی نہیں مانینگے جوتہ کھاؤ تو فوراً گردن جھکا دیں گے شریف الطبع آدمی اخلاق کی بات سے جھک جاتا ہے اور رذیل الطبع جب تک جوتہ سر پر نہ اٹھاؤ وہ بات کو مانتا نہیں تو پہلے شرافت سے کام لو جب مانتا نہیں تو جوتہ اٹھاؤ اس کے سوائے چارہ کاری نہیں کیا دنیا کو بدامنی میں چھوڑ دیا جائے۔ بڑی اچھی بات کہی ہے کوثر نے یہ میرٹھ کا ایک شاعر ہے اور بڑا اچھا شاعر ہے واقعی خوب ہی بات کہی ہے کہ ؎

اصحاب وعمل کی دنیا میں دستور یہی ہے جینے کا
اخلاق سے جینا کرتے ہیں احسان سے مارا کرتے ہیں

اسں میں جینے کا دستور بتایا ہے کہ شریف آدمی وہ ہے کہ اخلاق سے دلوں کو جیت لے اور احسان کر کے دشمن کو بھی نیچا دکھادے وہ ہے شریف الطبع اور ڈنڈے کے روز سے تو سانپ بھی آرام کر لیتا ہے جب ان کے سامنے آتا ہے تو سب کھڑے ہو جاتے ہیں تو اسکی تعظیم سے تھوڑا ہی کھڑے ہوتے ہیں بلکہ اپنی حفاظت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں کہ کہیں کاٹ نہ لے اگر لوگ آدمی سے بھی ایسے ہی ڈریں جیسے سانپ سے ڈرتے ہیں تو آدمی میں اور سانپ میں فرق ہی کیا ہے بلکہ آدمی وہ ہے شریف کہ جس کی شرافت مسلم ہو اور لوگ اس کی عظمت کی خاطر کھڑے ہوں، بھیڑیا آئے گا جب بھی آپ کھڑے ہو جائیں گے مگر اس لئے نہیں کھڑے ہوں گے کہ بھیڑیئے کی تعظیم آپ کے دل میں ہے نہیں بلکہ وہ موذی ہے اس کی ایذا سے بچنے کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو وہ شاعر کہتا ہے کہ اخلاق سے جیتا کرتے ہیں احسان سے مارا کرتے ہیں، اگر کسی کو مارنا ہے تو تلوار سے مارا تو کیا مارا احسان سے مار جو عمر بھر یاد رکھے۔ اور کسی کے دل کو ڈنڈے سے جیتا کہ میرا بن تو وہ کبھی بھی نہیں بنے گا اخلاق سے پیش آؤ تو وہ خود ہی بندہ بن جائے گا بہر حال یہ رحمٰن کے بندوں کی شان فرمائی گئی۔

نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں اور فرمایا ولا یزنون اور نہ بدکاری کرتے پھرتے ہیں ومن یفعل ذالك یلق اثاما۔ اور جو یہ کام کرتے ہیں زناکاری کے بدکاری کے تو ان کا ٹھکانہ اثام ہے، ایک وادی ہے جہنم کی اور اتنا شدید عذاب ہے اسمیں کہ خود جہنم بھی اس عذاب سے پناہ مانگتا ہے، یہ ٹھکانہ ان لوگوں کا ہوگا یضاعف له العذاب یوم القیمة دوگنا اور تگنا عذاب کیا جائے گا ان کا عذاب۔ ویخلد فیه مهانا اور ان کو ایک لمبی مدت تک عذاب میں گرفتار رکھا جائے گا۔ الا من تاب بچ جائے گا عذاب سے وہ جس نے توبہ کی، تو یہ مایوسی سے بھی بچا دیا گیا عمر بھر کی بدکاری مگر دل میں رجوع الی اللہ پیدا ہوا سچے دل سے توبہ کی مٹا دیا گیا۔ سوائے حقوق العباد کے باقی سب چیزیں مٹا دی جائیں گی، جب سچی توبہ کرے آدمی تو پھر معاف کر دی جاتی ہیں

اور بالفرض اگر توبہ بھی نہ کی وعمل عملاً صالحاً نیکی کا راستہ اختیار کیا توفاولٰئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات وہ نیکیاں ہی خود ان بدیوں کو مٹا دیں گی۔ اور آدمی پاک بنے گا تو توبہ کر کے راستہ سیدھا کر لیں اور جس نے ابھی توبہ نہیں کی اور رستہ چل رہا ہے نیکیوں کا تو وہ نیکیوں کی کثرت خود بدی کو مٹا دے گی اس لئے کہ نیکی روشنی اور نور ہے۔ اور بدی ظلمت ہے۔ جب چاند ہوتا ہے تو ظلمت خود بخود ختم ہو جاتی ہے کسی مکان میں اندھیرا پڑا ہوا ہے چراغ جلا دو ظلمت بھاگ جاوے گی۔ بھگانے کی ضرورت نہیں وکان اللہ غفوراً رحیماً۔ اور اللہ تو غفور رحیم ہے ومن تاب وعمل صالحاً فانہ یتوب الی اللہ متاباً۔ اور جو عمل صالح اختیار کرتا ہے اللہ ہی اس کی توبہ قبول کرتا ہے وہ تواب رحیم ہے۔ یہاں تک گویا خلوت بھی آگئی جلوت بھی آگئی، قول بھی آگیا، عمل بھی آگیا، چال بھی آگئی ڈھال بھی آگئی، ہر چیز میں فرمایا گیا ہے کہ رحمت اور بندگی کی شان ہونی چاہیئے یہ ہے رحمٰن کے بندوں کی علامت۔

مومن کے مقدمات وخصومات

اب آگے معاملات، اور مقدمات اور خصومات لڑائی جھگڑے کرنے پڑتے ہیں، نیک آدمی بھی اسمیں مبتلا ہو جاتے ہیں، بعض دفعہ مقدمہ بازی میں جب ایک شخص ظالمانہ طریق پر کسی کی جائداد پر قبضہ کرتا ہے وہ خواہ مخواہ مقدمہ لڑے گا۔ کہ بھائی یہ میری مملوک چیز ہے، یہ خواہ مخواہ اسمیں آرہا ہے استغاثہ کر کے حکومت میں جائے گا برادری کو جمع کرے گا کہ صاحب ملک تو میری ہے۔ اور یہ قابض ہونا چاہتا ہے، تو مقدمہ بازی کی بھی نوبت آئے گی، خصومت اور جھگڑوں کی بھی نوبت آئے گی،

اسمیں فرماتے ہیں کہ دیانت کا برتاؤ کرو، جو اصلیت ہو وہ ظاہر کرو۔ جھوٹ مت بولو والذین لایشھدون الزور جھوٹ کی اور مکر و فریب کی شہادت مت دو۔ سچی گواہی دو چاہے اسمیں اپنا نقصان بھی ہو جائے بعض شکلوں میں کہ صاحب یہ جو حملہ کر رہا ہے تیری جائداد پر اتنی بات میں حق پر ہے اور اتنی بات میں غلطی پر ہے پھر اس کے دل میں بھی خیال ہوگا کہ بھائی دیانت داری سے معاملہ ہو رہا ہے تو وہ عدالت

سے خود ہی ہٹ جائے گا، کہ جب تم نے حق مان لیا تو جتنا مانا اتنا ہی دیدیجئے۔ تو سچے آدمی کی بات یہ ہے کہ چاہے اسمیں اپنا نقصان ہو مگر جو بات حق ہے وہ کہدے کہ یہ میرا دشمن ہے مگر اتنی بات سچی کہہ رہا ہے اتنا واقعی اس کا حق ہے۔ یہ تو واجب ہے مجھ پر دینا اور میں دوں گا۔ اور باقی اتنی بات غلط ہے یہ خواہ مخواہ بھی میرے حق پر قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ بھی شرمندہ ہو جائے گا۔ تو گواہی جھوٹی نہ دے آدمی سچی گواہی دے۔

پُرلطف واقعہ مگر بعضی سچی گواہی بھی آدمی کو پھانسی دیتی ہے وہ بیچارہ کوئی جامہ باف تھا کپڑے وغیرہ بنایا کرتا تھا، غریب تھا وہ متمول ہوگیا، لکھ پتی بن گیا کپڑوں کی دکان بن گئی اب اسے سید بننے کی سوجھی اس نے کہا میں نیچا کیوں رہوں سادات کی خاندان میں اس نے رشتہ بھیجا اب انہوں نے تحقیق شروع کی کہ یہ ہے بھی سادات میں سے یا نہیں۔ اس نے کچھ فرضی گواہ جمع کرلئے کہ تمہیں ایک ہزار دوں گا تمہیں دو ہزار دوں گا بس گواہی دیدینا کہ میں بھی سادات میں سے ہوں تو بعض لوگ جھوٹ بولنے پر تیار ہو گئے ایک پٹھان تھا خان صاحب اس نے کہا کہ ہم گواہی دیں گے تمہارے سید ہونے کی ہمیں پیسے دینے کی ضرورت نہیں۔ ہم گواہی دیں گے تمہاری ان کے اوپر زیادہ اعتماد تھا اس لئے کہ وہ ڈبل آدمی تھا کہ جب یہ عدالت میں جاکر کہے گا کہ یہ سیّد ہے تو پھر عدالت میرے سیّد ہونے کو مانے گی خان صاحب پر اعتماد کی وجہ سے اس نے اور گواہوں کو بھی ہٹا دیا کہ بس یہ خان صاحب ایک گواہ کافی ہے اور باقی میرے گھر والے ہیں، باقی گواہوں کو کہدیا کہ تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ خواہ مخواہ میں جھوٹی گواہی دلواکر اتنے آدمیوں کو پھنساؤں، اور ہزاروں روپیوں کو خرچ کروں۔ کیا ضرورت ہے۔ جب بلاخرچ دینے سچی گواہی دینے کو تیار ہے وہ عدالت میں پہونچے جج نے کہا کہ تمہارے سادات ہونے کی کیا گواہی ہے۔ اس نے کہا کہ خان صاحب گواہی دیں گے، خان صاحب نے کہا کہ میں گواہ ہوں اس کے سادات ہونے کا۔ جج نے کہا کہ تم کیسے گواہ ہو؟ خان صاحب کہنے لگے کہ یہ لوگ تو نے

سنائے کہہ رہے ہیں کہ یہ سید ہے میں نے تو اسے سید بنتے ہوتے دیکھا اس واسطے میری گواہی سے زیادہ کس کی گواہی معتبر ہوگی؟ یہ تھے تو اصل میں فلاں قوم کے میرے سامنے ہی تو بنے ہیں۔ میں نے تو آنکھوں سے دیکھا ہے ان کو سید بنتے ہو۔ تو مجھ سے زیادہ معتبر کون گواہ ہوگا ان کے سید ہونے کے بارے میں تو اس سچی گواہی سے اس کا بیڑا غرق ہوگیا وہ سارا مقدمہ ختم ہوگیا۔ مزید اور مقدمہ جھوٹا قائم ہوگیا کہ خواہ مخواہ وہ سید بننے کی کوشش کر رہا ہے تو خیر گواہی تو سچی تھی مگر پھانس دیا اس بیچارے غریب کو کیا مصیبت پڑی تھی کہ گواہی دیں جاکر کہہ دیتے کہ میں گواہی نہیں دیتا ہوں۔

بری مجلس میں نہ بیٹھو | تو بہرحال یہ قرآن کا حکم ہے کہ شہادت زور جھوٹی گواہی مکر و فریب کی یہ کام رحمٰن کے بندوں کے نہیں ہیں اور جس مجلس میں ایسی بیہودہ گواہیاں ہوں بیہودہ باتیں ہوں مرّوا کراماً رحمٰن کے بندوں کا کام ہے کہ وہ آنکھ نیچی کر کے گذر جائیں اس مجلس سے وہاں کھڑے بھی نہ ہوں کہ وہاں بری باتیں ہو رہی ہیں۔ جھوٹ بکا جا رہا ہے، غیبت ہو رہی ہے۔ بھائی چھوڑو ان مجلسوں کو، دوسری جگہ چلو، یہ شان ہونی چاہیئے رحمٰن کے بندوں کی یہ شان ہوگئی معاملات کی اب آگے اپنی بندگی کا ثبوت ہے۔

قرآن پڑھو تدبیر کے ساتھ وہ زندگی کا دستور ہے | والذین اذا ذکروا بایات ربھم لم یخرّوا علیھا صمّاً وّ عمیاناً جب اللہ کی آیت ان کے سامنے پڑھی جائے تو غور اور تدبیر کر کے جھکے ان آیتوں کی طرف یہ نہ سمجھے کہ بس یہ تو الفاظ ہیں ان میں معانی کچھ نہیں زیادہ سے زیادہ بس ثواب ہی مل جائے گا۔ بھائی ثواب بھی کماؤ مگر تدبیر اور غور بھی کرو کہ میرے اللہ نے ان الفاظ میں کیا کہا ہے لم یخروا علیھا صمّاً و عمیاناً اندھے اور بہرے ہوکر نہ گذرو۔ بلکہ بینا اور شنوا ہو کر گذرو۔ حجت کے ساتھ دلیل کے ساتھ، نورانیت کے ساتھ معانی کو اور آیتوں کو سمجھو یہ نہ ہو کہ بس الفاظ سن لے ثواب تو مل ہی گیا اب اور کیا چاہیئے وہ ثواب تو لفظوں

کاملا لیکن قرآن لفظ محض تو نہیں ہے وہ تو ہدایت نامہ ہے۔ وہ تو زندگی کا دستور ہے۔

صرف الفاظ ہی پر قناعت نہ کرو قرآن اس لئے نہیں آیا کہ اس کے الفاظ رٹ لیا کرو آخر آپ کے سامنے تعزیرات ہند جب آتی ہے تو آپ یہ کہتے ہیں کہ صاحب یہ بڑی برکت کی چیز ہے۔ لہٰذا دفع چار پانچ کو میں نے پڑھ لیا بس کافی ہے اور مقدمہ ہاتھ میں لے لیا۔ نہیں بلکہ آپ بیرسٹر کی تلاش کرتے ہیں کہ اس کے معانی سمجھاؤ کس دفعہ کے تحت میں مقدمہ لڑوں کس دفعہ کے تحت میں استغاثہ کروں تو قرآن میں بھی لفظوں پر قناعت نہ کرو ثواب حاصل کر کے اس کے معانی کی طرف جاؤ کہ میرا آخرت کی نجات کا مقدمہ کونسی آیت سے حاصل ہوتا ہے کیوں وکلاء یعنی علماء کو تلاش کرتے ہیں؟ اس لئے کہ وہ سمجھائیں گے اس کا مطلب کہ اس دفعہ کا کیا مطلب ہے اور اس آیت کا کیا مطلب ہے اور میرا معاملہ کونسی آیت سے متعلق ہے۔ میں اپنا معاملہ کس طرح اللہ کے سامنے رجوع کروں۔ آپ مجھے وہ حیلہ بتائیں وہ آیت بتائیں

علماء ربانی وکلاء دین ہیں آپ وکلاء کو پچاسوں ہزار فیس دے کر لاتے ہیں تاکہ جائداد محفوظ ہو وہ وکلاء ہیں اس تعزیرات کے جس کو تعزیرات ہند کہتے ہیں۔ اور علماء تعزیرات سماوی کے وکلاء ہیں یہاں ایمان کی جائداد محفوظ رکھنے کے لئے ان ہی وکلاء کو تلاش کرنا پڑے گا جن کو علماء کہتے ہیں یہ آسمان سے آئی ہوئی کتاب کے وکلاء ہیں اگر آپ بیرسٹر کی عظمت کرتے ہیں ان وکلاء دین کی بھی عظمت کرنی پڑے گی مگر صحیح معنی میں وکلاء ربانی علماء ہیں اہل اللہ ہیں مگر آجکل بہت سے لوگ علماء کا لبادہ پہن کر آگئے ہیں اندر سے جاہل ہیں اور اوپر سے لباس مولویت کا پہنے ہوئے ہیں۔ اور جب وہ جاہلانہ باتیں کرتے ہیں تو لوگوں کے دلوں سے علماء کی عظمت نکل جاتی ہے کہ یہی ہے وہ لفنگا مولوی۔ دنیا بھر میں کسی کو کافر کسی کو مشرک تبلاتا پھرتا ہے بس جو زبان پر آیا کہدیا زبان کیا قینچی ہے جو چل رہی ہے اور ہدایت کے نام ایک لفظ

نہیں ہے کہ کوئی تربیت کرے کوئی ٹریننگ دے یہ نہیں تو علماء ایسے نہیں بلکہ علماءٔ ربانی جو علماء آخرت ہیں، اللہ سے ڈرنے والے ہیں اور دین کی بات پہنچاتے ہیں ان کی وقعت کرنی پڑے گی۔ اور یہ تو ہدایت سے متعلق ہے کہ خواہ مخواہ بھی وقعت کریں گے، اگر ایمان عزیز ہے تو لامحالہ وقعت کرنی پڑے گی جیسے وہاں جان عظیم ہے۔ اس کے بچانے کے لئے آپ وکیل کی عظمت کرتے ہیں اور فیس دیتے ہیں۔ خیر علماء تو فیس بھی نہیں مانگتے ہیں کہ جب تک فیس نہ ادا کریں کوئی مسئلہ نہیں بتائیں گے ایسا نہیں بلکہ بغیر فیس کے مسائل بتانے والے ہیں جب فیس لیکر مقدمہ لڑانیوالوں کی عظمت کرتے ہیں تو جو بے فیس کے مقدمہ لڑائیں آپ ان کی عظمت کیوں نہیں کرتے

اولاد صالح کی دعاء اولاد طالح سے پناہ | والذین یقولون ربنا ھب لنا الخ یہاں تک معاملہ تھا ان کا جو موجود ہیں یں اور آپ والد لڑکا، باپ بیٹا۔ دادا اسوقت جو موجود ہیں، لیکن شریعت نے اس بات کی بھی تعلیم دی ہے کہ آگے جو آنیوالی نسل ہے اسکی ابھی سے خیر خواہی شروع کرو۔ حالانکہ وہ ابھی آئی ہی نہیں دنیا میں، مگر ابھی سے رحمت کا معاملہ کرو۔ دعائیں مانگو کہ اے اللہ! ہمیں عطا کیجیے ہماری ازواج سے وہ ذریت جو متقیوں کے لئے رہنما بنے تقویٰ اور طہارت کو دنیا والوں کے سامنے رکھے اے اللہ! ایسی اولاد دیجیے جو تیری رحمت کا مورد بنے اور اس کے اوپر رحمت اترے اور جب ہماری اولاد پر رحمت اترے گی تو ہمارے لئے بھی خوشی کا باعث بنے گی تو رحمٰن کے بندوں کا فقط یہی کام نہیں ہے کہ وہ ملنے والوں پر ہی شفقت کریں بلکہ جو آئندہ آنے والے ہیں ان پر بھی ابھی سے شفقت شروع کردیں دعائیں مانگ کر ان کو اللہ سے طلب کریں کہ وہ ایسے نیک ہوں، ایسے صالح ہوں تاکہ وہ بھی رحمت کا محل بن جائیں۔ ان پر رحمت اترے، ہماری اولاد ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہمارے لئے وبال جان نہ ہوں جیسے حدیث میں آپ نے فرمایا اللّٰھم انی اعوذ بک من ولد یکون علیّ عذابا۔ اے اللہ! ایسی اولاد سے پناہ مانگتا ہوں جو میرے اوپر عذاب

بن کر مسلط ہو۔ جو میرے اوپر مصیبت بن جائے، نافرمان اور اوباش، گستاخ اور بیکار کہ رات دن مصیبت اٹھاؤں ایسی اولاد سے میں پناہ مانگتا ہوں، اس سے تو بے اولاد ہی رہے آدمی تو اچھا ہے۔ وہ مثل مشہور ہے کہ اولاد تو بور کے لڈو ہیں جو کھائے وہ بھی پچھتائے جو نہ کھائے وہ بھی پچھتائے تو بور کے لڈو نہ مانگو بلکہ حقیقت میں گوندی کے لڈو مانگو۔ جو واقعی میٹھے بھی ہوں۔ اور بور کے لڈو وہ تو چولائی وغیرہ میں مٹھائی بھون کر دیتے ہیں تو دیکھنے میں تو وہ لڈو بہت بڑے ہوتے ہیں اور دباؤ تو وہ چھوٹے سے ہو کر رہ جاتے ہیں انمیں کچھ بھی نہیں ہوتا ہے کھاؤ تو کچی مٹھائی کی تلخی آتی ہے تو اسے کہا کرتے ہیں عوام کہ نافرمان اولاد بور کے لڈو ہیں دیکھنے میں اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ کھانے میں کڑوے اور نہ کھائے تو آدمی پچھتاتا ہے کہ موجود ہے اور پھر بھی نہ کھایا ہر صورت میں حسرت باقی رہے گی الا ایک یہ ہے کہ حقیقی شیرینی استعمال کرے گا تو مٹھاس آئے گا۔ سامنے دیکھے گا تب مٹھاس معلوم ہوگا گو وہ ظاہر میں بڑی نہ معلوم ہو اس لئے آنے والوں پر بھی رحمت اور شفقت ابھی سے مقبول ہو یہی ہوگی رحمٰن کے بندوں کی شان۔

خلاصہ کلام اور طریقۂ عمل اللہ تعالیٰ نے اس پورے رکوع میں معاشرت سکھلادی کہ تنہا ہو تو یہ کام کرو جلوت ہو تو یہ کام کرو معاملات پڑیں تو یہ کام کرو۔ پورے آداب بتلائے گئے ہیں جو اصول ہیں آدمی ان اصول پر چلے تو اس کی معاشرت ظاہر و باطن میں پاکیزہ بن جائے گی وہی متقیوں کی زندگی ہوگی تو وہ عبادالرحمٰن ہوں گے، اس لئے میں نے یہ آیت تلاوت کی تھی کہ ترجمہ ہو جائے اور تھوڑی تھوڑی تشریح ہو جائے تاکہ عملی زندگی سامنے آئے اتنا آپ نے سنا اب آپ کا کام یہ ہوگا کہ جو باترجمہ قرآن شریف ہو ایک دفعہ سامنے رکھکر ان آیات کو پھر پڑھو اور اس کا ترجمہ دیکھو اسوقت ذہن میں آوے گی جو باتیں آپ کے کان میں پڑگئیں پھر انہیں ذہن میں جمانے کی کوشش کرو ترجمہ پڑھو کہ کیا یہ وہی باتیں ہیں اور جب وہ جم جائیں گی تو پھر ان کو اپنی زندگی میں دستور العمل بنانے کی کوشش کرنا جب گھر سے نکلو تو آیت سامنے ہے کہ میری چال ایسی ہو جیسے رحمٰن کے بندوں کی ہوتی ہے۔ جب کسی سے بات چیت کرو تو سلام

میں ابتداء کرو، جب کوئی جھگڑالو سامنے آئے تو کہو کہ سلام تو دیلع ہے کہ بھائی ہم اس کے عادی نہیں ہیں
جب خرچ کرنے پر آؤ تو اعتدال سے کرو جب کوئی نفس سامنے آئے تو قتل و غارت اور زیادتی سے
بچو، جب اپنا نفس سامنے آئے تو توبہ اور استغفار کو اپنا شعار رکھو جب کوئی معاملہ مقدمہ کا پڑے تو جھوٹ
سے بچو اور پرہیز کرو۔ اور جب سب سے نبٹ گئے تو آنے والوں کی فکر کرو جو آئندہ
آرہے ہیں کہ ان پر رحم و کرم ہو ابھی سے دعائیں مانگو ان کے لئے تو کتنی پاکیزہ زندگی ہے
جو قرآن نے سکھلائی اگر اس زندگی سے ہم محروم رہے تو کتنی بڑی بدقسمتی ہے اگر آپ
اس زندگی کو اختیار کریں اور فقط اسی ایک رکوع پر عمل کریں تو دنیا میں آپ کا وقار
قائم ہو جائے گا۔ پوری بستی میں ایک عمل کر کے دیکھ لے، دیکھئے اس کی عزت کہاں
سے کہاں تک پہنچیگی اور جب آپ اس سے ہٹ کر چلیں گے ذلت اور رسوائی کی طرف
پڑھیں گے، تو سارا قرآن تو ہے ہی ہدایت، مگر میں کہتا ہوں کہ تنہا اس رکوع کو بھی
آپ اپنا دستور العمل بنالیں اور اس سے جو نصیحتیں نکلتی ہیں اسے ٹانک لیں کہ ہم اور
ہمارے بچے آج سے اس پر عمل کریں گے اور سارا گھر جب اس پر عامل ہو جائے گا تو
دس دن کے بعد دیکھئے گا کہ اس کی عزت و وقار کس درجہ پر پہنچ جائے گا۔ تو
میں نے یہ چند آیتیں آپ کے سامنے تلاوت کیں اور یہ بظاہر کوئی علمی مسئلہ تو تھا
نہیں اور میں کہتا ہوں کہ قرآن سے جو ثابت ہو وہی علم ہے، علمی مسئلہ بھی یہی ہے ان
چیزوں پر غور کریں تو فائدہ مند ہے، جیسے میں نے عرض کیا کہ بات ذہن میں آگئی جو پڑھے
لکھے ہیں وہ مترجم قرآن شریف سامنے رکھ کر اس رکوع کا ترجمہ پڑھیں ہر ہر آیت کا جب
ترجمہ پڑھیں گے تو وہ چیزیں ذہن میں آئیں گی جو اس وقت کان میں پڑی ہیں وہ
تازہ بتازہ ہوں گی، اب ان کو ذہن میں جمانا شروع کر دیں اور جو چیزیں اس کے خلاف
ہیں انہیں رفتہ رفتہ چھوڑنا شروع کر دو۔ ایک دم ساری چیزیں چھوڑنا مشکل ہوتا ہے
اسکی سہل صورت یہ ہے کہ آدمی جب اپنی کمزوریاں محسوس کرے کہ اتنے گناہ ہیں
جو میں کرتا ہوں، ان کی ایک فہرست بنا کر رکھ لے کہ آج پہلے گناہ کو چھوڑوں گا دس
دن اس پر عمل کرے گا جب عادت پڑگئی اور چھوٹ گیا اب دوسرے کو لے لے دس دن

اس پر چلے پھر وہ بھی چھوٹ گیا، دس دن اور چلے دو چار مہینے میں سارے گناہ چھوٹ جائیں گے، جب آدمی کے سامنے ساری چیزیں ایک دم آتی ہیں کہ یہ بھی مت کرو۔ یہ بھی مت کرو۔ تو اس سے آدمی ڈر کر بیٹھ جاتا ہے کہ کس کس چیز کو چھوڑ دوں میری تو ساری زندگی ملوث ہے مایوس ہو جاتا ہے تو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں رفتہ رفتہ ایک ایک چیز کو چھوڑ دو۔ جب ایک چیز کو چھوڑ دی اور اس پر قابو یافتہ ہو گئے اب دوسرے کو اختیار کرے دس دن اسکی مشق میں لگاؤ اس پر بھی قابو ہو گیا تو دس دن تیسرے کی مشق پر لگاؤ انشاء اللہ چند دن میں بہت سی برائیاں چھوٹ جائیں گی اور یہی صورت نیکیوں کی بھی ہیں ایک ایک نیکی کو اپنے سامنے رکھو کہ آج اسپر عمل کرنا ہے اور دس دن تک برابر عمل کرو اور پھر آپ اس کے عادی ہو جائیں گے چال ہی کا قصہ ہے گھر سے نکل دس دن مشق کیجئے کہ یہ عمدہ چال ہے اسپر چلئے اب یمشون علی الارض ھونا کی مشق ہو گئی واذا خاطبھم الجاھلون کا قصہ رہ گیا اس پر اسطرح سے عمل کیجئے کہ جہاں کہیں آوارہ گردوں کی مجلس ملے بس نگاہ نیچی کر کے وہاں سے ہٹ جاؤ خواہ مخواہ لڑائی بھڑائی ہو تو کہو بھائی ہم اس کام کے نہیں۔ ہمارا اسلام تو چند جگہ ہم مشق کریں گے تو دوسرے بھی سمجھ جائیں گے کہ بھائی یہ اس درجے کے نہیں ہیں۔ پھر دوسرے آپ کی عزت کریں گے، اور آپ کے سامنے برا کلمہ کہنے سے پرہیز کریں گے تو اسطرح سے آپ اپنی اصلاح تو کر ہی لیں گے۔ مگر دوسروں کی بھی اصلاح کر دیں گے۔ تو نیکیوں میں بھی ایک ایک نیکی کو لیتے رہو اور رفتہ رفتہ اس پر چلو اور بدیوں میں بھی ایک ایک بدی کو چھوڑتے رہو تو اس طرح سے مہینے دو مہینے میں بہت سی نیکیوں پر قابو پا جائیں گے اور بہت سی بدیاں ختم ہو جائیں گی۔ اور زندگی پاک بن جائے گی۔

بس یہی تھا مقصد عرض کرنے کا اور فہرست شمار کرنے کا اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے ہمیں بھی اور آپ کو بھی کہ نیک زندگی دے جس کو قرآن کریم میں حیات طیبہ کہا گیا من عمل صالحاً من ذکر او انثی وھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ جو آدمی ایمان اور عمل صالح اختیار کرے گا ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے جو بڑے اونچے درجے کی

ہو گی دل میں لگن ہوگا. بشاش اور مطمئن رہے گا . دنیا بھی اور آخرت بھی اس کی. دنیا میں بھی مزے اور آخرت میں بھی مزے . بس دعا کیجئے . اللّٰھم وفقنا

عالمِ انسانیّت کا مکمل قانون
اسلام

خطبۂ مسنونہ الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأت اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمد عبدہ ورسولہ ارسلہ اللہ الی کافۃ للناس بشیرًا ونذیرًا۔ وداعیًا الی اللہ باذنہ وسراجًا منیرًا۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیمًا کثیرًا کثیرًا۔

امّا بعد۔ فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ افغیر اللہ ابتغی حکمًا وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصّلًا۔

بنگلور کی دلفریبی بزرگانِ محترم!! آپ کے اس عظیم الشان شہر میں جو اپنے حسن وخوبصورتی، فضا کی وسعت، آب وہوا کے اعتدال اور مناظر کی خوبی کے لحاظ سے ہندوستان کے شہروں میں ایک ممتاز ترین شہر ہے۔ اس کی طرف قدرتی طور پر قلوب اور طبائع کی کشش ہوتی ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک دفعہ کہا تھا کہ اگر میں وزارت عظمٰی سے ریٹائرڈ ہوا تو بنگلور میں جاکر قیام کروں گا۔ اس سے بہتر ہندوستان میں دوسرا شہر نہیں ہے۔ بہرحال یہ اپنی ظاہری خوبیوں اور خصوصیات کے لحاظ سے ایک ممتاز شہر ہے پھر اسمیں ظاہری خصوصیات ہی نہیں بلکہ کچھ معنویت بھی ہے۔ بلکہ باطنی خصوصیات بھی ہیں۔ اور اگر یوں کہا جائے کہ یہ زمین مجاہدوں اور شہدا کی زمین ہے تو یہ بیجا نہ ہوگا۔

ٹیپو کا وطن سلطان ٹیپو کا یہ وطن ہے، ان کے مجاہدانہ کارناموں کا یہ مرکز رہا ہے ان کی شہادت اسی مقام پر ہوئی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک سلطان

وقت کی شہادت تنہا ایک کی شہادت نہیں ہوتی، معلوم نہیں کتنے افراد کو انہوں نے
جام شہادت پلایا ہوگا اور کتنے لوگ یہاں شہید ہوتے ہوں گے، ان ہی شہداء کی اولادیں
آپ ہیں یہ ممکن نہیں ہے کہ ان کے جذبات آپ کے اندر نہ ہوں۔ وہ ولولہ، وہ جوشِ
جہاد، وہ شہادت کا ذوق آبائی ہے جو آپ کے اندر موجود ہے۔ خواہ آپ کو احساس نہ
ہو" الولد سر لابیہ" باپ کے جو جذبات ہوتے ہیں وہ قدرتی طور پر اولاد میں منتقل
ہوتے ہیں۔ تو اپنی معنویت کے لحاظ یہ زمین جوش اور جذبہ اور دینی ولولہ بھی رکھتی ہے۔

وسعت اخلاقی اور عالی ظرفی

اسی کے ساتھ ساتھ جو چیز ہم لوگوں کے سامنے آئی وہ آپ کے اخلاق کی وسعت ہے ہم لوگ
حاضر ہوتے۔ یہ واقعہ ہے کہ مہمانوں کی مدارات میں، ضیافت میں اکرام اور توقیر میں یہاں
کے لوگوں نے جو جذبہ دکھلایا ہے وہ ایک ممتاز قسم کا جذبہ ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے
کہ من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ" جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان
رکھتا ہو اس کے فرائض میں سے ہے مہمان کا اکرام، اس کی توقیر، اس کی مدارات، اس
تعلیم نبوت کے ماتحت آپ نے مدارات میں انتہار کی خوش سلیقگی کے ساتھ، نظم کی خوبی
کے ساتھ مہمانوں کا قیام ان کی آمد، ان کی توقیر یہ ایک ممتاز صورت رہی ہے۔ یہاں اس
سے بھی بڑھ کر عالی ظرفی کی بات یہ ہے کہ آنے والوں کا آپ شکریہ بھی ادا کر رہے ہیں
اور محض ظاہر داری کے طور پر نہیں بلکہ دلوں کے جذبہ سے۔ حضرت مولانا ابوالسعود صاحب
جو صدر استقبالیہ ہیں، انہوں نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں آپ کی طرف سے، اپنی طرف
سے بھرپور الفاظ میں شکریہ بھی ادا کیا۔ تو حیرت یہ ہے کہ مالی قربانیاں آپ نے دیں، جانی
محنت آپ نے کی، مہمانوں کو راحت پہنچانے میں انتہار آپ نے کی اور اوپر سے شکریہ
بھی ادا کر رہے ہیں۔ یہ عالی ظرفی اور قدر شناسی کی انتہار ہے کہ آدمی سب کچھ کرے
اور پھر یہ کہے کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا، ہمارے یہاں ایک مثل مشہور ہے کہ بادل وہ
ہے جو برسے اور گرما دے یعنی برس کر گرماتا ہے، کہ وہ پھر آمادہ ہے برسنے پر اس کا جذبہ
یہی ہے کہ میں مخلوق کو پانی دوں اور حیات بہم پہنچاؤں۔ دوسرا مصرعہ ہے کہ سخی وہ ہے جو

دے اور شرما دے، تو سب کچھ دے بھی رہے ہیں اور شرما بھی رہے ہیں۔ ندامت کا اظہار بھی کر رہے ہیں یہ کام تو ہمارا تھا کہ ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے، لیکن ہمارا فریضہ بھی آپ ہی نے ادا کر دیا۔ اب ہم سوچتے ہیں کہ ہم کیا چیز ادا کریں۔ اور ادا کریں بھی تو واقعہ یہ ہے کہ جتنے جامع طریق پر آپ نے مہمان داری فرمائی جلسہ کو کامیاب بنایا۔ ہمارے پاس الفاظ اتنے جامع ہیں نہیں کہ جو حاوی ہو جاویں آپ کے شکریہ کے اوپر لیکن شکریہ کا ایسا طریقہ کیا ہو کہ جب انعام اور نعمت تو ہو بے انتہا۔ اور شکریہ کے الفاظ ہوں محدود۔ ایسے موقع کے لئے خود شریعت نے ہمیں تبلا دیا کہ لا محدود شکریہ کس طرح ادا کریں۔

شکریہ کا طریقہ داؤدی

ایک طریقہ تو حضرت داؤد علیہ السلام نے تبلایا حق تعالیٰ نے جب ارشاد فرمایا اعملوا آل داؤد شکرًا ”اے داؤد! میری نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اللہ کے کلام کو انبیاء سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا، حقائق الٰہیہ کی جو سمجھ اور فہم انبیاء علیہم السلام کو دی جاتی ہے۔ وہ کسی کو نہیں دی جاتی بلکہ جتنی باتیں آتی ہیں وہ سب اُن ہی کی جوتیوں کے صدقے سے آتی ہیں۔ اور ان ہی کی برکات سے آتی ہیں۔ تو داؤد علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ میرا شکر ادا کرو۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا اللہ کس طرح ادا کروں یہ سمجھ میں نہیں آتا اس لئے کہ جب شکر ادا کرنے بیٹھوں گا تو اس شکر ادا کرنے کی توفیق بھی تو آپ ہی دیں گے جب ہی تو شکر ادا کر سکوں گا اس کی طاقت بھی تو آپ ہی دیں گے تو یہ توفیق دینا، یہ طاقت دینا، یہ خود مستقل ایک نعمت ہو گئی پھر میں اس کا شکریہ ادا کروں اور اس کا جب شکر ادا کروں گا تو اس کی توفیق بھی آپ ہی دیں گے تو پھر ایک نعمت پہلے نکل آئی پھر میں اس کا شکریہ ادا کروں تو ھر شکر سے ــــ پہلے ایک شکر نکلتا ہے تو میں عاجز ہوں کہ شروع کس طرح سے کروں شکریہ کو اور ادا کس طرح سے کروں، ہر شکر سے پہلے ایک شکر اور ہر شکر سے پہلے ایک شکر تو میں عاجز ہوں شکر ادا کرنے سے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے داؤد! جب تم نے اپنے عجز کا اعتراف کر لیا اور تم شکر ادا کرنے سے عاجز ہو تو یہی ہمارے شکر کی ادائگی

ہے، کون ہے جو شکر کا حق ادا کر سکے، نعمتیں لامحدود اور شکر ہمارا محدود طاقتیں ہماری محدود ا
ممکن نہیں کہ اللہ کا شکر ادا کر سکیں، اس لئے صورت یہی ہے کہ اپنے عجز کا اظہار کرے
اور اپنے قصور کا اعتراف کرلے کہ بھائی ہم شکر کو ادا نہیں کر سکتے، تو یہی ادائیگی شکر ہے
یہ تو طریقہ داؤدی ہے۔ جو انہوں نے ارشاد فرمایا۔ کہ جب شکر بہت سالازم ہو جائے،
اور ادا کرنے سے عاجز ہو جائے تو اعتراف کرلو عجز کا کہ بھائی عاجز ہیں نہیں ادا کر سکتے
شکر کو یہی شکر کا قائم مقام ہو جائے گا۔

شکر کا طریقۂ محمدی

ایک طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر نعمتیں لامحدود ہوں تو تم بھی لامحدود شکریہ ادا کرو۔
مگر بندہ ہے محدود۔ وہ لامحدود شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ تو الفاظ ایسے ارشاد فرما دیئے کہ
وہ لفظ اس شکر کو لامحدود بنا دیں۔ جب کہ حضورؐ نے اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا کہ اللّٰھم
لك الحمد حمداً دائماً مع دوامك" اے اللہ تیرے لئے حمد ہے اور دائمی حمد ہے۔
جب تک کہ تو دائم ہے۔ اور تیرے دوام کی کوئی حد نہیں تو میری حمد کی بھی کوئی حد نہیں۔ اور
فرمایا کہ و لك الحمد حمداً خالداً مع خلودك اور تیرے لئے حمد ہے جب تک
کہ تو رہنے والا ہے اور تو ہمیشہ رہنے والا ہے تو میری حمد بھی ہمیشہ رہے گی تیرے ساتھ اور
فرمایا کہ و لك الحمد حمداً لا منتهٰی له دون مشیتك" اور تیرے لئے حمد ہے ایسی
حمد جو تیری مشیّت کے ساتھ ساتھ چلے اور تیری مشیت کی کوئی انتہاء نہیں تو میری حمد کی بھی
کوئی انتہاء نہیں۔ تو آدمی جب پوری حمد اور پورا شکر ادا نہ کر سکے تو اعترافِ عجز کے بعد
یہ بھی کہہ دے کہ یہ حمد دوامی ہے۔ تو اللہ ان لفظوں کو ہی دوامی بنا دیتے ہیں۔ اور وہ شکر
بھی دوامی بن جاتا ہے۔

ادائیگی شکر

اس لئے اگر ہم آپ لوگوں کا شکریہ ادا کریں اس مہمانداری پر اس لیاقت پر، اور اس جلسہ کو کامیاب بنانے پر تو ایک تو یہ عرض
کریں گے کہ ہم عاجز ہیں آپ کا شکر ادا کرنے سے یہ تو ہے سنت داؤدیؑ اور ایک یہ عرض
کریں گے کہ جب تک آپ باقی ہیں آپ کی نسلیں باقی ہمارا شکر آپ کے ساتھ ہے۔

تو یہ دوامی شکر ہوگیا۔ اپنی طرف سے عجز کا اظہار بھی ہے اور دوامی شکر یہ بھی ہے پھر انشاء اللہ دوامی طور پر ساتھ بھی رہے گا۔

پرسنل لاء کے معنیٰ

بہرحال اس عظیم الشان شہر میں جس کے اندر ظاہری اور باطنی خصوصیات ہیں، جس کے باشندوں کے اندر اخلاقی بلندیاں ہیں اس عظیم الشان پنڈال میں یہ عظیم الشان جلسہ منعقد کیا جا رہا ہے جس کا موضوع ہے مسلم پرسنل لاء، یہ جلسہ ہے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کا میں ابھی اپنے بزرگوں سے پوچھ رہا تھا کہ پرسنل کے حقیقی معنیٰ کیا ہیں، اس لئے کہ لفظ انگریزی کا ہے، ہم تو پوری طرح انگریزی جانتے نہیں تو میں نے تحقیق کی کہ پرسنل کے معنیٰ کیا ہیں تو یہ سمجھ رہے تھے کہ مخصوص قانون جو کسی قوم کے ساتھ مخصوص ہو اسے پرسنل لاء کہتے ہیں۔ مگر کہا یہ گیا کہ پرسنل کے معنیٰ ذاتی کے ہیں یعنی مسلمانوں کا ذاتی قانون، مسلمانوں کا شخصی قانون، ان کے احوال شخصیہ کے بارے میں مذہبی ہدایات پر مبنی قانون، اس میں ذاتی قانون آجاتا ہے، ذاتی افعال و احوال کے متعلق بھی باتیں آجاتی ہیں خاندانی اور عائلی واقعات بھی آجاتے ہیں، نکاح ہو، طلاق ہو، ہبہ ہو میراث ہو، یہ سب چیزیں اسمیں آجاتی ہیں۔ تو مسلم پرسنل لاء معنیٰ یہ نکلے کہ مسلمانوں کے شخصی قوانین، ذاتی قوانین، خاندانی اور عائلی قوانین، یہ ہیں جن کا تحفظ آپ کو مقصود ہے۔ یہ مسلمانوں کا قانون کہا جاتا ہے۔

قانون درحقیقت اسلام کا ہے

لیکن میں عرض کروں گا کہ مسلمانوں بحیثیت قوم کے کوئی قانون ہی نہیں۔ قانون درحقیقت اسلام کا ہے مسلم قوم کا کوئی قانون ہی نہیں۔ جو مان لے اس کا نام مسلم ہے جو نہ مانے اس کا نام غیر مسلم ہے لیکن قانون خود مسلمانوں کا شخصی نہیں۔ نہ انہوں نے کوئی قانون وضع کیا ہے نہ ان کے ساتھ مخصوص ہے۔ قانون اسلام کا ہے۔ اور اسلام کا قانون پوری دنیائے انسانیت کے لئے بھیجا گیا ہے۔ کسی مخصوص قوم کے لئے نہیں بھیجا گیا۔ یہ آپ کا قانون نہیں بلکہ دنیا کے سارے انسانوں کا قانون ہے۔ ان لفظوں سے کہ "مسلمانوں کا قانون" ایک تعصب اور ایک حد بندی ٹپکتی ہے تو غیر مسلم کہے گا کہ مجھے اس سے

کیا تعلق یہ تو مسلمانوں کا قانون ہے" ایک تعصب چلے گا وہ غور کرنے کی طرف بھی توجہ نہیں کرے گا، چونکہ مسلمانوں کا قانون ہے میرا قانون نہیں، مجھے اس پر غور وفکر کی کیا ضرورت ہے لیکن جب ہم یہ کہیں گے کہ مسلم قوم کا بحیثیت قوم کے کوئی قانون نہیں وہ تو خدا کا قانون ہے جیسے ہمارے لئے آیا ہے تمہارے لئے بھی آیا ہے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ وبعثت الی الناس کافۃ، ہر پیغمبر اپنی اپنی قوم کیطرف بھیجا جاتا تھا، کسی پیغمبر کا دائرۂ عمل خاندان ہوتا تھا، جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء کہ وہ بنی اسرائیل خاندان کے لئے آتے تھے۔ غیر اسرائیلی سے انہیں تعلق نہیں تھا حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اسرائیلی بھیڑوں کو جمع کرنے آیا ہوں دنیا سے مجھے کوئی تعلق نہیں نہ اور قوموں سے میری غرض ہے۔ میں اسرائیلوں کی اصلاح کے لئے آیا ہوں، تو بعض انبیاء تو خاندانوں کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے اور بعض انبیاء وطنوں کی اصلاح کے لئے جیسا کہ حضرت یونس علیہ السلام کو کہ چار شہروں کی اصلاح ان کے سپرد فرمائی تھی تو کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃ ہر پیغمبر اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا، مگر حضورؐ فرماتے ہیں وبعثت الی الناس کافۃً میں دنیا کی تمام اقوام کے لئے بھیجا گیا ہوں سارے انسانوں کی اصلاح کے لئے بھیجا گیا ہوں اسی واسطے قرآن مجید میں جگہ جگہ جہاں عبادت عامہ کی ہدایت فرمائی یا ایمان لانے کی ہدایت فرمائی تو اس جگہ انسانوں کا لفظ استعمال فرمایا ہے، "یا ایھا الناس اعبدوا ربکم" اے دنیا کے انسانو! اپنے رب کی عبادت کرو، یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا" اے دنیا کے انسانو! جو آج موجود ہیں آئندہ تمہاری نسلیں آئیں گی ان سب کے لئے میں پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں، تو آپ کسی خاص قوم کی طرف مبعوث نہیں ہوئے کسی خاص وطن کی طرف مبعوث نہیں ہوئے بلکہ دنیا کے سارے انسانوں کے لئے آئے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا کی قوموں میں جو تعصبات ہیں اس کا مبنیٰ یہی ہے کہ ان کا دین و مذہب ہی اس قوم کے لئے مخصوص ہو کر آیا ہے، تو وہی خاندان اپنے دین کو لئے بیٹھا رہا ہے، دوسرے خاندان والوں نے کہا کہ ہمیں اس سے کیا تعلق، ایک وطن کے لئے پیغمبر آیا تو دوسرے وطن والوں نے کہا

کہ ہمیں اس سے کیا تعلق ان کے وطن کا ایک قانون ہے یہ اس پر عمل کریں، لیکن جب یہ اعلان کیا گیا کہ میں کسی خاص وطن یا خاص قوم کی طرف نہیں آیا ہوں میں تو دنیا کے سارے انسانوں کیلئے آیا ہوں تو اب دنیا کی قوموں کو دعوت مل گئی فکر کی۔ کہ جب ہمارے لئے بھی یہی قانون ہے تو ہم بھی اسمیں فکر کریں۔ اور اطاعت کریں اب کوئی نہ مانے یہ اس کی محرومی ہو گی۔ پیغام اللہ کی طرف سے عام ہے دنیا کی تمام اقوام کو خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو۔

اسلامی قانون فطرت کے مطابق ہے

بہر حال میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ مسلم پرسنل لا کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان کے شخصی قوانین تو ان کا من حیث القوم نہ کوئی شخصی قانون ہے اور نہ کوئی ذاتی قانون ہے۔ وہ خدا کا قانون ہے ہم اس قانون کو دنیا کی قوموں کے سامنے پیش کریں گے، مسلم پرسنل لا کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ ہم اپنے قانون کو بچائے جائیں۔ نہیں ہم اس کے تحفظ کے ساتھ ساتھ دنیا کی قوموں کو بھی دعوت دیں گے کہ تم بھی اس پر عمل کرو۔ خواہ وہ شخصی چیز ہو، خواہ خاندانی چیز ہو اس لئے کہ وہ قوانین فطرت کے مطابق ہیں وہ انسان کے طبعی جذبات کے مطابق ہیں۔ وہ زبردستی کے قوانین نہیں کہ عقل نہ مانتی ہو اور دل نہ مانتا ہو اور زبردستی اس کے اوپر ڈالا جاتے یہ بات نہیں بلکہ جب غور کرے گا آدمی فطرت کے مطابق پاتے گا اس لئے ایک انسان کی زندگی اسی میں ہے۔ اس ماننے والے انسان کا نام ہے مسلمان اور مسلمان کی زندگی مہد سے لیکر لحد تک اور پیدائش سے لیکر موت تک اور اس درمیان میں جتنے اس کے افعال اور احوال ہیں سب پر اسلام کا قانون لاگو ہے اور جتنی ہدایات ہیں وہ سب خدا کی طرف سے ہیں، وہ کوئی موضوع قانون نہیں کہ ہم نے بنالیا ہو افعال کو چھوڑ کر انسان کی ذات پر اسوقت سے اسلامی قانون لاگو ہو جاتا ہے کہ اسے عقل بھی نہیں شعور بھی نہیں، تمیز بھی نہیں آج پیدا ہونے والا بچہ جو بالکل ہی مضغۂ گوشت ہے نہ اسے عقل ہے نہ تمیز ہے، مگر اسلام کا قانون اس پر لاگو ہوا کہ پیدا ہوتے ہی نہلا دھلا کر اس کے داہنے کان میں اذان دو اور بائیں کان میں تکبیر کہو سب سے پہلے اللہ کا نام پہنچاؤ اس کے کان میں اور کہو کہ اللہ اکبر! اللہ ہی

بڑا ہے۔ اور کسی میں بڑائی نہیں ہے۔ اس کے دل میں بٹھا دیا جاتا ہے کہ عظمت خداوندی یہ تیرا جوہر ہے اشہد ان لا الہ الا اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اشہد انّ محمد رسول اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں، جب آدمی ان بنیادی عقیدوں پر آگیا اور یہ بات ایک بچے کے دل میں بیٹھ گئی اب آگے عمل ہے فرمایا گیا کہ "حی علی الصلوٰۃ" سب سے بڑا عمل یہ کہ عبادت خداوندی ادا کرو۔ جب یہ بھی اس کے دل میں جما دیا آپ نے آگے عام زندگی کے بارے میں ہے۔ "حی علی الفلاح" عام فلاح وبہبود کی طرف اتر آؤ۔ اب رہا یہ کہ وہ بچہ سمجھتا ہے یا نہیں آپ کو فائدہ کیا ہے کہ دائیں کان میں اذان کہیں اور بائیں کان میں تکبیر کہیں یہ تو ایسا ہے جیسے آپ نے کسی دیوار کے سامنے وعظ کہہ دیا وہ دیوار کیا سمجھے گی لیکن یہ چیز غلط ہے، بلاشبہ اس بچہ کو عقل نہیں شعور نہیں لیکن اس بچہ کا قلب ایک سفید تختی کے مانند ہے جو اس پر چھاپ دو گے وہی چھپ جائے گا اور جب ہوش سنبھالے گا تو وہی کلمات کہتا ہوا ابھرے گا۔ جو آپ نے اسکے دل پر چھاپ دیئے ہیں۔ تو اگرچہ عقل وشعور نہیں مگر استعداد ہے قبولیت کی جو کلمہ اس کے کان میں ڈالیں گے وہ چھپ جائے گا، اس کے دل کی سفید تختی پر جیسے یہ ریکارڈنگ مشین ہے ہم جو تقریر کر رہے ہیں وہ اسمیں چھپتی جا رہی ہے اسے نہ عقل ہے نہ شعور ہے ایک جامد محض چیز ہے لیکن ساری تقریر اسمیں جم جائے گی، جب آپ اس کی کل اینٹھیں گے وہ ساری اگل دے گی جو اس کے اندر بھری ہوتی ہے تو گیا ایک انسان کے بچے کا دل اس مشین سے بھی گیا گذرا ہے۔ انسان نے اپنی عقل سے اسکی تخلیق کی ہے تو وہ عقل خود کتنی بڑی ہوگی اور اس بچے میں عقل تو ہے مگر نشوونما پائی ہوئی نہیں ہے لیکن جو ہر موجود ہے جو آپ اس کے کان میں ڈالدیں گے وہ اس کے دل میں چھپ جائے گا۔

بچہ کی تربیت کا وقت

اس سے امام غزالی نے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ بچے کی تربیت کا زمانہ یہ نہیں ہے جو ہم سمجھتے ہیں کہ پانچ برس کا ہو تو مکتب میں بٹھا دو اب تربیت شروع ہوتی ہے۔ نہیں فرماتے ہیں کہ پیدا ہوتے ہی تربیت شروع ہو جاتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ وہ مخاطب نہیں بن سکتا ہے۔ مگر ماں باپ کا کام ہے کہ

ڈالیں اس کے اندر ایسی چیزیں کہ جو حقی اور سچی ہوں، تو امام لکھتے ہیں کہ دودھ پیتے بچے کے سامنے کوئی برا کلمہ نہ کہیں جو کلمہ کہیں گے وہی اس کے قلب میں چھپ جاتے گا۔ وہی نشو و نما پا کر ابھرے گا اور کہے گا اس نے جو بات بھی اس کے سامنے کریں وہ حقی اور سچی کریں، عمدہ کریں تاکہ اس کے دل میں وہی باتیں چھپ جائیں اسی طرح سے اسکی آنکھیں ایک آئینے کے مانند ہیں اس کے دل کو شعور و احساس نہیں لیکن آنکھیں تو کھلی ہوئی ہیں تو امام لکھتے ہیں کہ ماں باپ بچے کے آگے کوئی بے حیائی کی حرکت نہ کریں اگر بے حیائی کے کام کرتے ہیں تو وہی اس کی آنکھ کے راستے سے جا کر اس کے دل میں چھپ جائیں گے، اور جب وہ ہوش پائے گا تو وہی بے حیائی اور بے غیرتی کی باتیں کرتا ہوا ابھرے گا تو کان میں اچھی بات ڈالو اور آنکھ کے سامنے اچھے نقش پیش کرو، خیالات اس کے دل میں اچھے جماؤ تاکہ ہوش سنبھالنے کے بعد وہ اچھا بنے، اقوال بھی اس کے اچھے ہوں افعال بھی اس کے اچھے ہوں، تو تربیت کا زمانہ یہ نہیں کہ پانچ چھ برس کے بعد آتا ہے۔ بلکہ پیدا ہوتے ہی شروع ہو جاتا ہے فرق اتنا ہے کہ یہاں مخاطب ہیں ماں باپ کیونکہ اس کے بچے کے اندر مخاطب بننے کی صلاحیت نہیں ہے

اسلامی قانون افعال پر بھی اور ذات پر بھی لاگو ہوتا ہے،

اس کا حاصل یہ نکلا کہ اسلامی قانون ایک انسان کے افعال پر لاگو نہیں ہوتا ہے بلکہ ذات پر بھی لاگو ہے۔ اس لئے کہ یہ بچہ افعال ادا کرنے کے تو قابل نہیں مگر ذات تو اس کی موجود ہے اسلام کا قانون اسکی ذات پر آگیا تو وہ قانون زندگی سے شروع ہو جاتا ہے آپ نے اذان کہدی تکبیر کہدی۔ اب نماز باقی رہ گئی، علماء لکھتے ہیں کہ نماز جنازہ وہ نماز ہے اس اذان اور تکبیر کی، آج تو آپ نے تکبیر اور اذان کہی اور جاتے ہوئے اسے آپنے نماز پڑھ کر رخصت کیا تو ایک مسلمان کی زندگی اذان اور نماز کے درمیان میں ہے گو ابتداء میں بھی اسے اللہ کے نام سے ہی گھیر رکھا ہے اور انتہاء بھی خدا کی عبادت پر جا کر ہوئی تو ابتداء کر دو اس کی اذان اور تکبیر سے اور انتہاء کر دو اس کی نماز کے اوپر تو ساری زندگی اس کی دو چیزوں کے درمیان آجائے گی،

عظمت خداوندی، توحید الٰہی اقرار رسالت اور نماز کا جذبہ اور ختم ہوگا وہ نماز کے اوپر
تو ظاہر بات ہے کہ جنازہ کی نماز تو آپ ہی پڑھیں گے میت کو خبر نہیں کہ کیا ہو رہا ہے وہ
بیچارہ کفن پہنے لیٹا ہوا ہے مگر ذات تو اس کی موجود ہے نفس تو موجود ہے تو اسلام
کا قانون اس کی ذات پر لاگو ہوا، افعال تو بعد کی چیزیں ہیں تو جو قانون ذات پر لاگو ہو وہ
افعال پر کیوں لاگو نہ ہوگا وہ اقوال کی اصلاح کیوں نہ کرے گا، وہ اعمال کی اصلاح کیوں نہ
کرے گا تو انسان کی ذات اور افعال سب گھرے ہوتے ہیں اسلامی قانون کے تحت
ظاہر بات یہ ہے کہ یہ قانون اگر غیر مسلم بلکہ سارے انسان تسلیم کریں تو کیا یہ کوئی برائی کی چیز
ہے کہ ابتدا ہی میں خالق کی عظمت دل میں بیٹھ جاتے یہ تو ہر قوم کے غور کرنے کی چیز ہے کہ
کتنی پاکیزہ تعلیم ہے کہ پیدا ہوتے ہی توحید الٰہی اور رسالت کی شہادت اس کے دل
میں ڈال دو۔ حی علی الصلوٰۃ کہہ کر اسے عبادت خداوندی پر آمادہ کرو۔ معاذاللہ یہ کوئی بری
چیز ہے غور کیا جائے تو یہ فطرت کے مطابق تعلیم ہے اور یہ تعلیم قوم مسلم کے ساتھ مخصوص
نہیں یہ ساری دنیا کے انسانوں کیلئے ہے کوئی غور نہ کرے یہ اسکی محرومی کی بات ہے۔
لیکن اسلام نے تو غور کا دروازہ کھول دیا ہے مگر جب آپ یوں کہیں گے کہ یہ ہمارا قانون
ہے اور وہ تمہارا قانون ہے تو اس سے پیدا ہوگا تعصب وہ کہے گا کہ میں کیوں غور کروں
یہ تو ایک دوسری قوم کا قانون ہے، میری قوم کا قانون الگ ہے، اور جب آپ یہ کہیں
کہ نہ ہمارا قانون نہ تمہارا قانون یہ تو خدا کا قانون ہے جس کے مکلف ہم سب قرار دیئے گئے
ہیں اب موقعہ آئے گا ان کے غور و فکر کا کہ جب ہمیں بھی یہ پیغام دیا گیا ہے تو ہم بھی
اسپر غور کریں۔

خدائی قانون سب کے لئے عام ہے

اس لئے میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ ماننے کے لحاظ سے یہ مسلم پرسنل لا ہے
اور حقیقت کے لحاظ سے یہ اسلامی پرسنل لا ہے، یہ اسلامی لا ہے۔ یہ خدا کا قانون
ہے جو سب کے لئے عام ہے بچپن سے لیکر موت تک۔ اور موت سے لیکر قبر تک اور قبر
سے لیکر میدان حشر تک اور میدان حشر سے لیکر جنت تک اور جنتوں میں داخل ہونے

کے بعد ابدالآباد تک یہی قانون چلتا رہے گا۔ اور اسی میں ترقی ہوتی رہے گی، یہاں اسکی اور نوعیت ہے قبر میں اور نوعیت ہوگی، حشر میں اور ہوگی، جنتوں میں جا کے کچھ اور ہوگی مگر بنیادی طور پر یہی قانون رہے گا اور انسان کی ترقی اسی سے ہوتی رہے گی

پرسنل لاء کا اصل مقصد کیا ہے

بہرحال مسلم پرسنل لاء کا اصل مقصد یہ ہے کہ عائلی قوانین جو خاندانی طور پر ان پر لاگو ہوں اور ذاتی قوانین جو انکی ذات پر لاگو ہوں ان کا تحفظ ہو، حقیقت یہ ہے کہ ہماری کسی سے بھی لڑائی نہیں ہے، نہ ہم گورنمنٹ سے لڑتے ہیں اور نہ ہم کسی قوم سے لڑتے ہیں ہم چاہتے یہ ہیں کہ اس قانون کو تم بھی اختیار کرو اور اگر نہیں اختیار کرتے تو کم سے کم ہم کو تو عمل کرنے دو تم اسمیں کیوں رکاوٹیں ڈالتے ہو۔ ان رکاوٹوں کا دور کرنا یہ ہمارا سب سے بڑا مقصد ہے۔ کہ ہمیں عمل کرنے دو اگر تم محروم رہنا چاہتے ہو اور نہیں عمل کرتے تو عمل کرنے والوں پر پابندیاں کیوں عائد کرتے ہو کیوں اسمیں رکاوٹ ڈالتے ہو تو مقصد اصلی ان قوانین کا تحفظ ہے، اب اس تحفظ کے سلسلے میں آپ اگر لفظوں سے دباؤ ڈال سکیں تو لفظوں سے دباؤ ڈالیں کوئی اور تجویز ہو اثرات ڈالنے کی آپ اسے اختیار کریں مگر مقصود اصلی حفاظت ہے اس قانون خداوندی کی تو اس کو ہم محسوس کریں اور اس کا احساس ہمیں ہونا چاہیئے۔

پرسنل لاء کوئی بت نہیں ہے

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حفاظت کا یہ مطلب نہیں ہو تا کہ قانون کوئی بت یا تصویر ہے پرسنل لاء وہ رکھا ہوا اور آپ شور مچائیں کہ صاحب! وہ ہے قانون پرسنل لاء کا اسکی حفاظت آپ کریں۔

قانون کی حفاظت اس کا استعمال کرنا ہے

قانون کی حفاظت یہ ہے کہ آپ اس کو استعمال کرنا شروع کردو بس وہ محفوظ ہو جائے گا اور تم بھی محفوظ ہو جاؤ گے۔ لیکن شور مچاؤ کہ وہ رکھا ہوا ہے قانون تو قانون کوئی بت ہے جسکی حفاظت کر رہے ہیں یا کوئی وہ تصویر ہے؟ سب سے بڑی حفاظت یہ ہے کہ آپ اسے اپنے اندر رچالیں اسپر عمل درآمد شروع کردیں تو قانون مجسم آپ

بن جائیں گے۔

یہ قانون خداوندی مٹنے والا نہیں ہے

پرسنل لاء کوئی مٹنے والی چیز نہیں ہے کوئی کتنا ہی مٹائے وہ خود مٹ سکتا ہے اس لئے کہ پرسنل لاء کے قانون کی جڑیں قرآن اور حدیث میں دوسرے لفظوں میں وہ خود اسلام ہے اور اسلام دوامی زندگی لیکر آیا ہے مٹنے کے لئے نہیں آیا ہے اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے لی ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ "ہم نے یہ ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم ہی اسکی حفاظت کے ذمہ دار ہیں تو حفاظت ہوگی اللہ کی اسمیں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا ہے ہمارے لئے سعادت یہ ہے کہ ہم ذریعہ اور سبب بن جائیں اسکی حفاظت کا، حافظ حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہیں لیکن اگر ہم وسیلہ بن گئے تو ہمیں سعادت حاصل ہو جائے گی ورنہ اگر ہم نہ عمل کریں اور نہ حفاظت کریں پھر بھی مٹنے والا نہیں ہے خود حق تعالیٰ نے فرمایا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ تم اگر سب مل کر اس دین کی حفاظت سے پھر گئے تو تمہیں نکالدیا جائے گا اس دین سے اور دوسری قومیں لاکھڑی کردی جائیں گی وہ اس دین کی حفاظت کریں گی اس لئے سعادت تو ہماری ہے اگر ہم سبب اور ذریعہ بنیں اسکی حفاظت کا۔ ہم خود حافظ نہیں کہ اسکی حفاظت کریں۔ حفاظت کرنے والا حفاظت کر رہا ہے اس قانون کے خلاف کتنے کتنے مصائب کتنے بڑے بڑے دشمن کھڑے ہوئے لیکن آج ان دشمنوں کا نام و نشان نہیں اور قانون خداوندی پھر اسی شان سے موجود۔ قرآن بھی محفوظ حدیث بھی محفوظ، فقہ بھی محفوظ، ساری چیزیں اپنی جگہ ہیں، انکار کرنے والے گذر گئے آج کوئی نقش پا بھی ان کا پتہ بتلانے والا نہیں، یہ قانون تو اپنی جگہ رہے گا حفاظتِ خداوندی سے۔ ہم اگر ذریعہ بنجاویں اسکی حفاظت کا۔ ہمیں سعادت حاصل ہوجاوے گی، انگلی کاٹ کر کے شہیدوں میں داخل ہوجاویں گے ورنہ یہ تو محفوظ رہنے والی چیز ہے۔

محفوظ کا دامن پکڑ لو محفوظ ہو جاؤ گے

ہم شور مچا رہے ہیں وہ درحقیقت اپنی حفاظت کے لئے۔ پرسنل لاء

کی حفاظت کیلئے نہیں وہ تو محفوظ ہے ہم جتنا اس کا دامن پکڑ لیں گے اتنا ہی محفوظ ہو جائیں گے کیونکہ محفوظ کا دامن پکڑ کر آدمی خود محفوظ ہو جاتا ہے، آپ سے پرسنل لاء کی حفاظت نہ ہو گی بلکہ پرسنل لاء سے آپ کی حفاظت ہو گی تو ہم اپنی حفاظت کے لئے اسے دانتوں سے مضبوط پکڑیں اور ہم نہیں چاہتے کہ اسمیں کوئی خلل انداز ہو اگر کوئی خلل انداز ہوا ابھی تو ہم مدمقابل سے لڑنے کو تیار ہیں یہ نہیں ہو سکتا کہ اسکی اندر کوئی خلل ڈالے حکم خداوندی یہی ہے۔

تو واضح ہو گیا کہ پرسنل لاء کا قانون اسلامی قانون ہے کسی مخصوص قوم کا قانون نہیں۔ ماننے والے کا نام مسلم ہے تو وہ مسلم قانون کہلاتے گا۔ نہ ماننے والے کا نام غیر مسلم ہے تو وہ غیر مسلم کا قانون نہیں رہا ورنہ وہ حقیقت میں انسانی قانون ہے۔ انسان کی برتری اور حفاظت اور ان کی خوبی اور دنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے یہ قانون بھیجا گیا ہے، اس قانون کا حاصل فقط یہی نہیں کہ آپ چند رسمیں ادا کرلیں بلکہ قانون کی حفاظت اور تحفظ کا حاصل یہ ہے کہ اسپر عمل درآمد کر کے آپ ظاہری افعال بھی ادا کریں مگر ہر فعل میں قربت اور تعلق پیش نظر رہے یہی فرق ہے دین میں اور رسمی قانون میں۔

رسمی قوانین صرف افعال پر لاگو ہوتے ہیں

رسمی قوانین جو سلطنتیں طے کرتی ہیں وہ صرف افعال پر لاگو ہوتے ہیں لیکن خدائی قانون دلوں کے اوپر بھی لاگو ہوتا ہے۔ اگر کسی کو چوری کرتے ہوئے پکڑ لیا تو قانوناً اس کو سزا دیں گے۔ لیکن اس کے دل میں سے کوئی چوری کا جذبہ نکال دے یہ کوئی دنیاوی قانون نہیں کر سکتا جیل خانے میں جا کر بھی چور کا جذبہ یہی رہے گا کہ اب اگرچہ چھ مہینے بعد چھوٹ جاؤں گا تو پھر اس سے بڑی چوری کروں گا، پھر چھ ماہ جیل میں رہوں گا مگر اس کے بعد میں ایک اور زبردست ڈاکہ ڈالوں گا تو بھائیو! دنیا کا قانون تو جذبات بھی لاگو نہیں ہوتا ذات پر تو کیا ہو وہ تو اور بھی اوپر کی چیز ہے، صرف افعال پر لاگو ہوتا ہے منظر عام پر وہ قانون چلتا ہے لیکن دینی قانون اور انبیاء کا قانون وہ ہے کہ وہ فقط چوری ہی سے نہیں روکتا بلکہ چوری کی نفرت بھی دل کے اندر بٹھا دیتا ہے وہ ڈاکہ زنی ہی سے نہیں روکتا

بلکہ ڈاکہ کی غلاظت اس کے سامنے ایسی آتی ہے جیسے پاخانہ کی غلاظت تو جرائم کی نفرت بٹھا دینا، جرائم سے بیزار بنا دینا یہ قانون خداوندی کا کام ہے۔

قانون خداوندی انسانوں کی اصلاح کے لئے آیا ہے

مسلمانوں کا شخصی قانون ہو یا عائلی قانون ہو اس کا منشاء فی الحقیقت یہی ہے کہ ظاہر میں پر عمل کرو اور باطن میں خدا کی طرف رجوع کرو۔ اس لئے کہ قانون دونوں چیزوں پر لاگو ہوتا ہے تمہارے دلوں پر بھی تمہاری زبانوں پر بھی اور تمہارے ہاتھوں اور پیروں پر بھی۔ نہ فقط دل کی اصلاح نہ فقط ہاتھ پیر کی اصلاح نہ فقط زبان کی اصلاح بلکہ انسان کے مجموعے کی اصلاح پیش نظر ہے کہ اس کا ہاتھ پیر بھی درست ہو اس کا دماغ بھی درست ہو۔ اس کا قلب بھی درست ہو۔ ظاہر و باطن سے وہ اس پر عمل درآمد کرے، تو یہ شور مچانا محض اسلئے نہیں کہ چند رسمیں ہیں جنہیں ہم پورا کرنا چاہتے ہیں یا چند رسمی باتیں جن کی حفاظت کرنا ہمارا مقصود ہے، نہیں بلکہ یہ اللہ کا دین ہے جس کے پیش نظر ہے انسان کی فلاح و بہبود۔ ہم اسکی حفاظت کر کے اپنی حفاظت کرنا چاہتے اور دنیا کی قوموں کو لانا چاہتے ہیں کہ تم بھی اس قانون کو اپناؤ، موازنہ اور مقابلہ کر کے دیکھ لو ذاتی زندگی ہو یا افعال کی زندگی ہو کہ یہ زندگی بہتر ہے یا وہ زندگی بہتر ہے جو تم تجویز کر رہے ہو یہ بھی ہمارے مقاصد میں داخل ہے۔

ہر شور مضر نہیں

تو پرسنل لا کے خلاف ایک شور اٹھا اس سے لوگ پریشان ہوتے اور آل انڈیا مسلم بورڈ قائم کر دیا۔ میں سمجھ رہا ہوں کہ یہ شور مضر نہیں ثابت ہوا گو وہ فی نفسہ کوئی اچھی چیز نہیں سمجھا جاتا۔

بعض شر میں سے خیر نکلتی ہے

جنہوں نے پرسنل لا کی مخالفت کی واقعی انہوں نے سخت غلطی کی گویا ایک شر اٹھا مگر اس شر میں سے ہمارے لئے خیر نکل آئی پہلی خیر تو یہ نکلی کہ سارے مسلمان متحد ہو گئے کہ ہمیں اسکی حفاظت کرنی ہے آج آپ کے سامنے یہ سربراہانِ مذاہب بیٹھے ہوئے ہیں ہر فرقے اور ہر طبقے کے علماء موجود ہیں ہر تنظیم کے سربراہ موجود ہیں۔

سب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو گئے ہیں اس شہر میں سے ہی تو یہ خیر نکلی ہے اگر پرسنل لا کے مخالف نہ کھڑے ہوتے تو ان کے دل میں یہ جذبہ کہاں سے پیدا ہوتا کہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جائیں تو اتحاد جیسی نعمت اس شور نے ہمیں بخشی تو یہ شور ہمارے لئے مضر ثابت نہیں ہوا۔ ہم تو انہیں محسن سمجھتے ہیں کہ ایک درجے میں جو پرسنل لا کی مخالفت کر رہے ہیں کہ ان کی مخالفت سے ہم میں جذبۂ اتحاد پیدا ہو گیا ؎

خدا شرے برانگیزد کہ خیرے مادراں باشد

بعض دفعہ شر اٹھتا ہے مگر اس شر میں سے خیر نکل آتی ہے۔ ہمارے لئے بھی اسمیں سے خیر نکل آئی کہ ہم کو نعمتِ اتحاد ملی۔ یہ بات نہیں کہ رسمی طور پر ہم اتحاد اچھی بات سمجھ رہے ہیں بلکہ یہ ایک نعمتِ خداوندی ہے۔ حق تعالیٰ نے بھی اسے نعمت فرمایا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ لڑتے تھے آپس میں عداوتیں بڑھتی ہوئی تھیں، آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے لڑائیاں ٹھنی ہوئی تھیں، ذرا ذرا سی بات پر جنگیں اٹھتی تھیں، پانی پلانے پر جھگڑا، پہلے پانی کون پلائے اس پر قبیلے لڑ پڑتے تھے اور یہ لڑائی پچاس پچاس سو برس جاری رہتی تھی، اور مرنے والے وصیت کر جاتے تھے کہ لڑائی بند نہ ہونے پائے، اسے جاری رکھنا، ہمارے خاندان کی ناک نہ کٹ جائے۔ یہ بات چھوٹی چھوٹی ہوتی تھیں مگر لڑائیاں بہت، عناد دشمنی عام، آپس میں رقابتیں مزاج بن گیا تھا، اسلام نے آکر انہیں متحد کر دیا، تو اس اتحاد کو حق تعالیٰ نے ایک آیت میں نعمت فرمایا ہے کہ واذکروا اذ کنتم اعداءً اس وقت کو یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے ایک دوسرے کے نام سے بیزار تھے فالف بین قلوبکم اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈالدی فاصبحتم بنعمتہ اخواناً یہ اسکی دی ہوئی نعمت تھی کہ تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے۔ جو آپس میں جمع نہیں ہو سکتے تھے، تو اس اتحاد اور تالیف قلوب کو حق تعالیٰ نے انعامِ خداوندی فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ دلوں کا ملا دینا یہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے اور کسی کے ہاتھ میں نہیں ہے ساری تنظیمیں آپ کریں مگر دلوں کا ملا دینا یہ اللہ ہی کا کام ہے۔

تالیف قلوب اللہ کے قبضے میں ہے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات

بابرکات کہ آپ کی تائید سے بڑھ کر اور کس کی تائید قوی ہو سکتی ہے ...... لیکن حق تعالیٰ نے فرمادیا کہ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ اے پیغمبر! آپ اگر زمین بھر کر بھی سونا خرچ کر دیتے تو دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے۔ دلوں کا جوڑنا اللہ کا کام ہے۔ یہ تو ہمارے بزرگ جو بیٹھے ہوتے ہیں، مختلف مسالک کے مختلف فرقوں کے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض کندھے سے کندھا ملائے ہوتے نہیں بیٹھے بلکہ دل بھی ان کے جڑے ہوتے ہیں۔ دلی جذبہ بھی یہی ہے کہ واقعی ہم حفاظت کریں اپنے دین کی تو تالیف قلوب یہ تو اللہ کا ہی کام تھا اور واقع جب ہوا جب شر اٹھا۔ اور پرسنل لاء کے مخالف کھڑے ہوتے تو ہم کو اللہ نے اس شر سے ایک بڑی نعمت عطا کر دی اور اسلام کا شیوہ ہمیشہ رہا ہے کہ جب بھی وہ ابھرا ہے مخالفوں میں ابھرا ہے۔ اگر مخالفین نہ ہوں اور اس سے ٹکراؤ نہ ہو تو اسکی برکتیں نہیں کھل سکتیں، اس کے اندر جو خیر کے پہلو ہیں وہ نمایاں نہیں ہو سکتے تھے۔

ترقی نام ہے ٹکراؤ کا

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ترقی نام ہی ٹکراؤ کا ہے۔ اگر دنیا میں ٹکراؤ نہ ہو تو ترقی نہیں ہو سکتی۔ مثلاً پانی ہے۔ ہزاروں برس سے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اس میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ یہ نہیں کہ سمندر کی موجیں اٹھتی تھیں پہاڑوں کی شکل میں اور اب گلدستوں کی صورت آنے لگی ہوں، اچھول بوٹے بن گئے ہوں، ویسی ہی موجیں ہیں جیسی دس ہزار برس پہلے اٹھتی تھیں ویسے ہی ٹھاٹھیں مار رہا ہے کوئی ترقی نہیں اسمیں۔ آگ ہے اسمیں کوئی ترقی نہیں، جیسے پہلے لپٹ اٹھتی تھی ویسے ہی آج بھی لپٹ اٹھ رہی ہے وہ پھول بوٹے نہیں بناتی، زمین ہے اگر تنہا زمین کو چھوڑ دو تو اسمیں کوئی ترقی نہیں جیسے پہلے پامال تھی ویسے ہی آج بھی پامال ہے، آپ جیسے اسے روندتے ہیں روندی جاتی ہے۔ لیکن پانی کو اگر آپ مٹی سے اور ٹکرا دیں تو گارا بنے گا اور گارا بننے کے بعد کہیں برتن بنیں گے۔ کہیں اینٹیں بنے گی، کہیں سامان بنے گا۔ بس ترقی شروع ہوگئی، تو آگ پانی کے ٹکراؤ سے ترقی ہوتی ہے۔ الگ الگ رہنے میں کوئی ترقی نہیں ہے۔ آگ کو آپ ہوا سے ٹکرا دیں تو جو

(فضا) کے عجائبات پیدا ہوں گے، کہیں گرج ہوگی کہیں بادل ہوں گے کہیں بجلیاں چمکیں گی۔ اگر ہوا اور آگ دونوں الگ الگ رہیں تو نہ بجلی نظر آئے گی نہ کڑک نظر آئے گی نہ بارش برسے گی۔ تو بہرحال ٹکراؤ ہی میں ترقی ہے ایک بہت بڑا عالم ہے وہ ہزار مسائل جانتا ہے لیکن پھر اس کے اندر ترقی نہیں کیونکہ اس کو کسی سے ٹکراؤ نہیں ہے لیکن اگر اس کو کسی جاہل سے ٹکرا دیا جائے اور وہ اعتراضات کرے تو اعتراضات کے جواب میں نئی نئی چیزیں کھلیں گی اور نیا علم سامنے آئے گا۔ اس طرح سے ایک عالم کے علم کی ترقی شروع ہو جائے گی۔ تو جہالت بھی ایک نعمت ہے بغیر اس کے ٹکراؤ کے علم کے اندر ترقی پیدا نہیں ہوتی۔ ایک حکیم کا مقولہ ہے کہ القلب میت وحیاتہ بالعلم والعلم میت وحیاتہ بالمناظرہ دل مردہ ہے اسکی زندگی ہے علم۔ اور علم مردہ ہے اسکی زندگی ہے بحث اور نظر اور ٹکراؤ سے اور علم کی ٹکر جہالت سے ہی ہوگی، علم تو علم سے ٹکراتا نہیں تو جتنا جاہل ٹکرائے گا عالم سے اتنا ہی اسکے علم میں وسعت شروع ہو جائے گی۔ ایک بہت زبردست پہلوان ہے ہزاروں داؤ پیچ جانتا ہے جو اسکی جھولی میں محفوظ پڑے ہوتے ہیں۔ اگر کشتی لڑنے پر آئے تو ان داؤ پیچ میں ترقی ہوگی، وہ اپنے بچاؤ کے لیے نئے نئے داؤ پیچ ایجاد کرے گا نئی نئی صورتیں پیدا کرے گا۔ تو جب تک دو پہلوانوں کی ٹکر نہ ہو تو فن کی ترقی نہیں ہوتی۔ ترقی درحقیقت نام ہی تصادم کا ہے۔ اگر تصادم نہ ہو تو ترقی ناممکن، اسی لئے حق تعالیٰ نے اسی تصادم کو بھی فضل خداوندی ظاہر فرمایا ہے کہ "ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذو فضل علی العالمین" اگر اللہ ایک قوم کو دوسری قوم سے نہ ٹکرائے تو زمین فاسد ہو کر رہ جائے اور قومیں بیٹھ جائیں انکی ترقی رک جائے لیکن اللہ ٹکراتا ہے ٹکرانے کے بعد پھر نئے نئے عجائبات تمدن کے پیدا ہوتے ہیں، جب کوئی بڑی جنگ ہوتی ہے تو جنگ کے بعد نئے نئے نظریات پیدا ہوتے ہیں تمدنی ترقی ہوتی ہے۔ اگر کوئی قوم قوی ہے تو اس ٹکراؤ سے اسکی نخوت ٹوٹتی ہے اور جو ضعیف ہے اسکی غفلت ٹوٹتی ہے تو دونوں فریقوں کی بھلائی۔ ٹکرانے کے اندر

ہی ہوتی ہے ٹکریں نہ ہوں تو کوئی ترقی ممکن نہیں تو پرسنل لار کو ٹکرایا لوگوں نے، مخالفت کی، اعتراضات کئے اس سے ہر فرقے کے علمار کھڑے ہوگئے، ہر تنظیم کے سربراہ کھڑے ہوگئے، انہوں نے ان کے اعتراضات کے جواب دیئے اس سے مسلم پرسنل لار کا مسئلہ پھیل گیا، اور اتنی شقوق کھل گئیں کہ اس سے پہلے ہم بھی نہیں جانتے تھے۔ کہ اس کے اندر اتنے شقوق ہیں، آج سینکڑوں رسالے شائع ہوگئے، سینکڑوں مضامین چھپ گئے سارے پہلو کھول کر رکھ دیئے پتہ نہیں تھا کہ اس مسلم پرسنل لار میں اتنا علم بھرا ہوا ہے ہر ایک نے اپنے ذوق اور ظرف کے مطابق علم نکالا۔ اتنے پہلو وا شگاف گئے کہ اگر مخالف اعتراض نہ کرتے تو کبھی یہ پہلو ہمارے سامنے نہ آتے، بس اتنا جانتے تھے کہ قانون اللہ کا ہے۔ بھائی عمل کرلو اپس، مگر ٹکرے آپس میں ترقی ہوئی عجیب لطائف اور نکات پیدا کئے علمار نے اگر یہ ٹکر نہ ہوتی تو پرسنل لار کا مسئلہ واضح نہ ہوتا حق تعالیٰ جب چاہتے ہیں کہ اسلام کے مسئلہ کھول کر واضح کریں تو جہلار کو ٹکرا دیتے ہیں کہ تم اعتراضات کرو اور مخالفت کرو، جتنی مخالفت ہو گی علمار اسکے جواب میں کھڑے ہوجائیں گے، اور جو گوشے چھپے ہوتے تھے وہ کھل کر سامنے آجائیں گے اسی لئے کفار کو ٹکر دی گئی مسلمانوں سے، فساق کو ٹکر دی گئی متقیوں سے منافقوں کو ٹکر دی گئی مخلصوں سے تاکہ مخلص کا اخلاص کھل جائے، منافق کا نفاق کھل جائے، اور جو چیز اصل ہے وہ کھل کر برسرِ عام آجائے۔

مخالفت بھی نعمت ہے اور اتحاد بھی نعمت ہے

تو واقعہ یہ ہے کہ پرسنل لار کی مخالفت ہمارے لئے بڑی نعمت ثابت ہوئی اگر یہ نہ ہوتی تو اتنا بڑا اتحاد جو آپ دیکھ رہے ہیں یہ نہ ہوتا اس اتحاد سے جو حفاظت ہو رہی ہے پرسنل لار کی وہ نہ ہوتی اس حفاظت سے رعب کی جو کیفیت مخالفین کے دلوں میں پیدا ہوگئی وہ نہ ہوتی ہزاروں مسلمان جو پرسنل لار کو سمجھتے ہوئے نہ مانتے تھے وہ اچھی طرح مان گئے تو ایک نعمت کیا ہزاروں نعمتیں مل گئیں اس اعتبار سے ہم تو شکر گذار ہیں مخالفت کرنے والوں کے کہ اگر وہ مخالفت نہ کرتے تو ہمیں یہ نعمتیں نہ ملتیں۔ اور وہ اور زیادہ مخالفت کر کے دیکھیں مسئلہ اور زیادہ واضح ہوگا اور ممکن ہے کل کو اس

کھلے ہوئے مسئلے کی پیٹ میں وہ بھی آجائیں ! اور وہ بھی کہیں کہ بھائی ! وہی بات تو تھی
جس سے لڑ رہے تھے اسے دیکھو اور جب دیکھیں گے تو اختیار کرنے پر مجبور ہو جاویں گے
تو یہ مخالفت ذریعہ بن جائے گی ان کی موافقت کا۔ یہی مخالفت ذریعہ بنے گی پیروی کرنے
کا تو ان کے لئے بھی راستہ ہموار ہو رہا ہے۔ اور ہمارے لئے تو اللہ نے علمی اور نظری راستہ
پیدا کر ہی دیا بہت سُوں میں اب استعداد پیدا ہو رہی ہے غور و فکر کی اور استعداد کے
بعد جب وہ غور و فکر کریں گے تو فطری قانون پر آ کر رہیں گے یہ مصنوعی قانون سب ختم
ہو جائیں گے

باپ بیٹے کا تعلق جزئیت کا ہوتا ہے

باپ کا بیٹا ہونا یہ کوئی فرضی بات تھوڑا ہی ہے کہ جسے چاہیں آپ
کہدیں کہ یہ بیٹا ہے بس وہ بیٹا بن گیا جسے چاہیں آپ کہدیں کہ یہ باپ ہے بس وہ باپ
بن گیا۔ باپ بیٹا ہوتا ہے جزئیت کے تعلق سے کہ وہ باپ کا جزو ہے اس کے نطفے
سے ہے اسلئے وہ اس کا بیٹا ہے۔ محض منہ بولنے سے تو جز نہیں بن جلتے گا کوئی شخص
کسی شخص کا تو محض نام لینے سے بیٹا بنا دینا۔ درحقیقت یہ فرضی اور مصنوعی بات ہو گی، حالانکہ
اس کا تعلق خلقت سے ہے، خدا ہی باپ بناتا ہے خدا ہی بیٹا بناتا ہے وہی ایک کے
اندر سے دوسرے کو نکالتا ہے اس کے اجزاء منتقل ہوتے ہیں دوسرے کے اندر جس
سے وہ بیٹا بن جاتا ہے بیٹی بن جاتی ہے یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی
وہ مردہ سے زندہ کو نکال دیتا ہے ایک قطرہ پانی سے جو مردہ محض ہے زندہ انسان
پیدا کرتا ہے اور اس زندہ انسان میں سے پھر وہ قطرہ آگے کو چلتا ہے تو زندہ میں سے مردہ
کو نکال دینا اور مردہ میں سے زندہ کو پیدا کرنا یہ تو اللہ کا کام ہے کسی انسان کا کام نہیں ہے۔
تو ایک انسان کا جز بن جائے گا۔ دوسرا انسان وہ جز زبان کی حرکت سے تھوڑا ہی بنے گا وہ
تو خلقۃً بنا ہوا ہے جو بیٹا ہے وہ بیٹا ہے جو باپ ہے وہ باپ ہے تو ظاہر بات ہے
کہ جب اس حقیقت پر وہ غور کریں گے وہ خود نادم ہوں گے اگر عقل رکھتے ہوں گے کہ
بھائی ! یہ محض منہ سے بیٹا کہدینے سے بیٹا کیسے بن گیا اور بیٹا بھی حقیقی کہ وراثت میں بھی

شریک اور حقوق میں بھی یہ سب فرضی کارخانہ ہے کہ ہم نے بیٹھ کر خیال کر لیا بس ہو گیا، تو باپ بیٹا ہونا خیالات سے تھوڑا ہی ہوتا ہے۔ یہ تو خلقت ہے تخلیق خداوندی ہے۔ جتنی چیزیں قانون کی بنائی جاتی ہے وہ واقعہ یہ ہے کہ مصنوعی ہوتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا قانون جو آتا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہوتا ہے خواہ دوسری قومیں اپنے اقتدار کی وجہ سے اپنے تحفظات کی وجہ سے قانون ایسے بناتی ہیں کہ وہ محفوظ ہو جائیں۔ دوسرا چاہے پامال ہو جاتے۔ لیکن اللہ کے تو سب بندے ہیں وہ تو سب کا خیر خواہ ہے۔ اس لئے وہ قانون بھیجتا ہے سارے انسانوں کی اصلاح کے لئے اور سارے انسانوں کی ہدایت کے لئے اسلئے سب ہی بنی آدم کو اس پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔

اہل بنگلور اور ان کی خدمات اور ان کا شکریہ

تو بہر حال اب اس لحاظ سے میں عرض کروں گا کہ اہل بنگلور نے جو مدارات کی ہے آنے والوں کی اور جو مہمان داری کی اور اخلاقی بلندیوں کا ثبوت دیا وہ فی الحقیقت ہمارے گوشت پوست کی خدمت نہیں بلکہ وہ خدمت کی ہے پرسنل لاء کی ہے وہ خدمت کی ہے اتحاد طبقات کی، وہ خدمت کی ہے تمام فرقوں کے متحد ہونے کی۔ تو یہ اتنی بڑی نعمت ہے کہ ہم الفاظ میں شکریہ ادا نہیں کر سکتے، لیکن پھر بھی انسان کے اوپر فرض ہے کہ شکریہ ادا ہی کرے اللہ کا بھی، اور بندوں کا بھی "من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ" جو بندوں کا شکر گذار نہیں وہ اللہ کا بھی شکر گذار نہیں۔ اس لئے کہ اس نے جو کام کیا ہے وہ کیا ہے اللہ ہی کی توفیق دینے سے تو اولاً اللہ کا شکر ہوتا ہے پھر وسائل کا شکر ہوتا ہے تو بجائے اس کے کہ ہم آپ کا شکر ادا کرتے یہ آپ کی عالی حوصلگی ہے کہ آپ ہمارا شکر ادا کر رہے ہیں۔ دے بھی رہے ہیں اور شرما بھی رہے ہیں۔ فی الحقیقت یہ شکریہ آپ کے لئے ہے۔ اسوقت تک جب تک آپ کی نسلیں باقی ہیں آپ کے لئے دعا ہے اس وقت تک جب تک دنیا میں آپ کا نام و نشان باقی ہے۔ تو اللہ آپ کو بھی دوامی کرے اور خدا کرے کہ ہمارا شکر بھی دوامی ہو۔

انسان دوامی اور ابدی ہے

انسان تو ہے ہی دوامی انسان ازلی نہیں ہے بلکہ

ابدی ہے۔ ازلی تو اُس۔ یہ نہیں کہ اللہ نے پیدا کیا تو ہو گیا اس سے پہلے انسان کا نام و نشان نہیں تھا۔ قرآن کریم نے فرمایا کہ ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئًا مذکورًا انسان پر ایک بڑا زمانہ گذر چکا ہے لاشئ محض تھا، اور اس کا چرچا بھی نہ تھا زبانوں پر کوئی جانتا بھی نہ تھا کہ زید کون ہے اور بکر کون ہے انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج نبتلیہ ہم نے پیدا کیا اس کو تو ہمیں پیدا ہونے کے بعد ہی معلوم ہوا کہ ہم معدوم تھے اس سے پہلے، ہمیں اپنے عدم کا بھی علم نہ تھا، زمانہ دراز گذر چکا ہے کہ انسان نہیں تھا۔ اللہ نے پیدا کیا لیکن جب پیدا کر دیا تو اب وہ مٹنے والا نہیں اب وہ ابدی ہے۔

موت کے معنیٰ منتقل ہونا موت کے معنیٰ فنا کے نہیں ہیں کہ آدمی موت آنے کے بعد فنا ہو گیا یا ختم ہو گیا ایسا نہیں ہے بلکہ موت کے منتقل ہو جانے کے ہیں۔ اس دار سے دوسرے دار میں اس جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہونا۔ تو انتقال ایک دار سے دوسرے دار کی طرف ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف یہ تو ہوتا رہے گا انسان سے مگر مٹ جائے انسان یہ نہیں ہو سکتا۔ نو مہینے آپ ماں کے پیٹ میں رہے ایک عالم میں تھے، اس سارے عالم کی عمر نو مہینے کی تھی۔ وہاں سے انتقال ہوا تو دنیا میں آگئے اب دنیا میں آپ کی عمر ساٹھ، ستر، اسّی، اسّو برس کی ہے یہاں رہے یہاں سے انتقال ہوا تو عالم برزخ میں پہنچ گئے جسے آپ قبر کہتے ہیں۔ وہ اللہ ہی جانتا ہے کہ آپ اسمیں کتنی مدت رہیں گے قیامت تک تو رہنا ہی ہے پھر قیامت آگئی تو آپ عالم برزخ سے عالم حشر کے اندر منتقل ہوں گے۔ اور عالم حشر میں ایک دن قیام کرنا ہے اور وہ ایک دن ہوگا پچاس ہزار برس کا، لہٰذا پچاس ہزار برس اس عالم کی عمر ہے، اس عالم میں پچاس ہزار برس گذرنے کے بعد منتقل ہوں گے جنتوں کی طرف تو انسان مٹنے والا نہیں ہے باپ کی پیٹھ سے ماں کے پیٹ سے چلا تو چلتا ہی رہے گا ابدالآباد تک اس لئے آپ بھی باقی، ہم بھی باقی آپ کے اخلاق بھی باقی ہمارا شکریہ بھی باقی۔ دونوں چیزیں دوامی ہیں جو چلتی رہیں گی اور جنتوں تک ساتھ جائیں گے۔

قانون کی حفاظت کے لئے سب کا اتفاق ضروری ہے تو بہرحال آپنے فی الحقیقت

یہ خدمت مہمانوں کی نہیں بلکہ ایک عظیم مسئلہ کی خدمت کی ہے آپ نے مسلم پرسنل لاء کی خدمت کی ہے۔ اس کو عام کیا۔ اس کو پھیلایا۔ اور آپ نے چاہا کہ ساری پبلک اس سے واقف ہو جائے اس کے لئے یہ عظیم الشان جلسہ منعقد کیا یہ جلسہ درحقیقت وعظ وتقریر کا نہیں ہے۔ وعظ وتقریر میں ہوتی ہے تربیت۔ یہ جلسہ ہے اعلان کا کہ آپ کو ان خطرات سے آگاہ کیا جائے کہ جو قانون کے اوپر آنے والے ہیں ان کے بچاؤ کی صورتیں آپ کے سامنے رکھی جائیں ان صورتوں پر آپ متفق اور متحد ہو کر چلیں۔ یہ جلسہ اس اعلان کے لئے ہے وعظ وتقریر کے تو ہزاروں جلسے ہوتے ہیں۔ ان میں عبادات معاملات وغیرہ سب چیزوں کی نصیحت بھی ہوتی ہے لیکن یہ محض وعظ ونصیحت کا اجلاس نہیں یہ تو اذن عام اور اعلان عام کا ہے تاکہ خطرات سے آگاہ کر دیا جائے۔ تو بہت سے خطرات سے آگاہ کیا جا رہا ہے کہ فلاں مسئلے کو اگر بدلا گیا تو یہ خطرات پیدا ہوں گے۔ پرسنل لاء کے فلاں مسئلے میں مداخلت کی گئی تو یہ خطرات رونما ہوں گے۔ ان خطرات پہ تجویزیں آرہی ہیں جو آپ کے سامنے پیش کی گئیں تو یہ جلسہ اذن عام اور اعلان عام کا ہے۔ تاکہ آپ کا اتحاد باقی رہے۔ یہ ظاہر بات ہے کہ اتحاد زبان سے نہیں ہوتا۔ آپ نے کہا کہ میں آپ کا دوست ہوں۔ آپ نے کہدیا کہ میں بھی آپ کا دوست ہوں یہ دوستی قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ یہ تو لفظوں کی دوستی ہے۔ دوستی واقعی جب ہے کہ واقعی دل میں دوستی آجائے جگر کے اندر پیوست ہو جائے وہ دوستی باقی رہ سکتی ہے۔ اور وہ دوستی کب ہوگی؟ جب وحدت خیال پیدا ہوگا۔ اگر خیالات بدلے ہوتے ہیں آپ کا رخ ایک طرف میرا رخ ایک طرف۔ کبھی اتحاد پیدا نہیں ہو سکتا ہے اور جب خیالات میں آگئی وحدت تو خود بخود اتحاد پیدا ہوگا۔ تو پرسنل لاء اور قانون الٰہی اور قرآن کے ایک ایک جز کی حفاظت ایسی چیز ہے کہ اس کے اوپر سارے متفق ہیں۔ اس کے معنی چاہے اختلاف کریں رائے الگ ہیں لیکن نفس قانون قرآن وحدیث اس پر سارے متحد ہیں تو اس وقت آنچ آپ کے میرے خیالات پر نہیں آرہی ہے اس وقت تو آنچ آرہی ہے کتاب وسنت پہ ۔ ۔ کے مسائل پر لوگ تغیر وتبدل چاہتے ہیں۔ تو کون فرقہ رہ جائے گا جو اسے گوارہ کرلے کہ

قرآن وحدیث میں کوئی شخص تغیر کرے اسواسطے سارے کے سارے متحد ہو گئے ہو لہذا وحدت خیال بھی ہے اور وحدت قلوب بھی ہے۔ اور باہم اخلاص بھی ہے ایک دوسرے سے، بغیر اخلاص کے اسطرح جمع نہیں ہوسکتے اور اخلاص اسلیئے ہے کہ مقصد ہے مشترک الگ الگ، مقصد نہیں ہے، بلکہ ایک ہی مقصد ہے کہ یہ قرآن وسنت کا ناقابل تغیر ہے اسمیں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا ہے تغیر وتبدل آپ تو کیا کرتے اس کا حق تو خود صاحب شریعت کو بھی نہیں دیا گیا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ارشاد فرمایا گیا کہ آپ بھی اعلان کریں کہ ان ابدّله من تلقاء نفسی میرے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ میں اسکے کسی شوشے کو بدل دوں۔ میں تو ناقل اور امین اور داعی بنکر آیا ہوں اللہ کی طرف سے، جو حق تعالیٰ فرمائیں گے بلاکم وکاست تمہارے آگے رکھدوں گا اسکے اندر میری طرف سے کوئی تغیر وتبدل ممکن نہیں تو حضور بھی جس تغیر وتبدل کے مجاز نہیں ہیں اور آپ اسکے مجاز کیسے ہوجاویں گے اور جب میں اور آپ نہیں تو دوسری قومیں کیسے ہوجاویں گے یہ تغیر وتبدل کرنے کھڑی ہوں گی تو لامحالہ مقابلہ بھی ہوگا اور مقابلہ ہوگا تو ہماری مدد بھی ہوگی۔

مدد حاصل کرنے کا اصول

مدد حاصل کرنے اور لڑنے کا ایک خاص اصول ہے اگر آپ ضعیف ہیں اور کمزور ہیں اور مدمقابل ہے بہت قوی آپ مقابلہ نہیں کرسکتے ہیں اس سے تو اصول یہ ہے کہ کسی قوی کو اس کے مقابلہ پر ڈال دیجئے وہ لڑتے رہیں گے آپ بیٹھ کر تماشہ دیکھتے رہیں گے تو آج قانون پر آنچ آرہی ہے آپ لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے تو اقوام کو اللہ سے بھڑا دو اور کہدو کہ یہ قرآن وحدیث میں تغیر کرنا چاہتے ہیں، قرآن والا خود ان کو سمجھ لے گا۔ لڑائی ان کی شروع ہوگی۔ ہم آرام سے بیٹھ کر دیکھیں گے خدا کو کون مغلوب کرسکتا ہے اسکے قانون کو کون نیچا دکھا سکتا ہے۔ اسکی صورت یہی ہے کہ ہم اڑ لیں قرآن وحدیث کی۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہ کہیں نہ ہماری عقل کوئی چیز ہے نہ ہمارا خیال کوئی چیز ہے ہم تو قانون کے حق میں امانت دار ہیں اس قانون کو پہنچائیں گے قانون قانون والے کا ہے۔ اگر کوئی لڑے گا تو وہ قانون سے اور قانون ساز سے لڑے گا۔ ہم تو قانون ساز نہیں ہیں ہم تو بیٹھ کر تماشہ دیکھیں گے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد

فرمایا گیا۔ مقابلہ ہوا مشرکین مکہ سے ظاہر بات ہے کہ مسلمان کی تعداد میں بھی تھوڑے سامان بھی ان کے پاس نہیں اور مقابلہ اس قوم سے کہ سارے وسائل زندگی اس کے ہاتھ میں ہے اقتدار حجاز کا اس کے ہاتھ میں۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اے پیغمبر! مجھے چھوڑ دو۔ اور میرے مقابلہ پر انہیں چھوڑ دو ہم نمٹ لیں گے۔ تم بیٹھ کر دیکھو۔ تو ہمارا ابھی کام یہ ہے بھائی تم ہماری جائداد پر یا ہماری ذات پر حملہ نہیں کر رہے ہو یہ تو براہِ راست قانون پر حملہ ہے اور قانون الٰہی ہمارا بنایا ہوا نہیں ہے خدا کا بنایا ہوا ہے تو تم لڑ لو اگر تمہارے اندر طاقت ہے اللہ میاں سے ہمارا کام تو یہ ہے کہ ہم پیش کر دیں کہ یہ خدا کا قانون ہے اسمیں تغیر و تبدل ممکن نہیں ہے پھر بھی کرو گے تو مجرم ٹھہرو گے خدا کے ہمارا کوئی جرم نہیں کہ ہم خواہ مخواہ تم سے لڑیں تم نمٹ لو۔

اہل قانون خود عمل کریں

بہرحال اصول بھی یہی ہے کہ جب آپ کے اندر طاقت نہیں تو کم از کم اتنی طاقت ہے کہ اپنے دین کو مضبوطی سے سنبھال لیں۔ اور دوسروں میں اعلان کر دیں اور یہ بھی کہدیں کہ یہ ناممکن التغیر ہے بس اتنا آپ کرتے رہیں اب آگے جھگڑنے کے بعد کون مغلوب ہو کون نہیں اس کو قانون والا اپنے آپ جان لے گا۔

اصحاب فیل کا واقعہ

آپ کے سامنے تو واقعہ ہے کہ مکہ پر جب دھاوا بولا ہے ابرہہ نے یہ حبش کا بادشاہ تھا اور اس نیت سے آیا تھا کہ بیت اللہ شریف کو منہدم کر دے (معاذ اللہ) تاکہ لوگوں کا رجوع اسکی طرف سے ختم ہو کر اس مکان کی طرف ہو جائے جو اس نے یمن میں بنایا تھا تو وہ بڑے بڑے ہاتھیوں کا لشکر لیکر آیا اور مکہ کے ارد گرد اس نے گھیرا ڈال لیا اور ارادہ یہ تھا کہ معاذ اللہ بیت اللہ کو مسمار کر دے اور ڈھا دے۔ تو اس نے عبد المطلب کو اطلاع کی کہ اگر تمہیں کچھ کہنا ہو تو آ کر کہو مکہ کے باشندوں کے تم سردار ہو۔ عبد المطلب آئے ان کی بڑی تعظیم کی بڑی توقیر سے پیش آیا اور کہا کہ اگر کوئی بات ہو تو آپ کہیں۔ انہوں نے کہا میرے چند اونٹ ہیں میری چند املاک ہیں ان کی آپ حفاظت کریں ان پر آپ ہاتھ نہ ڈالیں اور میں کچھ نہیں کہنا چاہتا، اسے حیرانی ہوئی کہ یہ اپنے چند اونٹوں کو

سنے کر بیٹھ گئے اور بیت اللہ جیسی چیز کے بارے میں انہوں نے کچھ نہیں کہا کہ صاحب!
اسے مسمار مت کرو، اس پر حملہ مت کرو تو اس نے عبدالمطلب سے کہا کہ آپ اپنے چند اونٹوں
کے بارے میں آتے ہیں اور اپنی ایک شخصی ملک کو سامنے رکھا ہے حالانکہ میرا مقصد یہ
ہے کہ اس مرکز کو ڈھا دوں کہ جس سے آپ کی بنیاد قائم ہے اس کے بارے میں آپ
نے کچھ بھی نہیں کہا تو عبدالمطلب نے کہا کہ بیت اللہ میری ملک تھوڑا ہی ہے یہ تو خدا کا گھر
ہے خدا آپ سے خود نمٹ لے گا۔ میں تو اپنی ملک کے بارے میں کہنے کے لئے آیا ہوں خدا کی
ملک کے بارے میں کہنے کے لئے نہیں آیا۔ وہ جانے آپ جانیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حق
تعالیٰ نے اس کے ہاتھیوں کے پرخچے چند چڑیوں کے ذریعہ سے اڑا دیئے بیت اللہ اسی
طرح قائم رہا اس کے ہاتھیوں کے اور اس کے لشکر کے پرخچے اڑ گئے ان میں سے ایک
شخص بھی باقی نہیں رہا۔

یہ قانون ناممکن التغیر ہے

تو ہم اور آپ اس چیز کے ذمہ دار ہیں کہ پہلے تو اس
قانون پر ہم اور آپ عمل کریں اور اپنے اندر اس کو
چالیں اس کے بعد اس کا اعلان کریں کہ یہ خدائی قانون ہے اسمیں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ پھر
بھی کوئی زیادتی کرے تو اس کو خدا کے مقابلے پر ڈال دیں کہ ہم تو اسی پر عمل کریں گے
اور اسی کا اعلان کریں گے جو تمہارا جی چاہے کر لو تو حقیقت یہ ہے کہ کوتاہی ہماری
ہے۔ عامل تو ہم نہیں، پرسنل لا کے نام سے ہم واقف نہیں شخصی اور عائلی قوانین کیا
ہیں ان پر ہمارا عمل درآمد نہیں، اگر عمل درآمد ہو تو دوسرے خود مغلوب ہو جاویں گے لیکن
خود آپ عمل نہ کریں تو دوسروں کو جرأت ہوتی ہے کہ مداخلتیں کریں وہ جانتے ہیں کہ مسلمان
کو پتہ نہیں کہ پرسنل لا کیا ہے۔ لہٰذا جس طرح سے چاہو اس کے روپ کو بدل دو۔
ہماری بدعملی نے یہ راستہ دکھلایا ہے آج اگر سب مل کر اس پر جمع ہو جائیں کہ پیدا
ہونے سے لے کر مرنے تک جو اسلامی معاشرہ ہے ہم اسے قائم کر کے رہیں گے پھر
کروڑ ہا کروڑ انسان جن کو سات کروڑ کہا جاتا ہے لیکن اندازہ یہ ہے کہ دس بارہ کروڑ سے
کم نہیں ہیں یہ سارے مل کر اگر عمل درآمد کریں تو عمل کے اندر خود وہ طاقت ہے کہ

دوسروں کے چھکے چھوٹ جائیں گے، زبان سے بھی کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی تو ہمارا اور آپ کا کام یہ ہے کہ ایک تو عمل درآمد ہو اسکے اوپر اور ایک اس کا اعلان ہو۔ اور اسکی پوری اطلاع دیدی جائے کہ اس قانون میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا ہے اور نہ ہم اس کو ایک منٹ کے لئے گوارہ کر سکتے ہیں۔ ہماری جانیں جا سکتی ہیں مگر اس قانون پر آنچ نہیں آسکتی یہ اعلان کر دینا آپ کا فرض ہے اسپر جم جانا آپ کا فرض ہے اس لئے یہ جلسے منعقد کئے جا رہے ہیں تاکہ پرسنل لا کی حقیقت واضح کی جائے تو پرسنل لا کے مسائل کے بارے میں مجھے کوئی تحقیق عرض کرنی نہیں تھی بلکہ مقصد آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا اور ایک یہ کہ پرسنل لا کے اوپر آپ کو جم جانا چاہیئے اعلماً بھی عملاً بھی اور اعلاناً بھی۔ اور اذن عام بھی آپ کریں۔ مطلع کر دیں کہ یہ قانون خداوندی ہے ہم اس کے امین ہیں ہم ایک منٹ کے لئے بھی اسمیں تغیر و تبدل گوارہ نہیں کر سکتے۔ یہ چند باتیں مجھے عرض کرنی تھی۔ کوئی تقریر یا وعظ نہیں کرنا تھا۔

حضرت کی طرف سے ادائیگی شکر

ایک خادم بورڈ کی حیثیت سے یہ بھی میرا فرض تھا کہ آپ حضرات کی قدر افزائی کا شکریہ ادا کروں۔ اپنی طرف سے بھی اور ان سب بزرگوں کی طرف سے بھی اصل میں تو یہی سارے بزرگ ہیں انہوں نے مجھے لا کے آگے ملا کے بٹھلا دیا ہے کہ تو یہ کام کر۔ صدر تو اصل میں وہی ہیں جو صدر بنا سکتے ہیں کیونکہ وہ کرسی پر جسے چاہیں بٹھا دیں میں تو ایک علامتی نشان ہوں کام کرنے والے تو یہی سارے بزرگ ہیں جو کام کر رہے ہیں اور انہوں نے ہی کیا ہے۔ اس لئے اس ادائے شکر کے اندر میں انکی طرف سے نیابت کر رہا ہوں حق تعالیٰ آپ حضرات کو جزائے خیر دے آپکے اعمال میں اور اولاد میں برکت عطا فرمائے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم۔ سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين۔ والحمد لله رب العالمين۔

پیغامِ ربّانی

بنام

عالمِ انسانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ۔ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ اَرْسَلَہُ اللّٰہُ اِلٰی کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ

قرآن روح خداوندی ہے

بزرگان محترم۔ آج ہم سب کے لئے بے انتہا خوشی اور مسرت کا دن ہے کیونکہ آج ہماری قوم کے چند بچے حافظ ہوئے اور ان کو پگڑی باندھی گئی اور سند عطا کی گئی اور ان کے سینے میں حق تعالیٰ نے اپنا کلام مبارک اتار دیا۔ خدا کا کلام کسی بندے کے سینے میں آجانا یہ خود ایک عظیم سعادت ہے، حق تعالیٰ کی ذات بابرکات اور اس کی صفات کمال نور مطلق ہے اور بندہ ظلمت محض ہے اس ظلمت کدہ میں یہ چراغ روشن ہو جانا اور نور مطلق کی کرنیں اسمیں گھومنا اور انشراحِ قلب۔ یہ خود ایک عظیم کرامت ہے انسان کے لئے اور قرآن کریم ایک عظیم ترین برکت اور سعادت ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ایک حیات ہے اور ایک زندگی، اس نے دنیا کو بھی زندہ کیا، اقوام کو بھی زندہ کیا، اور عربوں کو بھی زندہ کیا اور انمیں زندگی کی روح ڈالی، خود قرآن کریم میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے حق تعالےٰ شانہ نے فرمایا وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا، اے پیغمبر آپ کی طرف ہم نے وحی کی اور وحی کے ذریعہ اپنی روح آپ کے اندر ڈالی، مراد ہے قرآن کریم۔ آگے فرمایا گیا مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ وَ

لٰکِنْ جَعَلْنٰہُ نُوْرًا نَّھْدِیْ بِہٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا آپ اس سے پہلے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہوتی ہے۔ اس سے بھی آپ واقف نہیں تھے کہ ایمان کیا ہوتا ہے۔ ہم نے اس وحی اور اس روح کو نور بنا کر آپ کے اندر ڈالا کہ جس سے تمام علوم آپ پر منکشف ہوئے تو قرآن کریم کے بارے میں دو باتیں فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ روح خداوندی ہے اور نوعیت اسکی علم اور کمال ہے۔ تو دوسرے لفظوں میں علم کو روح بتلایا گیا ہے۔ ہم اور آپ اپنے عرف میں جانتے ہیں کہ روح باطنی چیز ہے اور وہی زندگی ہے بدن کی، بدن کی کوئی زندگی نہیں اصل میں زندگی روح کی ہے اس کی وجہ سے بدن بھی زندہ ہو جاتا ہے جس دن روح نکل جاتی ہے اسی وقت یہ بدن بھی پاش پاش ہو کر گندگی شمار ہوتا ہے تو حقیقۃً زندگی روح کی ہے اور بدن کی زندگی اس روح کے روپ میں اللہ کے کمال کی ہے تو قرآن کریم جس کو روح کہا گیا ہے وہ روح خداوندی ہے اور حقیقت میں ایک معدن حیات اور سرچشمۂ زندگی ہے۔ یہ روح خداوندی جب عربوں میں پہنچی تو وہ قوم زندہ ہوئی کہ جو پشتہا پشت سے مردہ چلی آرہی تھی، دنیا جس کو حقیر و ذلیل جانتی تھی۔ کوئی ان کو اونٹ کی مینگنیوں میں کھیلنے والا سمجھتا تھا، کوئی ان کو جہلاء عرب کا خطاب دیتا تھا، کوئی جاہلین مکہ کہتا تھا۔ اور مختلف تحقیر آمیز خطابوں سے ان کو یاد کیا جاتا تھا لیکن جب یہ روح ان کے اندر بھری گئی تو وہ عالموں سے بڑھ کر عالم اور عارفوں سے بڑھ کر عارف باللہ بن گئے، اور جن کا نام جہلاء عرب تھا ان کا نام ہو گیا صحابۂ کرام پہلے ان کو نفرت سے یاد کیا جاتا تھا اب ان کو "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" کے اعزاز کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ اس روح خداوندی سے پہلے جس زمانہ کا نام تھا "جاہلیت" اب اس کا نام "خیر القرون" ہے، تو زمان میں بھی زندگی آئی، مکان میں بھی زندگی آئی اور اعیان میں بھی اور افراد بھی ایسے زندہ ہوتے کہ دنیا کو زندہ کیا، اور دنیا کی مردنی کو دفع کر کے پوری دنیا میں زندگی پھیلادی، اور مردہ قوم جو پہلے کروٹ نہیں لے سکتی تھی اب قوت پا کر جو بڑھی تو اتنی بڑھی کہ قیصر و کسریٰ کا کبر و غرور خاک میں ملا دیا اور اس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ ان مقدس ہستیوں کو اپنی جوانمردی ثابت کرنی نہیں تھی بلکہ ان خرافات کو مٹانا تھا کہ جو دنیا کے اندر پھیلی ہوئی تھی، قیصریت و کسرویت کا حاصل خدائی کرنا

تھا۔ وہاں جو آتا تھا اسے اپنے بادشاہ کو سجدہ کرنا پڑتا تھا بعض نے زبان سے دعویٰ کیا کہ ہم معبود اور خدا ہیں۔ اور بعض نے عملاً رعایا سے وہ کام کرائے جو خدا ہی کے لئے مخصوص تھے تاکہ سمجھا جائے کہ وہ خدا ہیں۔ چنانچہ رعایا کا ہر فرد اگر سجدہ کرتا تھا، اور فریاد کرتا کہ میری ساری حاجتیں آپ سے متعلق ہیں، تو جو خدا کی شان میں کہا جاتا ہے وہ قیصر و کسریٰ کی شان میں کہا جاتا تھا، رعایا سب کی سب غلام سمجھی جاتی تھی، اس کی غلامی کے معنی صرف یہ تھے کہ وہ اپنے خون پسینے کی کمائی سے چند امراء اور بادشاہ کو عیش کراتے اور خود بیلوں کی طرح اپنے کھیتوں میں لگی رہے اور ان کی محنتوں سے چند افراد فائدہ اٹھائیں، نہ مساوات تھی اور عدل و علم تھا۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں حضرات صحابہؓ کی جنگیں ملک گیری کے لئے نہیں تھیں وہ تخت شاہی کے خواہش مند نہیں تھے بلکہ اس اقتدار کو خاک میں ملانا تھا، جو اللہ کے دین کی سربلندی اور اللہ کے بندوں میں عدل و مساوات کی راہ میں خارج تھا، اس وقت دنیا میں قیصر روم اور کسریٰ کی دو بڑی بڑی حکومتیں تھیں جو اللہ کے دین کی بلندی میں سب سے بڑی رکاوٹ تھیں۔ اس وقت دنیا میں وہی دو حکومتیں تھیں انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ جب تک یہ اقتدار ختم نہیں کیا جائے گا یہ اوصاف کمال عالم میں نہیں پھیل سکتے ہیں۔ انسانوں میں خدائی اور بندگی کی تفریق رہے گی۔ یہ مساوات اور عدل اسلام لے کر آیا ہے، اس میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی قیصریت کسرویت ہے۔ اس لئے ان حضرات نے ملک قیصریت کسرویت کو مٹایا، بڑی بڑی حکومتوں اور سلطنتوں کا تختہ الٹا جب جاہ کے مساوات پیدا ہوئی۔ اسلام پھیلا۔ دین پھیلا۔ اور وہی لوگ جو انسانوں کے عبد بنے ہوئے تھے، وہی عباد اللہ بنے، وہ اللہ کے بندے بنے، سب میں مساوات آئی، ان میں زندگی آئی تو قرآن کریم نے اپنے کو روح کہا ہے۔ اور حق تعالیٰ نے روح بتلایا ہے اور روح ہی معدن حیات ہے، اس سے گویا واضح ہو گیا کہ قرآن زندگی ہے۔ اور جس قوم میں یہ سرایت کر جائے گا وہ زندہ ہو جائے گی، اور جس سے نکل جائے گا۔ وہ مردہ ہو جائے گی۔ خود اپنے اوپر غور کر لیجئے۔

قوم مسلم کا حال

جب تک مسلمانوں میں قرآن کی روح رہی وہ بلند و بالا رہے جس دن یہ روح نکل ہے اسی دن سے ذلت کے ساتھ دین

سے نکلے جا رہے ہیں۔ ہماری مثال ایسی ہے جیسی کہ گیند ہوتی ہے کہ اگر زمین پر دے کر مارو تو وہ گدا کھا کر زمین سے دس گز اوپر جائے گی اگر سخت ہے تو جتنا زیادہ زور سے دے کر مارو گے اتنا ہی زیادہ وہ بلندی کی طرف جائے گی، یہ ربڑ کی خاصیت نہیں ہے وہ جو ربڑ نے اپنے اندر ہوا بھر رکھی ہے اس کی یہ خاصیت ہے کہ وہ نیچا نہیں دیکھ سکتی۔ زمین پر دے کر مارو گے تو اوپر کی طرف جائے گی۔ لیکن گیند سے ہوا نکال دو تو جس جگہ آپ ڈالدیں گے وہ وہیں پڑی رہے گی، اسمیں اٹھنے کی بھی صلاحیت باقی نہیں رہے گی یہی حال مسلم قوم کا ہے کہ جب تک اس میں روح قرآنی ہے۔ جب تک اس کی عزت و روح ایمانی زندہ رہی۔ اس کی کیفیت یہ تھی کہ اقوام نے جتنی قوت سے دبانا چاہا اور زمین پر جتنے زور سے دیکر مارنا چاہا اتنی ہی یہ اوپر اٹھی۔ لیکن ہوا ہو نکل گئی یہ خالی خول رہ گئی، تو جس نے جہاں پٹخ دیا وہیں پڑی رہی اٹھنے کی سکت نہ رہی۔ لوگ کہتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں دنیا کی اقوام کی کہ دوسروں نے ہمیں ختم کر دیا ہمارے گھر جلا دیئے گئے۔ ہم پر ظلم کیا۔ خاص طور پر یہود کے عربوں پر مظالم، حقیقت یہ ہے کہ ظلم انہوں نے نہیں کیا، قصور اپنا ہے، تم نے ان پر ظلم کیا ذمہ داری تھی، ان کے اوپر کوئی ذمہ داری نہیں۔ اگر انہوں نے تم کو جلایا تو میں کہتا ہوں کہ اگر کوئی مردہ لاش پڑی ہوئی ہو تو ہر قوم کا فرض ہے کہ اس کو جلا دے یا دفن کر دے۔ اگر نہ جلایا جائے یا نہ دفن کیا جائے تو تعفن ہو جائے گا اگر مردہ لاشوں کو کسی قوم نے جلا ہی دیا یا دبا برد کر دیا تو کیا غلطی کی اس قوم نے، اگر آپ چاہتے ہیں کہ کوئی آنکھ بھر کر بھی نہ دیکھے تو وہ روح پیدا کیجئے جس سے زندگی ملے۔ تو پھر کسی کی مجال نہیں کہ نگاہ بدل سکے، لیکن لاشہ بننے کے بعد تو ہر قوم فرض ہے کہ اسے جلا دے یا دریا میں ڈال دے، یہ تو قصور آپ کا ہے اس قصور کو آپ کیجئے اور اپنی اصلاح کیجئے۔

خیر امت کون ہے

۱۔ آپ کو خیر امت کا خطاب دیا گیا کہ دنیا کو ہدایت کرے اور زندگی بخشے جب امام ہی مردہ بنکر پڑا رہا ہو تو پھر مقتدیوں کی نماز کہاں سے ہوگی، اگر امام کی وضو ٹوٹ جائے تو مقتدی کتنے ہی خشوع و خضوع سے کھڑے ہوں، نہ ان کی اطاعت ہوگی، نہ عبادت بنے گی، پہلے امام تو اپنی نماز درست کرے پھر

مقتدیوں کی بھی نماز درست ہوگی تو آپ میں وضو نہیں، آپ میں طہارت نہیں۔ آپ میں سماحت نہیں، عدل نہیں، انصاف نہیں تو دنیا میں ظلم پھیلے گا، اقوام کی برائیوں کی ذمہ داری آپ کے اوپر ہے۔ آپ کی برائی کی ذمہ داری کسی قوم کے اوپر نہیں۔ جو امام بنکر آیا ہے وہ خود کو درست کرے، اگر وہ مقتدیوں سے کہنے لگے کہ تم نے میری نماز خراب کر دی تو مقتدی کہہ سکتے ہیں کہ تو نے بگڑ کر ہماری نماز بگاڑ دی، الٹا چور کوتوال ڈانٹے، آپ کا فرض خیر بن کر دکھائیں، خیر امت تو آپ ہی کو کہا گیا ہے۔ وہ خیریت اپنے اندر پیدا کریں اور وہ خیریت جب ہی پیدا ہوگی جب قرآن کریم کو اپنے اندر رچا لیں بسا لیں۔ اور وہی زندگی اپنے اندر پیدا کر لیں جس کو قرآن کہا گیا ہے۔

قرآن بہترین مصلح ہے

حضرت امام مالکؒ کا قول ہے لا یصلح آخر هٰذه الامة الا بما صلح به اولها اس امت کے اخیر کی اصلاح اسی سے ہو سکتی ہے جس سے امت کے اوّل کی اصلاح ہوئی ہے امت کے اولین طبقے کی اصلاح کا ضامن یہی قرآن کریم ہے۔ صحابہ کے کتبخانہ میں کوئی کتاب نہیں تھی بجز کتاب خداوندی کے۔ اسی کو لیکر آگے بڑھے تو جس چیز سے امت کے اوّلین طبقے کی اصلاح ہوئی ہے۔ اسی چیز سے امت کے آخری طبقے کی اصلاح ہوگی۔ اور وہ قرآن کریم ہے۔ جو منبع حیات اس حیات کا آپ تجربہ کر چکے ہیں۔ جب تک یہ چیز باقی تھی تو آپ زندہ تھے جس دن سے یہ چیز نکلی ہے اسی دن سے آپ پر مردنی چھا گئی ہے، یا تو آپ کی زندگی کا یہ عالم تھا کہ بدر کے میدان میں تین سو تیرہ آدمیوں نے مکہ کی قسمت پلٹ دی یا آج آپ ہیں کہ ستر کروڑ ہیں اور آپ کی قسمت بدل رہے ہیں دوسرے لوگ، آپ میں یہ طاقت نہیں کہ دنیا کو بدل سکیں۔

بہر حال ــــــ قرآن کریم کا ایک وصف حیات ہے۔ زندگی ہے اجب تک یہ حیات نہیں پیدا کریں گے مردنی رفع نہیں ہو سکتی۔ آپ لاکھ شور مچائیں مگر آپ کے لئے معدن حیات یہی ہے۔ آخر یہ حیات کہاں سے آئی تھی کہ فرمایا اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ۔ تم اگر بیس ہوگے تو دو سو پر غالب ہوگے۔

اور ہزار ہو گئے تو دو ہزار پر غالب ہو گئے، اور وہ محض کوئی آرڈر ہی نہیں تھا۔ اور وہ محض کوئی منقبت نہیں تھی۔ اسپر تو صحابہ نے عمل کر کے دکھایا۔ اسلام میں کثرت کوئی چیز نہیں وہاں قوت اور معنویت دیکھی جاتی ہے، اگر ایک ہے مگر اسمیں معنویت ہے تو ہزار سے بے معنی انسانوں پر اپنی قوت معنوی سے غالب آتے گا۔

خالد بن ولید کی بہادری

مسلمانوں کا مقابلہ ماہان بن ولی سے ہوا مسلمانوں کے لشکر کے کمانڈر تھے خالد بن ولید ماہان کے پاس ساٹھ ہزار کا لشکر تھا اور مسلمان دس ہزار تھے۔ یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کی قوت کتنی ہے۔ صحابہؓ میں سے ایک ہزار ٹھہر گئے اور تین سو آدمی منتخب کئے گئے کہ جاکر یہ پتہ چلائیں کہ دشمن کا لشکر کہاں ہے۔ اور اسکی تعداد کتنی ہے! اور اس کے پاس سامان کیا ہے خالد بن ولید سے کہا گیا کہ آپ تین سو آدمی لے جائیں انہوں نے کہا کہ تین سو کی کیا ضرورت ہے۔ میرے ساتھ آپ تیس آدمی کردیجئے بس یہ کافی ہیں۔ وہ صرف تیس آدمی لے گئے صحابہؓ نے کہا کہ آپ کی قوت ایمانی آپ کو مبارک، مگر دنیا عالم اسباب ہے، تیس آدمی کچھ نہیں ہوتے، آپ کم سے کم ساٹھ آدمی لے لیجئے۔ تیس آدمی مجبور کر کے اور بڑھائے گئے، اور ساٹھ آدمی لے کر پتہ لگانے کے لئے گئے۔ باقی حضرات اپنے قیام پہ ہی ٹھہر گئے۔ تو چند میل کے فاصلے پر جاکر معلوم ہوا کہ وہاں دشمن کا لشکر پڑا ہوا ہے۔ اور ساٹھ ہزار اس کی تعداد ہے، اس کی تعداد کا بھی، اس کی قوت کا بھی پتہ چل گیا تو حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ بھائی! لشکر تو سامنے آگیا، اب انہیں اطلاع کیجائے یا ہم خود جنگ کرلیں میری رائے تو یہ ہے کہ ادھر اطلاع دینے کی ضرورت نہیں ہے جتنے آگئے ہیں وہ کافی ہیں۔ ان سے لڑنے کے لئے، صحابہؓ نے کہا ہے کہ بیشک ہم شوق شہادت میں آئے ہیں۔ کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ جب شہادت سامنے ہے تو پھر دشمن کی کثرت کی کیا پرواہ۔ اور اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ ان حضرات کو اطلاع دیجائے ساٹھ آدمی ہم ہیں۔ خالدؓ بن ولید نے ساٹھ آدمیوں کو صف بنا کر کھڑا کیا۔ دوسری طرف ساٹھ ہزار کا لشکر تھا۔ تو ماہان بن ولی نے آگے بڑھ کر کہا کہ اے خالد! ہم سمجھتے تھے کہ مسلمان قوم بڑی سمجھدار قوم ہے۔ مگر تم لوگ تو احمق معلوم ہوتے ہو۔ ساٹھ ہزار سے لڑنے کے لئے تم

ساٹھ آدمی لیکر آئے ہو۔ ہم تم پر رحم کھاتے ہیں اور ہم تمہیں دو دو بورے کھجوروں کے دے دیں گے، دو دو چار چار [illegible] ریاں دیدیں گے، تم چند بھیک منگے لوگوں کو لے آتے ہو۔ جو ہم تم کو دیں گے یہی تمارے لیئے کافی ہوگا۔ کیوں اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہو۔ جاؤ یہاں سے ـــــ خالد بن ولیدؓ نے کہا کہ تو واعظ بن کر آیا ہے یا کمانڈر بنکر آیا ہے تجھے شرم نہیں آتی تو اپنی بزدلی کو وعظ کے پردے میں چھپا رہا ہے۔ تم میں لڑنے کی طاقت نہیں۔ یہ سنکر اس کے غصے کا پارہ انتہا کو پہنچ گیا۔ اس نے ساٹھ ہزار کو حکم دیا کہ پکڑلو ان ساٹھ آدمیوں کو، تو ساٹھ ہزار نے حملہ کیا اور صحابہؓ ان میں گھس گئے۔ راوی کہتا ہے کہ گھستے ہوتے نظر آتے پھر پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں ہیں سوائے تلوار کی چمک کے اور کھچا کھچ کی آواز کے ساتھ چیز سنائی نہیں دیتی تھی تین گھنٹے میں جنگ کا فیصلہ ہوا، ساٹھ نے ساٹھ ہزار کا منہ پھیرا اور سرحد سے باہر نکال کر پھر واپس ہوئے، اور وہ دس ہزار منتظر ہیں کہ وہ ساٹھ آدمی اب خبر لے کر آویں گے، اب جہاد شروع ہوگا۔ اور وہ سارے مجاہدین جنگ کے لئے تیار بیٹھے ہیں ـ یہاں ساٹھ آدمیوں نے جنگ کا فیصلہ بھی کردیا۔ اور سرحد سے باہر کردیا۔

ہر جگہ قوت ایمانی کارگر ہے

یہ جو فرمایا کہ تم دس آدمی بھی ہو گے تو ہزار پر غالب ہو گے یہ محض خوش اعتقادی نہیں ہے بلکہ واقعی اس کے اندر قوت کارگر ہے۔ اور عملاً یہ نمایاں ہو چکا ہے کبھی صحابہؓ نے یہ پرواہ نہیں کی ہے کہ ہم تھوڑے ہیں اور دشمن عدد میں زیادہ ہیں۔ ہمارے پاس سامان نہیں اور ان کے پاس سامان ہے میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ روح کہاں سے آئی تھی، یہی فیضان نبوت تھا، یہی قرآن کی روح تھی جو ان کے اندر سرایت کئے ہوئے تھی، کہ ایک ایک کو ہزار پر بھاری کردیا، جب روح نکل جائے گی تو سوائے گوشت کے آپ کے پاس کیا رہ جائے گا۔ آپ کبھی غالب نہیں ہوں گے تیر و تفنگ سے، آپ کبھی غالب نہیں ہوں گے ہتھیاروں سے، آپ کے اندر طاقت وہی ایمانی قوت کی تھی جس نے تلوار کو بھی حرکت دی، اور نیزے کو بھی حرکت دی، تو اسی ایمانی قوت نے حرکت دی۔ اگر آدمی بڑا مضبوط ہو، دیکھنے میں ہتھیار بھی ہیں، لیکن دل چڑیا کا سا ہے اور اسمیں جان بھی نہیں تو تلوار ہی کیا کام کرے گی۔ تلوار بھی جب ہی

کام کرتی ہے جب دل میں طاقت ہو لڑنے والی چیز دل ہے۔ ہاتھ نہیں لڑا کرتا ہے۔ اور دل کی قوت ہے قوت ایمانی، قوت توحید، ایسی قوت ہے جو دلوں کو قوت بخشتی ہے اس سے لڑیں گے تو بہر حال قرآن کا ایک وصف تو یہ ہے کہ وہ حیات ہے۔ وہ زندگی پیدا کرتا ہے۔ مردوں کو زندہ کرتا ہے

عربی زبان ثقیل نہیں ہے

دوسرا ایک بڑا وصف قرآن کا جو ہے وہ موقعہ کے مناسب ہے اور وہ یہ کہ جو بچے آپ کے سامنے آئے، جن کو آپ نے قرآن کی پگڑی باندھی ایک گونہ مشابہت حاصل ہوئی نبی کریم سے اس واسطے کہ قرآن کریم کے بارے میں حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ انہ لتنزیل من رب العالمین نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین۔ یہ اتارا ہوا کلام ہے اللہ رب العزت کا، اس کو لے کر نازل ہوتے روح الامین، یعنی حضرت جبریئل۔ آپ کے قلب مبارک پر اے محمد! تاکہ آپ دنیا کو ڈرائیں اور تبلیغ کریں اور انذار فرمائیں۔ اور زبان اس کی عربی مبین ہے۔ یعنی واضح زبان ہے کھلی ہوئی ہے جس کے ادا کرنے میں کوئی پیچ پیچ نہیں ہے۔ کوئی تعقید نہیں۔ زبان کو مروڑنا نہیں پڑتا ہے۔ واقعی زبان عربی کے اندر فصاحت و بلاغت اور سلاست و بداعت کی ساری چیزیں جمع ہیں جس کو ادا کرنے میں زبان کو توڑنا، موڑنا نہیں پڑتا بلکہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ زبان عربی خود زبان کو چلا رہی ہو۔ کہ مجھے ادھر چلنا ہے اے زبان! تو بھی ادھر کو چل تو ساتھ ساتھ زبان بھی چلتی ہے۔

دوسری زبانیں ثقیل ہیں

عربی زبان سے پہلے جو زبان رائج تھی اور جس میں آسمانی کتابیں بھی آئیں وہ عبرانی یا سریانی زبان تھی، اس کے بعد اللہ نے عربی پیدا فرما دی اور دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عبرانی زبان کی اصلاح یافتہ صورت ہے عربی زبان کی اس ثقل کو ختم کر خفت پیدا کر دی گئی اسمیں بس وہ عربی بن گئی، اور وہ میں اس سے سمجھا کہ مجھے تورات کی ایک آیت یاد آئی۔ وہ قریب قریب عربی ہے۔ مگر ہے وہ پیچیدہ لب ولہجہ میں۔ عربی نے اس کو واضح کر دیا تورات میں حق تعالیٰ

نے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب فرمایا جس میں پیشن گوئی نبی کریم کی فرمائی، آیت کے لفظ یہ ہیں نَابِیْ مِحْرِیْخ مَاخُوخ یَاخِیمُ لَخ اُلُوھَخ فَتِسْمَعُونَ "یہ کیا چیز ہے اس کی تشریح یہ ہے نَابِیْ یعنی نبی مِحْرِیْخ یعنی مِن قَرِیْبِك۔ مَاخُوخ یعنی مِن اِخْوَتِك۔ یَاخِیمُ لَخ یعنی، یقیمُ لَكَ اُلُوھَخ یعنی الٰهَكَ. فتسمعون یعنی فَتَسْمَعُوْنَ۔

یعنی ایک نبی آنے والے ہیں جو تمہارے قریب میں ہوں گے، تمہارے عزیز ہوں گے تمہارے بھائیوں میں سے ہوں گے، وہ الوہیت کو قائم کریں گے خداوندی نور دکھلائیں گے، اب آپ میں فرق پیدا کیجئے ان دونوں عبارتوں میں۔ صرف خا کے سوا کچھ نہیں۔ باقی معنی میں کوئی فرق نہیں، خبر دی ہے اسمیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے قریب ہی آنے والے ہیں۔ تمہارے بنی اعمام میں سے ہوں گے اور وہ اللہ کی الوہیت کو قائم کریں گے، دنیا میں اسی کی توحید کو پھیلائیں گے، اس کے علم کو اس کے دین کو پھیلائیں گے۔ تو عربی زبان مبین ہے، کھلی ہوئی ہے، ثقیل نہیں اس کا جو کلمہ ہے واضح ہے کانوں پر بھی بھاری نہیں۔ دل پر بھی بھاری نہیں، اور اپنے معانی کے لحاظ سے بھی بھاری نہیں ہے، اسمیں ہر پہلو سے خفت ہے اس لئے یہ کلام مبین ہے۔

قرآن کے الفاظ و معانی منزل من اللہ ہیں

بہر حال یہ فرمایا گیا کہ وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ، عَلٰى قَلْبِكَ، یہ نازل کردہ کلام خداوندی ہے جس کو روح الامین آپ کے قلب پر لے کر آتے ہیں۔ تو قرآن کریم کی پہلی شان تو یہ ہے کہ وہ دل میں بیٹھا حضور کے اور جب ذخیرہ جمع ہوا تو آپ کے قلب مبارک نے اسے ضبط کر لیا۔ اس کے الفاظ کو بھی، اس کے معانی کو بھی۔ اس کے بعد دوسری چیز ہوئی کہ زبان مبارک سے آپ نے امت کے سامنے پڑھا جس کو قرآن نے دوسری جگہ بیان کیا ہے لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ جب وحی نازل ہوتی تو عادت یہ تھی کہ آپ اسے رٹنا شروع کر دیتے تھے کہ میں بھول نہ جاؤں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ زبان مت ہلاؤ آپ ہی تو خوف ہے کہ بھول نہ جاؤں، فرمایا وَاِنَّ

علینا جمعه وقرآنه ہماری ذمہ داری ہے ہم جمع کر دیں گے سینے میں وقرآنه اور ہم اسے آپ کی زبان سے پڑھوا بھی دیں گے ادا بھی کرا دیں گے تو آپ حافظ بھی بنیں گے۔ آپ کے سینے میں قرآن بھی محفوظ، اور قرأت بھی آپ کی زبان پر ہوگی۔ پھر اتنی ہی گارنٹی نہیں کہ سینے میں جمع کر دیں اور زبان سے پڑھوا دیں "ثم ان علینا بیانه" پھر اس کے معنی ومضامین کو کھولنے کی بھی گارنٹی ہم لیتے ہیں کہ جتنے اس کے مطالب اور مرادات ربانیہ ہیں وہ بھی آپ پر منکشف کر دیں گے، تو اللہ رب العزت نے تین چیزوں کی ذمہ داری لی ہے۔ سینے میں جمع بھی کر دیا۔ زبان سے پڑھوا بھی دیا۔ اور زبان سے ان معانی کو ادا بھی کرا دیا۔ تو حضور کی شان یہ ہے کہ قلب مقدس میں قرآن جمع ہوا زبان مبارک سے الفاظ جاری ہوئے، اور سینۂ صافی سے معانی ومضامین کھلنے شروع ہو گئے۔

حافظ قرآن کو تشبّہ حاصل ہے نبی کریمؐ سے

ایک بچہ حفظ کرتا ہے تو سب سے پہلے اپنے دل میں جمع کرتا ہے قرآن کو اس کو تشبّہ حاصل ہوا نبی کریمؐ سے، جیسے کہ آپ کے قلب پر قرآن اترا ویسے ہی اس بچہ کے قلب پر قرآن اترا، اس کے بعد آپ نے زبان سے پڑھا جب یہ بچہ قرأت کرتا ہے تو دوسری مشابہت ہوئی نبی کریمؐ سے، اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ ترقی دے اس مدرسہ کو جہاں انہوں نے قرآن کے الفاظ پڑھائے ہیں وہاں معانی بھی پڑھا دیں تو "ثم ان علینا بیانه" بھی اس کے ذریعہ ظاہر ہو جائے اور کھول کھول کر معانی ومطالب بھی بیان کریں، تو قرآن کریم کی ایک شان تو یہ ہے کہ وہ حیات ہے اور زندگی ہے اور دوسری شان یہ ہے کہ اس سے مشابہت ہوتی ہے نبی کریمؐ کے ساتھ کہ قرآن سینے میں اترا تھا اور اس کے حافظ تھے اور زبان سے بھی اس کو ادا کرتے تھے۔

دین کے ہر شعبہ کو مستقل ایک طبقے نے سنبھالا ہے

حقیقی معنی میں قرآن کے حافظ اولاً خلفاء خداوندی ہیں پھر معانی میں خلفاء ہیں علماء پھر اخلاق میں خلفاء ہیں حضرات صوفیاء، تو الفاظ قرآن حفاظ خلفاء ہوئے۔ اگر وہ ان الفاظ کو یاد کر کے امت تک نہ پہنچائیں تو قرآنی تعبیرات

محفوظ نہیں رہ سکتی تو حق تعالےٰ نے مختلف خلفاء اپنے پیدا کئے، اور خلیفہ وہی ہے جس میں اصل کا صفات کچھ نہ کچھ چلی آئیں، تو علماء نے معانی کی صفات اپنے اندر لی، فقہاء تفقہ کی صفات اپنے اندر جمع کر لی، متکلمین نے عقائد کو جمع کیا، حفاظ نے قرآن کے الفاظ کو جمع کیا۔ قراء نے اس کے طرز ادا کو محفوظ کیا، اور تجوید سے پڑھکر سنایا، تو ایک ایک پہلو کے لئے مختلف جماعتیں کھڑی ہو گئیں۔ حفاظ کھڑے ہو گئے الفاظ کی حفاظت کے لئے، قراء کھڑے ہو گئے لب ولہجہ کی حفاظت کے لئے علماء رسم الخط کھڑے ہو گئے طرز کتابت کی حفاظت کے لئے، فقہاء کھڑے ہو گئے اس کے علوم کی حفاظت کے لئے یہ تمام خلفاء خداوندی ہیں، کسی نے لفظوں کو سنبھالا، کسی نے معانی کو سنبھالا، کسی جماعت نے قرآنی حقائق کو سنبھالا، کسی نے قرآنی علل اور اسرار کو سنبھالا۔ اور سب کی سندیں جاکر ملتی ہیں حق تعالیٰ شانہٗ سے وہ استاذ ہیں خلفاء قرآن کے۔

حفاظت قرآن پر بیان اسناد

اب یہ سندیں جو آپ نے ان حافظوں کو دی اور ان پر ان کے اساتذہ نے دستخط کئے جن سے انہوں نے پڑھا ہے ان اساتذہ کو سند دی اُن کے اساتذہ نے ان کو سند دی ان کے اساتذہ نے، اسی طرح سے سلسلہ اوپر تک چلا گیا، تو سب کے استاذ الاساتذہ نبی کریم ہیں اور آپ پر قرآن لیکر آئے حضرت جبرئیل امین، اور جبرئیل امین کو پڑھایا حق تعالیٰ نے تو آخر میں حق تعالیٰ استاد ٹھہرتے ہیں ان تمام حفاظ اور قراء کے، تو ہماری سند اللہ تعالیٰ تک جا پہنچی۔ دنیا میں آج کون سی آسمانی کتاب ہے کہ جس کی سند استاد، دادا استاد پردادا استاد تک بھی پہنچتی ہو اس کی سند کا سلسلہ ہی موجود نہیں۔ انجیل کے بارے میں آپ نہیں بتا سکتے کہ کہاں اتری، اور کون اسے لیکر آیا، یہ کس طرح ہم تک پہنچی ہے ہاں ان آسمانی کتب کی جتنی حفاظت کی ہے وہ قرآن نے کی ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی کتاب انجیل بھی ہے۔ خود انجیل والے جو ہیں ان کو سند کا پتہ نہیں۔ توراۃ والوں سے پوچھو تو کوئی سند نہیں۔ دوسروں سے پوچھو تو کوئی سند نہیں۔ کہاں سے یہ کتابیں لے کر آئے تو کہیں گے ہمارے باپ دادے سے چلی آرہی ہیں۔ لیکن اسناد متصل

جس کا سلسلہ پیغمبر تک پہنچا دے اس کا کوئی وجود نہیں ۔ اور مسلمانوں نے کتاب آسمانی کی وہ حفاظت کی ہے جس کی نظیر آج دنیا میں موجود نہیں ہے، مجھے اگر آج کوئی کہے کہ تمہیں قرآن شریف کس نے پڑھایا ہے تو میں کہوں گا کہ قاری عبدالوحید صاحب نے، اور ان کو پڑھایا قاری عبدالرحمٰن صاحب الہ آبادی نے، ان کو پڑھایا قاری عبداللہ صاحب الہ آبادی نے اور ان کو پڑھایا قاری محمود صاحب مکی نے ان کو پڑھایا قاری محمود صاحب مصری نے، اور چلتے چلتے حضرت ابی ابن کعبؓ تک سند پہنچ جائے گی اور پھر نبی کریمؐ تک کہ قرآن کے الفاظ تک کی سند مسلمانوں میں محفوظ ہے۔ پھر اتنی محفوظ کتاب کہ سورتیں اس کی گنی ہوئی۔ رکوع اس کے گنے ہوتے، آیتیں اس کی گنی ہوئی، حروف گنے ہوئے، کلمات گنے ہوئے۔ زیر و زبر گنے ہوتے ہیں۔ مفسرین لکھتے ہیں اور مستقل کتابیں مدوّن ہو گئیں کہ قرآن کو اٹھا کر دیکھئے کہ حروف و کلمات تک گنے ہوئے محفوظ ہیں کہ اتنے لاکھ حروف ہیں۔ اتنے ہزار جملے ہیں، اتنے رکوع ہیں، اتنی سورتیں ہیں تو اب کوئی تغیر و تبدل ممکن نہیں، پھر ہر زمانہ میں سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں حفاظ موجود رہتے ہیں جن کے سینے میں قرآن لکھا ہوا ہے۔ لکھی ہوئی کتاب دریا برد ہو سکتی ہے اس کے حروف مٹائے جا سکتے ہیں۔ لب و لہجہ بدل دیا جائے ۔ معانی بدل سکتے ہیں۔ لیکن قرآن کی کسوٹی وہ ہے کہ تم لب و لہجہ بدلے گا اس لئے سر کے اوپر قراء کھڑے ہوتے ہیں کہیں گے یہ پڑھو، اسطرح مت پڑھو۔ کتابت نہیں بدل سکتی کیونکہ علماء رسم الخط کھڑے ہوتے ہیں کہیں گے کہ یہ لکھا جائے گا جیسے حضور کے زمانہ میں لکھا گیا۔ مطلب بدلو تو علماء کھڑے ہوتے ہیں انہوں نے قواعد اور میزان بنا دی ہیں کہ عربیت اور شریعت کے لحاظ سے یہی مطلب ہو سکتا ہے دوسرا مطلب نکل ہی نہیں سکتا ہے ۔ تو معانی کی حفاظت، الفاظ کی حفاظت، لب و لہجہ کی حفاظت، اور رسم الخط کی حفاظت، واقعہ یہ ہے کہ قرآن نے صحیح دعویٰ کیا ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کہ ہم ہی نے یہ قرآن اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں، سوائے حفاظت خداوندی کے یہ شکلیں بن نہیں سکتیں، توراۃ

اور انجیل کے بارے میں فرمایا گیا تھا کہ "انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و نور یحکم بھا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتاب اللہ" توراۃ کو اتارا ہم نے۔ احبار اور رہبان اور ربانیوں سے کہا کہ تم ذمہ دار ہو اس کی حفاظت کے۔ مگر حفاظت نہیں کر سکتے اگر قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ہم اور آپ پر چھوڑ دیجاتی تو اس کی بھی وہی گت بنتی جو توراۃ اور انجیل کی بنی ہے اور پھر یہ آخری کتاب ہے آئندہ کوئی کتاب آنے والی نہیں تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اسکی حفاظت کی گارنٹی خود لی کہ ہم نے ہی یہ کتاب اتاری ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ اور اسکی ہر صفت کا ظہور خود قرآن کریم ہی سے ظاہر ہے قرآن کی صفت اوّل اس کا حفظ ہے۔ مگر اس کا پہلا تعلق خود ذات خداوندی سے ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اصل حافظ خود حق تعالیٰ ہیں۔

اصل میں حافظ حق تعالیٰ کی ذات گرامی ہے

دنیوی اسباب کے ذیل میں ہی اللہ کی صفات کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً وہ رازق ہے۔ مگر اس کی رزاقی کو ظاہر کرتے ہیں زمین، کاشت کار اور تخم ریزی اور کھیت کو زندگی بخشنے والی بارش، وہ خالق ہے مگر مرد اور عورت کے فطری تعلق اور بچے کا نو مہینے پیٹ میں رہنا، اسکی صفت تخلیق کا مظاہرہ ہے۔ وہ ہادی ہے، مگر اپنی ہدایت کو ظاہر کرتا ہے علماء اور شاگردی اور استاذی کے ذریعہ وہی اصل میں حافظ ہیں۔ قرآن کے حفاظت کرنے والے ہیں۔ مگر ان حفظ ظاہر ہو رہا ہے، اسطرح سے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے دلوں میں محفوظ کر دیا۔ اور بچوں کے ماں، باپ کے دلوں میں جذبہ پیدا کر دیا کہ بچوں کو حفظ کرائیں گے۔ ورنہ چھ چھ برس کے بچوں کو کیا خبر کہ قرآن کیا چیز ہے۔ نہ معنی کی خبر، نہ یہ خبر کہ یہ وحی ہے اور کلام خداوندی ہے، مگر لگے ہوتے ہیں رٹنے کے اندر محفوظ کرنے کے لئے۔ یہ سولتے حفاظتِ خداوندی کے اور ہے کیا، اور پھر اسپر یہ کہ کوئی وعدہ نہیں کہ تم حافظ قرآن بنو گے تو کلکٹر بنا دیئے جاؤ گے، مجسٹریٹ بنجاؤ گے ہندوستان کے پریزیڈنٹ بن جاؤ گے۔ بلکہ وعدہ ہے تو یہ ہے کہ حفظ کر لو گے

تو لوگوں کی گالیاں سننی پڑیں گی کوئی کہے گا کہ دنیا تو سی تھے۔ کوئی کہے گا کہ قدامت پسند ہے، کوئی کہے گا کہ وقت ضائع کنندہ ہے، ان سب کے باوجود ماں باپ کے دلوں میں جذبہ ہے کہ بچوں کو داخل کرو۔ اور قرآن یاد کراؤ اور بچپن میں کہ رٹ رہے ہیں یہ سوائے حفاظتِ خداوندی سے اور کیا ہے۔ اگر واقعی بڑے بوڑھے یاد کیا کرتے تو اللہ کی حفاظت نمایاں نہ ہوتی۔ یہ کہا جاتا کہ بڑے بوڑھوں نے سنجیدگی سے سمجھا کہ بھائی خدا کی کتاب ہے، اس کی حفاظت ہونی ضروری ہے۔ یہ ان کی حفاظت سمجھی جاتی، مگر یاد کرایا جا رہا ہے چھ چھ برس کے بچوں کو عقل نہ شعور، یہ سوائے حفاظت خداوندی کے اور کیا ہے جس کا وعدہ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون میں لیا ہے کہ حافظ اصل میں ہم ہی ہیں۔ اور پھر کتنی کریم بارگاہ ہے کہ اصل میں تو حافظ وہ ہیں۔ "انا لہ لحافظون" اور اصل میں قاری حق تعالیٰ شانہٗ کی شان ہے جیسا کہ فرمایا کہ "تلک اٰیت اللہ نتلوھا علیک بالحق" تلاوت کرنا ہماری شان ہے، تمہارے اوپر ہم تلاوت کر رہے ہیں" نتلوا علیک من نبأ موسیٰ و فرعون بالحق" ہم ہی موسیٰ اور فرعون کا قصہ تلاوت کرتے ہیں تو حافظ ہونا بھی انہیں کی شان اور تلاوت کنندہ ہونا بھی ان ہی کی شان ہے۔ اور قاری ہونا بھی ان ہی کی شان ہے جیسے فرمایا "فاذا قرأنٰہ فاتبع قراٰنہ" اے پیغمبر! جب ہم قرأت کریں تم سنتے رہو تو حافظ بھی وہی، قاری بھی وہی، تالی بھی وہی، لیکن یہ کتنی کریمی ہے کہ جو بچہ یاد کرلے۔ فرماتے ہیں کہ جو ہمارا لقب تھا آج سے وہ ہم نے تمہیں دیدیا۔ ہم بھی حافظ، تم بھی حافظ، پھر زبان سے اسے پڑھ دیا تو فرمایا کہ جو ہمارا لقب تھا ہم نے تمہیں دے دیا کہ ہم بھی قاری، آج سے تم بھی قاری، تم تلاوت کرنے بیٹھ گئے، ہمارا نام تھا تالی (تلاوت کنندہ) ہم آج سے یہ لقب تم کو بھی دیتے ہیں تو سرکاری القاب رعایا کے سپرد کر دیئے گئے یہ سوائے فضل و کرم کے اور کیا ہے، مثلاً ہندوستان کا پریزیڈنٹ اور وزیر اعظم ہے۔ اگر آپ آج یہ دعویٰ کریں کہ میں وزیر اعظم ہوں تو مقدمہ قائم ہو جائے گا۔ آپ اعلان کریں کہ پریزیڈنٹ آف انڈیا ہوں تو مقدمہ قائم ہو جائے گا اس لئے کہ وہ خاص لقب ہے سرکاری لقب ہے۔ آپ انہیں اختیار نہیں کر سکتے، مگر یہ

اللہ کی بارگاہ کی کریمی ہے کہ جب ان کے کلام پاک کو یاد کر لیا اور سینے میں لے لیا تو کہا کہ آج سے جو ہمارا لقب ہے وہی لقب تمہارا بھی ہے۔ سرکاری القاب دیدیتے ہیں، غرض اس طرح ایک تو مشابہت پیدا ہوئی تھی نبی کریمؐ سے کہ جیسے آپ کے قلب کے اندر قرآن آیا اور پھر زبان مبارک پر آیا یہی شان اس حافظ بچے کی ہو جاتی ہے کہ پہلے اس کے سینے میں قرآن آجاتا ہے اور پھر اسکی زبان پر آتا ہے اس کو تشبہ حاصل ہوا نبی کریمؐ سے اور اس سے بڑھ کر مشابہت یہ کہ سرکاری خطابات دیدیئے گئے جو اپنے خصوصی خطابات تھے، کہ اللہ کے ساتھ اتنا قریب کہ لقب ان کا آ گیا اور رسول کے ساتھ اتنا قرب مشابہت حاصل ہو گئی تو اور کیا چاہتے ہو اور یہ سب کرنے کے بعد ثمرہ یہ مل گیا کہ اللہ کا قرب اور رسول کے ساتھ تشبہ کس کے یہ نصیب کہ رسول کے ساتھ تشبہ ہوا اور سرکاری خطاب دیئے جاویں یہ سب اللہ کا فضل و کرم ہے ورنہ حافظ حقیقی تو ذات خداوندی ہے اور جس بندہ کو حفاظتِ قرآن کے لئے حق تعالیٰ شانہ منتخب کریں یہ اسکی خوش نصیبی اور خوش قسمتی ہے۔

حق اور باطل جمع نہیں ہو سکتے

اور پھر آپ غور کریں تو واقعی جس سینے میں قرآن ہو گا باطل اس کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتا ہے۔ اس واسطے کہ قرآن کی شان مثبت طریق پر یہ فرمائی گئی ہے کہ "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ" وہ لوگ جو ایمان لائے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ چیز پر یعنی قرآن پر فرمایا "وهو الحق من ربهم" وہ اللہ کی طرف سے حق ہی بنا کر اتارا گیا ہے۔ تو مثبت طریق پر تو قرآن کو حق کہا ہے، اصل میں حق ہی ہے۔ دوسرے منفی پہلو میں دوسری جگہ فرمایا گیا کہ "لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ" یہ وہ کلام ہے کہ اس کے آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں باطل نہیں پھٹک سکتا ہے، یہ حق ہی حق ہے، اندر سے بھی حق، اوپر سے بھی حق، نہ باطل اس کے اندر ہے نہ اس کے آس پاس آسکتا ہے پھر قرآن کریم باطل سے منزہ اور مبرا اور ذاتی طور پر حق اور سراپا حق۔ اب یہ حق اور غیر باطل

جب کسی سینے میں گھسے گا تو اس سینے میں بطلان کہاں سے آجائے گا۔ دوسرے جب حق ہے اسمیں تو باطل نہیں آسکتا ہے۔ تو جن بچوں نے آج قرآن کو اپنے سینے میں لے لیا ہے۔ حقیقت میں لفظوں کے اعتبار سے تو وہ منزہ ہو چکے ہیں باطل سے۔ کل کو معانی اس کے پڑھ لیں گے۔ تو معانی کے لحاظ سے بھی باطل سے منزہ ہو جائیں گے۔ تو ایک وصف تو یہ تھا کہ قرب خداوندی ملا۔ دوسرا وصف یہ کہ مشابہت علی نبی کریم سے اور تیسرا وصف یہ ملا کہ مجسم حق بنے گا۔ باطل اس کے اس پاس نہیں آسکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے اندر قرآن روح بنکر سرایت کر گیا ہے۔ اور وہ حق ہی حق۔ بطلان اس کے پاس نہیں بہی باطل دور بھاگے گا

حافظ قرآن کبھی نہیں مرتا

اگر اس پہلو کو دیکھیں تو وہ حیات ہے اور آپ نے حیات کو اپنے اندر ڈال لیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ زندہ ہیں۔ مردہ نہیں ہو سکتے ہیں۔ یہ مردنی بدن پر طاری ہوگی اور بدن پہلے ہی سے باطل ہے اسے موت آجائے تو کون سی بڑی بات ہے۔ اصل میں زندہ روح ہے اس کی زندگی کا سامان ہو تو وہ دوامی زندگی ہے۔ تو حافظ اور قاری مرنے والا نہیں روح اس کی جاری وساری ہے۔ نہ حافظ مرتا ہے نہ قاری مرتا ہے نہ عالم مرتا ہے بلکہ اس کا بدن مرتا ہے اس کی روح زندہ رہتی ہے اس روح کا فیضان اس عالم میں پہنچا رہتا ہے اسلئے موت حقیقت میں اسکے پاس پھٹکتی ہی نہیں اور موت کا یہ حاصل ہے کہ بدن کھانے پینے کے قابل نہ رہا۔ بلکہ روح کھانے پینے کے قابل ہے۔ اسے غذا وہاں بھی مل رہی ہے یہاں بھی مل رہی ہے۔ یہاں بھی اس کی غذا علم ومعرفت تھی اور برزخ میں بھی اس کی غذا علم ومعرفت ہے۔ اور جنت میں بھی اس کی غذا اعلیٰ سے اعلیٰ علم ومعرفت ہی ہوگا۔ تو ہر جگہ اسے زندگی ہے۔ بدن کو یہاں غذا ملی بھی مگر بہت سی دفعہ بیمار ہو کر یہاں بھی محروم ہو جاتا ہے، برزخ میں پہنچا وہاں بھی محروم ہو گا۔ حشر میں پہنچے گا تو وہاں بھی محروم ہی رہے گا۔ جب تک وہ روح کے ساتھ نہ ملے کوئی اس کی قدر وقیمت ہی تو بدن کی نہ یہاں زندگی نہ برزخ میں زندگی اور نہ وہاں زندگی اور روح یہاں بھی زندہ، برزخ میں بھی زندہ اور عالم آخرت میں بھی زندہ۔ اور روح کی غذا

یہی قرآن کریم جس سے حیات ملتی ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ حافظ قرآن مرتا نہیں وہ زندہ ہی زندہ رہے گا۔ اس کے لئے موت نہیں، ایک جسمی موت ہے کہ بدن ناکارہ ہو جائے۔ روح اسے چھوڑ کر چلی جاتی مگر روح جو لیکر گئی ہے وہ قائم ہے اس کے ساتھ وہ اس سے مٹنے والی چیز نہیں وہ قرآن ہے۔ روح ہے۔ روح خداوندی ہے۔ تو حافظ کی شان یہ ہے کہ باطل اس کے پاس نہیں آئے گا۔ جس حد تک وہ قرآن کو لے چکا ہے۔ اور حیات دائمی اس کی بن گئی ہے۔ اور وہ مشابہ بن گیا نبی کریم کے اور اللہ کی صفات اور خطابات اُسے مل گئے کس کے لیے نصیب ہیں۔ اسی واسطے اس کا اثر یہ ہوگا

محشر میں حافظ قرآن کے باپ کی تاج پوشی ہوگی

حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ قیامت کے دن حافظ کے باپ کی تاج پوشی کی جائے گی یعنی میدان حشر میں جہاں اولین و آخرین جمع ہوں گے تاج پہنایا جائے گا جس کی نورانیت سے پورا محشر منور ہوگا اعلان ہوگا کہ یہ وہ ہے جس نے اپنے بچے کو قرآن کریم یاد کرایا تھا یہ آج اس کی عزت افزائی ہو رہی ہے۔ جو تاج پوشی کی گئی ہے دنیا میں اگر کسی کی تاج پوشی کی جائے یہ عظیم ترین اعزاز ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی فخر و اعزاز کی چیز نہیں۔ لیکن کسی بادشاہ کی اگر تاج پوشی ہو تو اس ملک کے جو اعیان ہیں وہ جمع ہوتے ہیں اور بادشاہ کو تاج پہنا کر اعلان کرتے ہیں کہ آج سے یہ ہمارا بادشاہ ہے ملک والوں کو فخر ہوتا ہے اسمیں ہر اقلیم کے لوگ جمع نہیں ہوتے بلکہ اپنے اپنے ملک والے لوگ جمع ہو کر تاج پہناتے ہیں اور ایک یہ اگر مان لیا جائے کہ کسی کی تاج پوشی میں ساری دنیا کے ملکوں کے نمائندے جمع ہو گئے ہیں اور سب نے کھڑے ہو کر تاج پہنایا مگر اس زمانہ کے جو لوگ گذر چکے ہیں وہ تو نہیں آویں گے۔ یا آئندہ آنے والے ہیں وہ تو شریک نہیں ہوں گے۔ پھر تاج پوشی ناقص رہی۔ مگر میدان محشر میں آدم کی ساری اولاد جمع ہوگی اول سے لیکر آخر تک۔ اربوں کھربوں انسان جمع ہوں گے، جلسہ ہوگا۔ اور صدر حق تعالیٰ شانہٗ ہوں گے ملائکہ علیہم السلام معاون ہوں گے، جلسہ کے تمام آفاق پر، زمینوں پر ان کی فوجیں کھڑی ہوئی ہوں گی بیچ میں بنی آدم ہوں گے، اسمیں مسلم غیر مسلم

سبھی ہوں گے، ابھی حساب وکتاب نہیں ہوا ہوگا۔ اسوقت ایک بچے کے باپ کو جس نے حفظ کرایا تھا اس کی تاج پوشی کیجاتے، تو اولین و آخرین جمع، تاج پہنانے والے حق تعالیٰ تو اس سے بڑھ کر ایک حافظ کے لئے فخر و اعزاز کا اور کونسا موقعہ ہوگا حافظ کو اپنی ذات سے جو تھا وہ تھا ہی اس کے ماں باپ تک یہ اثر پہنچا کہ ان کو بادشاہ بنا دیا گیا، ان کی تاج پوشی کی گئی، اور اولین و آخرین میں شور یہ ہوگا کہ بھائی انہوں نے اپنے بچے کو قرآن کریم حفظ کرایا تھا۔ تو بہر حال خود کلام کو دیکھو تو وہ حق محض ہے جسمیں باطل پاس نہیں آسکتا جس محل میں آیا بچے کے وہ اتنا بلند ہوا کہ اسے مشابہت حاصل ہوگئی حضور سے، اسے القاب ملے حق تعالیٰ شانہٗ کے حیات ملی اسے دائمی، اس کے اثرات متعدی ہوئے تو ماں باپ تک اثرات پہنچے، اور ماں باپ کی تاج پوشی کی گئی اولین و آخرین میں شہرت ہوئی تو گویا قرآن کے آثار دنیا سے لیکر برزخ تک اور برزخ سے لے کر آخرت تک سب سے اعلیٰ ہیں۔ اور پھر یہی نہیں کہ یہیں ختم ہو جائیں بلکہ آگے جنت تک بھی یہ اثر چلتا رہے گا۔

حافظ قرآن اور جنّت کے درجات

حدیث پاک میں فرمایا گیا ہے کہ حافظ قرآن سے کہا جاتے گا کہ دس دار نق تلاوت کرتا جا اور ترقی کرتا جا، جنت کے درجات کماتا جا اس کی جزا یہ ہے، کیونکہ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ جتنی آیات ہیں قرآن کی اتنے ہی درجات ہیں جنت کے، ہر درجہ میں تفصیلات تو لاکھوں ہیں لیکن نوعی طور پر درجات کی وہی تعداد ہے جو قرآنی آیتوں کی تعداد ہے۔ اب جیسے کوئی قرآن کی آیت ہے چار حرفوں کی۔ اس کے اندر غور کرو تو ہزاروں قسم کے درجات نکلیں گے، تفصیل کھولو تو احکام الگ نکل رہے ہیں۔ لطائف الگ نکل رہے ہیں، علل الگ نکل رہے ہیں۔ اسرار الگ، معلوم ہوتا ہے کہ کوئی حد و نہایت نہیں اسکے کمالات کی تفصیلات کی، آیت ایک ہی ہے۔ تو قرآن کی ایک آیت مستقل موضوع ہے علم و کمالات کا۔ لیکن اگر مجمل دیکھا جائے تو انواع علوم کی اتنی ہی ہیں، جتنی آیت ہیں۔ اور درجات جنت کے اتنے ہی ہیں جتنی آیتیں ہیں۔ تو فرمایا جائے گا اس حافظ قرآن سے

کہ تلاوت کرتا جا جہاں تک تیری طاقت ہے درجات کماتا جا، اور پھر ہر درجہ کی تفصیل الگ ہے جیسے آیات کے اندر تفصیلات ہیں لاکھوں علوم بھرے پڑے ہیں تو جو درجہ جنت کا کماتے گا اسکی نعمتوں کی تفصیلات اتنی ہیں کہ کوئی حد و نہایت نہیں ہے، ابدالآباد گذر جائے گا مگر وہ سیر و سیاحت میں ہی رہے گا۔ اور نعمتیں کماتا رہے گا۔ تو قرآن کی حکومت دنیا میں ہی نہیں، برزخ میں ہی نہیں۔ حشر میں ہی نہیں، جنت میں ابدالآباد تک رہے گی۔ اس واسطے کہ یہ اللہ کا کلام ہے میرا اور آپ کا کلام نہیں۔

ہمارے کلام کو فضا حاوی ہوتی ہے اور اللہ کا کلام فضا کو حاوی ہوتا ہے

ہمارا کلام

جب فضا میں آتا ہے وہ گم نہیں ہوتا وہ مٹتا نہیں اس کو فضاء گھیر لیتی ہے اور اللہ کا کلام جب چلتا ہے تو وہ فضاء کو گھیر لیتا ہے۔ ساری فضا اس کا محل بنجاتی ہے۔ تو فرق یہ ہے کلام اللہ نے فضاء کو گھیرا اور ہمارے کلام کو فضا نے گھیر لیا ہے جیسے ریڈیو نے ضبط کر کے دنیا تک پہنچا دیا۔ اگر فضا میں محفوظ نہ ہوتا تو ریڈیو کس کو پیش کرتا، اسی پر ریڈیو کی ایجاد مبنی ہے کہ جو لفظ ہم بولتے ہیں فضا میں محفوظ ہو جاتا ہے، جیسے قرآن کریم نے فرمایا ہے "مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ" کوئی لفظ کوئی ہاں ہوں تم اپنے منہ سے نہیں نکالتے کہ ٹانکنے والا اسے ٹانک لیتا ہے، محفوظ کر لیتا ہے۔ ہر ہر لفظ محفوظ ہے۔ ہر ہر ادا محفوظ ہے اور آواز محفوظ ہے۔ اور قیامت کے دن وہ سامنے کر دی جائے گی۔ وہ عمل بھی۔ وہ ہیئت بھی، وہ قول بھی، اس قول کی آواز بھی، وہ زمانہ بھی، وہ مکان بھی، ہر چیز محفوظ ہے۔ تو بہر حال ہماری آواز جب نکل جاتی ہے منہ سے تو گم نہیں ہوتی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ سے جو کلام نکلے وہ گم ہو جائے۔ ہمارے اور آپ کے کلام کو تو فضا گھیر کر محفوظ کر لیتی ہے اور اللہ کا کلام نکل کر ساری کائنات کو گھیر کر اس کی وجہ سے ہے وہ کیسے گم ہو سکتا ہے، وہ تو گم ہونے والی چیز نہیں جس جس میں وہ کلام جذب ہوگا۔ وہ انشاء اللہ گم ہونے والی

چیز نہیں ہے آخر تک اس کے آثار و برکات چلتے ہی رہیں گے۔

حافظ قرآن کو شفاعت کا حق دیا جائے گا

حدیث میں ہے کہ حافظ قرآن کو حق دیا جائے گا کہ اپنے عزیزوں میں سے پانچ کی شفاعت کر خواہ وہ ماں باپ ہوں، بھائی بند ہوں تجھے حق ہے پانچ آدمیوں شفاعت کا جس کی چاہے شفاعت کر۔ اور اگر کسی نے گھر میں سے پانچ بچوں کو حفظ کرا دیا ہے تو پچیس۲۵ آدمیوں کی شفاعت کا حق ہو گا۔ ان کو اگر گھر میں پچیس آدمی نہیں تو باقی شفاعت اوروں کے کام آئے گی۔ گھر والے تو سارے بخشے ہی جائیں گے باقی شفاعت اوروں میں پہنچ جائے گی، کسی کو شفاعت کا حق دیا جانا بڑی عزت وعظمت کی بات ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود بخشا بخشایا ہے۔ جب ہی تو اس کو دوسروں کو بخشوانے کا حق دیا جا رہا ہے۔ کہ تو شفاعت کر پانچ آدمیوں کی ہم قبول کریں گے اسی طرح سے علماء کو حق دیا جائے گا شہداء کو حق دیا جائے گا کسی کو سات کسی کو دس آدمیوں کی شفاعت کا اب اگر سارے ہی گھر والے حافظ ہیں تو اس کی شفاعت کہاں تک پہنچے گی آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

حافظ قرآن کے والدین ہمیشہ سربلند رہتے ہیں

تو بہر حال جن ماں باپ نے اپنے بچوں کو حفظ کرایا ہے وہ یہاں بھی محروم نہیں وہاں بھی محروم نہیں۔ یہاں بھی ان کیلئے برکات ہیں۔ وہاں بھی ان کے لئے برکات ہیں بچہ ابھی چھ سات برس کا ہوتا ہے مگر جب پیش کرتے ہیں پہلے ماں باپ کا نام آتا ہے کہ فلاں صاحب کا بیٹا ہے جس نے قرآن حفظ کیا تو پبلک جان گئی کہ بچہ یہ ہے۔ باپ یہ ہے۔ اس باپ کا احسان ہے جو اس بچہ کو قرآن حفظ کرایا۔ تو دنیا میں بھی سرنام ہوا اور آخرت میں تو تشہیر ہو گی ہی اولین میں اور آخرین میں تو بچہ بھی اور ماں باپ بھی سارے کے سارے ہی سرنام ہوں گے۔

دیگر مختلف

بہر حال قرآن کریم کی عظمت کے سینکڑوں پہلو ہیں جو احادیث میں فرمائے گئے ہیں، وقت اتنا بھی نہیں کہ ان سارے پہلوؤں

کا ذکر کیا جائے اور سارے پہلو ذکر میں آ بھی نہیں سکتے ہیں۔ یہ دو چار پہلو ذکر کر دیئے گئے ہیں کہ یہ قرآن کے پہلو ہیں جس سے قرآن کریم کی عظمت واضح ہوتی ہے اور ان بچوں کو پگڑی باندھ کر چند چیزیں ذہن میں آئیں کہ واقعی بڑی برکت اور بڑی خوش نصیبی ہے ان بچوں کی، حق تعالیٰ نے ان کو یہ فضیلت عطا فرمائی اور یہ بھی کم فضیلت ہے کہ ایک نالائق یہاں آکر بیٹھا کرسی کے اوپر کہ بچوں کی پگڑی باندھے۔ اور آپ نے سپاس نامے میں یہ کس کی تعریفیں کر دیں، حالانکہ یہ مبالغہ ہے اور میں کہتا ہوں کہ مبالغہ تو جھوٹ کی قسم ہے۔ اور آپ لوگ بری ہیں۔ خدانخواستہ جھوٹ بولیں۔ آپ نے تو اپنے نزدیک سچی باتیں سہی ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ آپ نے ایک نالائق بھائی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور محبت کی نگاہ سے کوئی چیز بری نہیں لگتی ہے اس کا عیب بھی اچھا معلوم ہوتا ہے یہ سب محبتیں بیٹھے ہوتے ہیں، محبت اور اخلاص سے جب انہوں نے دیکھنا شروع کیا تو عیب دار کے عیب ہی چھپ گئے، اور ساری چیزیں انہیں خوبیاں ہی نظر پڑیں تو خوبیاں سراہنی شروع کر دیں حالانکہ وہ خوبیاں کہاں اور ہم جیسی کہاں، اور سادگی سے میں کہتا ہوں کہ یہ تو آپ نے اپنی تعریف کی ہے۔ اس لئے کہ آپ نے اپنے حوصلہ کا ثبوت دیا ہے آپ نے اپنی وسعت قلبی کا ثبوت دیا ہے کہ آپ نے اپنے ایک ناکارہ بھائی کو بہت بڑھا دیا۔ آپ میں وسعت تھی جب ہی تو آپ نے بڑھا دیا۔ تو وسعت قلبی کا ثبوت آپ دیں تو شکریہ میں کیوں ادا کروں۔ یہ تو آپ نے اپنے کمالات ظاہر کئے ہیں۔ اسکی ضرورت نہیں کہ میں شکریہ ادا کروں۔ اور میں کہتا ہوں کہ نہ تم ہمارا شکریہ ادا کرو اور نہ ہم تمہارا شکریہ ادا کریں۔ بس ہم سب ملکر اپنے اللہ کا شکریہ ادا کریں کہ اس نے ہم پر اپنا فضل فرمایا کہ ہمیں ایک جگہ جمع کیا۔ ہمارے بچوں کو حافظ بنایا، ہمیں توفیق دی کہ ان کو پگڑی باندھیں، ہمیں توفیق دی کہ ان کو سند دیں اور اس قرآن کریم کی تعلیم کو ہم آگے چلائیں، یہ حق تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے جو ہمیں توفیق عطا فرمائی۔ تو بجائے اس کے کہ ہم ایک دوسرے کا شکریہ ادا کریں کہ ہمیں جمع کر دیا کہ مسلمانوں کا اجتماع یہ خود مستقل ایک نعمت ہے۔ اور برکت ہے۔ اور اجتماع ہو قرآن کے لئے یہ

برکت سے بھی بڑھ کر برکت ہے۔ اور قرآن کے بھی افادے کے لئے وہ آگے بڑھیں
تو یہ برکت در برکت در برکت ہے۔ تو اتنی برکات اور اتنی نعمتیں ہمیں عطا فرمائیں تو اس
لئے اصل میں مستحق تو شکریہ کے وہ ہیں "ولہ الثناء الحسن ولہ الکبریاء فی السموات
والارض وھو العزیز الحکیم" عزت والا وہ شکر کا مستحق وہ حمد وثنا اس کے لئے تو ہم
سب ملکر اسی کی حمد وثنا کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ مدرسہ کو اور زیادہ مضبوط
اور وسیع فرمائے، اور اس کے معلم اور ہمارے قاری صاحب کی عمر دراز فرماتے
اور ان کے ایثار اور اخلاص میں اور زیادہ برکتیں عطا فرمائے، اور
ہمارے اس قصبے اور علاقے کے لوگوں کو اور زیادہ توجہ عطا فرماتے کہ مدرسہ کو
آگے بڑھادیں، اور آج ہم نے پانچ حافظوں کی دستار باندی اللہ ہمیں موقعہ نصیب
کرے تو ہم پچاس پچاس کے سروں پر پگڑیاں باندھیں اور گھر گھر میں حافظ نظر آویں
اور اسکی برکت سے یہ شہر مالا مال ہو۔

اللھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم

مذاہب عالم میں اسلام کے تین بنیادی امتیازات
عقل، نقل اور استناد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ مسنونہ

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ ارسلہ اللہ الی کافۃ للناس بشیرا ونذیرا۔ وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا۔ صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا کثیرا۔ اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ وکفی باللہ شھیدا۔ محمد رسول اللہ۔ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ذالک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل کزرع اخرج شطاہ فازرہ فاستغلظ فاستوی علی سوقہ یعجب الزراع لیغیظ بھم الکفار وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت منھم مغفرۃ واجرا عظیما۔

تمہید بزرگانِ محترم! میں نے جو آیت تلاوت کی ہے اس کے ذیل میں چند ضروری گذارشات عرض کروں گا وہ حقیقت میں تقریر نہیں ہوگی بلکہ ایک درجے میں تفسیر ہوگی اس آیت کی جو میں نے تلاوت کی ہے اس کے ذیل میں کچھ تشریح و تفصیل پیش کی جائے گی اسے آپ تقریر کہہ سکتے ہیں۔

ہدایتِ خداوندی

حق تعالیٰ شانہٗ اپنا احسان واکرام انسانوں پر بے حد فرماتے ہیں، اور بہانے بہانے سے فرماتے رہتے ہیں ان احسانوں میں سے ایک احسان عظیم یہ ہے کہ حضور اکرمؐ کو ہماری ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔ ارشاد ربانی ہے "هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ" وہ ذات ہے کہ جس نے اپنے رسول کو ہدایت دے کر بھیجا تو ظاہر بات ہے کہ اس سے بڑھکر انعام خداوندی اور احسانِ الٰہی اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ رستہ دکھلایا جائے اچھے اور برے کے اختیار کا طریقہ بخشا جائے۔ حدیث میں ہے کہ سورۂ فاتحہ میں ایک سوال کیا گیا ہے اور اسی لئے اس صورت کو سورۂ مسئلہ بھی کہتے ہیں۔ وہ سوال ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کہ ہم کو سیدھا رستہ دکھلا دیجئے۔ ہماری رہنمائی فرمایئے۔ بظاہر یہ دعا معمولی سی دعا ہے جب کہ سوال بتانا تھا تو جنت کا سوال، اللہ کی جزا کا سوال، اور دین و دنیا کی بھلائی کا سوال سکھایا جاتا۔ یہ سوال کہ سیدھی راہ کی ہدایت کر دیجئے ایک عام سی بات معلوم ہوتی ہے۔ کسی بڑی بات کی درخواست بظاہر نظر نہیں آتی لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ درخواست تمام دعاؤں کو شامل ہے اگر سیدھے راستے کی ہدایت ہوگئی تو ہدایت خداوندی بھی حاصل ہوگئی۔ اگر سیدھے راستہ پر چل پڑیں تو دین و دنیا کی فلاح و بہبود بھی حاصل ہوگئی۔ اور آخرت کی دائمی عیش و عشرت بھی تو اللہ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور احسان جتلایا کہ ہم نے اپنے رسول کو وہی چیز دے کر بھیجا جو تم نے مانگی تھی۔ یعنی ہدایت دے کر رسول کو بھیجا۔ وہ رہنمائی کرتے۔ تمہیں راستہ بتلاتے ہیں۔ شاید کوئی یہ اعتراض کرے کہ ہدایت کا راستہ عقل بھی ہے۔ ممکن ہے حضورؐ نے آکر فرما دیا ہو کہ اپنی عقلوں سے راستہ تجویز کر لیا کرو۔ دنیا میں اچھے برے کا خدا نے تمہیں عقل دی ہے۔ دل میں سمجھ موجود ہے۔ اپنی عقل سے اپنی سمجھ سے تم راستہ تجویز کر لو۔ اور طے کر لو۔ میں تو یہ ہدایت کرنے آیا ہوں کہ عقلوں کو درست کر لو۔ تو تقاضا بشریت سے یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ ہدایت سے مراد عقلی ہدایت ہے۔ اور اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں ہدایت مانگنے کا مقصد یہ ہے کہ انسانی عقلوں کو ابھار دیا جائے تاکہ وہ اپنے راستے بنا لیں لیکن اس شبہ کا رد فرمایا اس ٹکڑے سے کہ اَرْسَلَ

رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ یعنی ہدایت اور رہنمائی دے کر بھیجا۔ اور سچا دین بھی دے کر بھیجا ہے اس طریقے پر چل کر آدمی فلاح وبہبود کو پہنچتا ہے۔ لہٰذا دین کے بارے میں محض عقل کافی نہیں ہے۔ جب تک کہ وحی کی رہنمائی نہ ہو۔ اس لئے کہ عقل کا دائرہ محسوسات تک ہو۔ کچھ چیزیں آنکھوں سے دکھائی دیتی ہیں۔ کچھ چیزیں سننے میں آتی ہیں۔ کچھ چکھنے میں آتی ہیں۔ عقل ہی ان کے دائرہ میں کام کرتی ہے اور کر سکتی ہے جو اس سے بالاتر غیب کی چیزوں میں عقل کام نہیں کرتی ہے۔ اور نہ ہی عالم غیب کی باتوں کا عقل ادراک کر سکتی ہے۔ اس میں ضرورت پڑتی ہے وحی کی۔ علم خداوندی کی، اور مخبر صادق کی خبر کی۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عقل محض بیکار ہے۔ ایسا نہیں ہے اسلام نے عقل کو اس کا صحیح مقام عطا کیا ہے۔

عقل اور حواس خمسہ

عقل کے بارے میں فرمایا گیا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ الْعَقْلُ یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل کو پیدا فرمایا ہے۔ اور عقل کی بہت سی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں اس لئے عقل کو بے کار نہیں سمجھنا چاہیئے۔ البتہ اس کو اس کے حدود اور اس کے دائرے میں استعمال کرنا چاہیئے جیسے آنکھ میں دیکھنے کی طاقت ہے۔ وہ صرف شکلیں اور صورتیں دیکھ سکتی ہے۔ کانوں میں سننے کی طاقت ہے وہ آوازیں سن سکتے ہیں ناک میں سونگھنے کی طاقت ہے وہ خوشبو اور بدبو کا ادراک کر سکتی ہے زبان میں چکھنے کی طاقت ہے۔ وہ کھٹے اور میٹھے کا ادراک کر سکتی ہے ان سب کے دائرے الگ الگ ہیں اگر آپ یوں چاہیں کہ کان سے خوشبو سونگھ لیں یہ کیسے ممکن ہوگا۔ آپ یوں چاہیں کہ آنکھ سے آوازیں سن لیں تو اس کام کے لئے آنکھ بیکار ہے اس کا دائرہ یہ ہے کہ وہ شکلیں اور صورتیں دیکھے۔ زبان کھٹے اور میٹھے کو چکھتی ہے آپ چاہیں کہ میں زبان سے خوشبو سونگھ لوں زبان کر ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ اس کا یہ دائرہ نہیں ہے اور یہ حق تعالیٰ کی حکمت ہے کہ یہ سونگھنے چکھنے اور سننے کی ساری طاقتیں ان تینوں کے اندر رکھدیں جب کہ ان کا درمیانی فاصلہ بہت معمولی ہے کان بالکل ملا ہوا ہے آنکھ سے آنکھ بالکل ملی ہوئی ہے ناک سے لیکن

ہر ایک کے درمیان میں ایسی سدسکندری حائل ہے کہ کان آنکھ کے کسی کام دخل نہیں دے سکتا اور آنکھ کان کے کسی کام میں دخل نہیں دے سکتی۔ اور زبان ناک کے کسی کاموں میں دخل نہیں دے سکتی۔ حالانکہ ناک منہ سے متصل ہے غرض ہر ایک کا دائرہ الگ الگ ہے۔ ہر ایک کے دائرے میں دوسرا دخل نہیں دے سکتا ہے۔ اسی طرح ان سے بالاتر ایک حاسہ ہے عقل کا۔ دیگر حواس اسمیں دخل نہیں دے سکتے۔ اگر آپ عقلی کلیّات کو آنکھ سے معلوم کرنا چاہیں تو نہیں معلوم کر سکتے کان سے اگر آپ کام لینا چاہیں کہ کلیات میں سے جزئیات نکال دے اور فلسفہ گھڑ لیں تو کان یہ کام نہیں کر سکتا۔ تو گویا حواس جہاں ختم ہو جاتے ہیں عقل کا دائرہ وہاں سے شروع ہو جاتا ہے۔ مگر عقل کا دائرہ مغیبات تک ہے۔ مغیبات پر جا کر عقل عاجز ہو جاتی ہے۔ عقل یہ ادراک نہیں کر سکتی۔ عرش کسے کہتے ہیں۔ عرش کے معنی کیا ہیں۔ کرسی کے معنی کیا ہیں۔ جنت کے کیا صفات ہیں۔ جہنم کے کیا صفات ہیں۔ پلصراط کیسا ہے۔ میدان حشر کی کیا کیفیات ہوں گی یہ باتیں عقل کے دائرہ سے خارج ہیں۔ یہ وحی کے دائرہ میں داخل ہیں مخبر صادق آکر خبر دے کہ اللہ کا ایک عرش ہے، ایک کرسی ہے۔ ایک جنت ہے۔ ایک سرکاری مہمان خانہ ہے ایک سرکاری جیل خانہ ہے، ایک مجرموں کی جگہ ہے۔ ایک مطیعوں کی جگہ ہے۔ اس سلسلہ میں عقل بیکار ہے۔ عقل صرف محسوسات میں کار آمد ہے۔ مغیبات میں وحی خداوندی کام دے گی اور عقل کو اس کے تابع بن کر خادم کی حیثیت سے چلنا پڑے گا اسی لئے حق تعالیٰ نے اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی" کے بعد "دِیْنِ الْحَقِّ" کی قید لگائی کہ ہدایت کے لئے اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا مگر انسان کو نہیں سونپا کہ جس طرح چاہیں عقل سے تجویز کر لیں بلکہ دین حق بھی بھیجا ہے یعنی طریقہ بھی بتا دیا کہ اس دین پر چلو اور یہی دین حق ہے اسی پر چل کر تم کامیاب ہو سکو گے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

دین حق کی پہچان اور اس کے دو معیار

اب رہا یہ سوال کہ دین حق ہم کس طرح سے پہچانیں

کیونکہ دنیا میں تو بہت سے آوازے لگ رہے ہیں، ہر قوم مدعی ہے کہ میرا دین حق ہے۔
ہر طبقہ مدعی ہے کہ میرا دین حق ہے تو کوئی معیار بھی ہونا چاہیئے کہ جس سے ہم حق و باطل کی پہچان کر سکیں۔ اور پہچان سکیں کہ واقعی دین حق کونسا ہے جو اللہ کا دین ہے تو اسلئے دو معیار ہیں۔ ایک درایت اور ایک روایت۔

پہلا معیار روایت

روایت کے لئے سند ضروری ہے کہ دین پیغمبر سے منقول ہوتا ہوا آرہا ہو اور روایت میں جو رجال ہوں ان کی سند پیغمبر تک متصل ہو۔ کہ اس نے اس سے سنا۔ اسنے اس سے سنا اس نے سنا غرض سند جاکر ختم ہو جائے نبی کریمؐ پر تو جب تک کہ سند نہ ہوگی اور سند کے اندر جو راوی ہیں ان کے صفات معلوم نہیں ہوں گے اور راویوں کے احوال معلوم نہ ہوں گے، اسوقت تک سند نہیں چلے گی اور جب سند نہ ہوگی تو روایت نہ چلے گی اور جب تک روایت نہ ہوگی تو اختراع اور قصہ کہانی رہ جائے گا۔ سند متصل کے بغیر دین باقی نہیں رہے گا۔ تو پہلا معیار تو یہ ہے کہ ہم دین کو سند کے ساتھ پرکھیں گے کہ دین پیغمبر سے منقول ہو کر آ بھی رہا ہے یا نہیں یا بیچ میں کسی نے بنالیا ہے۔ سند کیساتھ ثابت بھی ہے یا نہیں۔
اس لئے علماء اور محدثین نے ایک مستقل فن ایجاد کیا ہے اسماء الرجال کا کہ جسمیں ان راویوں کے حالات جمع کئے ہیں۔ ان کا خاندان، ان کا نسب نامہ، ان کا کیرکٹر اور کردار کہ جو روایت کرتے آرہے ہیں نبی کریمؐ سے تقریباً پچاس ہزار افراد کی تاریخ مدون کی کہ یہ ہیں وہ افراد جو حدیث کے راوی ہیں قرآن کی روایت تو بہت مضبوط ہے۔ یہ تو تواتر ہے اور تواتر بھی طبقہ کا ہر ہر قرن میں لاکھوں کی تعداد میں حافظ موجود رہے ہیں۔ زیر و زبر کی بھی غلطی نہیں ہو سکتی ہے ہر زمانے میں، ہر ملک میں ہر علاقے میں بے شمار اور لاتعداد حفاظ موجود رہے ہیں۔ اگر معاذ اللہ قرآن کریم کے نسخے خرید کر سمندر میں بھی ڈال دیئے جائیں تو اگلے دن پھر قرآن لکھا جائے گا۔ وہ تو سینوں میں موجود ہے "بَلْ هُوَ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ"، یہ آیات بینات اہل علم کے سینوں میں محفوظ کی گئی ہیں۔ یعنی حق تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کی جگہ وہ تجویز کی ہے کہ جہاں نہ چور

پہنچ سکے نہ ڈاکو پہنچ سکے، نہ کوئی آفت پہنچ سکے۔ اگر آپ کاغذ پر لکھ کر اس کو آگ میں رکھدیں تو آگ کاغذ کو جلا سکتی ہے۔ اگر کاغذ کو سمندروں کے اندر ڈال دیں تو کتاب اسمیں غرق ہو جائے گی اور اگر زمین میں دفن کردیں تو چند دن کے بعد کاغذ گل جائے گا۔ دیمک لگ جائے گی کاغذ ختم ہو جائے گا۔ ان سب چیزوں کی حفاظت عارضی ہے۔

حق تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم کی جگہ سینوں کو قرار دیا ہے کہ جہاں نہ دیمک پہنچتی ہے نہ چور پہنچتا ہے۔ نہ ڈاکو پہنچتا ہے۔ نہ وہ گل سکتا ہے نہ پھٹ سکتا ہے بلکہ لوح محفوظ بنا دیا سینوں کو کہ اسمیں قرآن کریم محفوظ رہے اور لاکھوں کی تعداد میں ہر دور میں حفاظ موجود رہے ہیں قرآن کریم کی حفاظت ہے تواتر کے ساتھ اور تواتر بھی طبقے کا اور سب کی سندیں الگ الگ ہیں۔

حفاظت قرآن کی ظاہری سند

ہر قاری، ہر مجوّد کی سند محفوظ ہے۔ ہر ایک اپنی اپنی سند پیش کر سکتا ہے۔ مثلاً میں جوں میں کہتا ہوں کہ میں نے قرآن کو پوری سند کے ساتھ نبی کریمؐ سے پڑھا ہے اور میں اسکی سند بیان کر سکتا ہوں۔ اسطرح پر کہ میں نے قرآن کریم تجوید کے ساتھ پڑھا ہے حضرت قاری عبدالوحید خان صاحب الٰہ آبادی سے انہوں نے تجوید کے ساتھ پڑھا قاری عبدالرحمن صاحب مکیؒ سے انہوں نے حفظ اور قرآت کی سند حاصل کی قاری عبداللہ صاحب مکیؒ سے اور قاری عبداللہ مکیؒ نے شیخ محمود مصری سے اور سلسلہ بسلسلہ حضرت ابی بن کعبؓ سے اور حضرت ابی بن کعبؓ نے نبی کریم سے اور حضورؐ نے حضرت جبرئیل امین سے اور جبرئیل امین نے حق تعالیٰ شانہٗ سے۔ اسطرح ہر حافظ کی سند ملی ہوئی ہے اللہ کے ساتھ۔ جماعت اور تواتر کا طبقہ تو الگ رہا۔ فرداً فرداً بھی حضرات حفاظ اور مجوّدین اپنی سندیں پیش کر سکتے ہیں تو قرآن کریم میں غلط ہونے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ سورتیں اسکی گنی ہوئی رکوع اس کے گنے ہوئے حروف اس کے گنے ہوئے۔ زیر اور زبر اس کے گنے ہوئے، قرآن کریم جس طرح سے نازل ہوا تھا اسی طرح سے محفوظ ہے اور محفوظ رہے گا۔ اسکی حفاظت کے لیے اللہ تعالےٰ نے حضرات حفاظ کے سینوں کو منتخب کر لیا ہے۔

صرف سند ہی پر قناعت نہیں کی گئی پھر سند کے دو درجے رکھے ہیں۔ ایک درجہ تو وہ ہے کہ حضورؐ سے صحابہ اور تابعین سے ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی ہے یہ تو ظاہری سند ہے۔

حفاظت قرآن کی باطنی سند

اور ایک باطنی سند ہے کہ حضورؐ کی سند اللہ تک پہنچ رہی ہے اس سند میں حضورؐ کے اور اللہ کے درمیان صرف ایک راوی ہے یعنی جبرئیل امین کہ حضورؐ نے سُنا جبرئیل امین سے اور جبرئیل نے سنا قرآن کو حق تعالیٰ شانہ‚ سے۔ مروی عنہ‚ جس قرآن کی سند چلی وہ حق تعالیٰ شانہ‚ کی ذات بابرکات ہے جو ہر عیب سے پاک ہے۔ ہر برائی سے بری۔ خدا کہتے ہی اس کو ہیں جو ہر عیب سے منزہ اور مقدس ہو تو جو وہ بات فرمائے گا وہ کیسے غلط ہوسکتی ہے غلطی کا وہاں امکان ہی نہیں اسلئے اسمیں تو کلام کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔ اور نبی کی ذات وہ ہے کہ اسمیں بھی کلام کرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ نبی کہتے ہی اس کو ہیں جو سچا ہو جسمیں شائبہ تک نہ ہو جھوٹ کا یا غلط بیانی کا تو نبی کی ذات بھی مقدس اور اللہ کی ذات تو سرچشمۂ تقدس ہے ہی۔ اب رہ جاتے ہیں بیچ والے راوی یعنی جبرئیل امین۔

اوصاف راوی

اللہ تعالیٰ نے قرآن کو یہ کہکر نہیں منوایا کہ جبرئیل ہمارا فرشتہ ہے مانو! اگر نہیں مانوگے تو ہم سزا دیں گے فرشتہ معصوم ہے کیا وجہ ہے کہ اسکی روایت پر اعتماد نہ کیا جاوے یہ نہیں کہا بلکہ جبرئیل کے جو اوصاف بیان کئے وہ ہیں جو ایک راوی میں ہوسکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اس راوی کو فنی طور پر پرکھ کر قبول کرو۔ اس دباؤ سے مت قبول کرو کہ ہمارا فرشتہ ہے جب یہ لیکر آگیا ہے ماننا ہی پڑے گا نہیں بلکہ جبرئیل کے اوصاف دیکھو! ان اوصاف کے ہوتے ہوئے وہ غلط بیانی کر ہی نہیں سکتے ہیں قرآن کی جو روایت کریں گے وہ سچی کریں گے۔ اسی لئے قرآن نے جبرئیل کے اوصاف بیان کئے بحیثیت راوی کے سورہ تکویر میں فرمایا! اِنَّـهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِيْمٍ ،، یہ قول جو ہم تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں یہ رسول کا قول ہے اور ظاہر بات ہے کہ جب رسول کہہ دیا یہ خود دلیل ہے سچے ہونے کی کیونکہ کوئی

حکومت اگر کسی کو اپنا قاصد یا سفیر بنائے تو سب سے پہلے یہ دیکھتی ہے کہ یہ اطاعت گذار بھی ہو سکتا ہے یا نہیں فرمانبردار بھی ہے یا نہیں اور حکومت کی پالیسی کا اوّل سے آخر تک حامی بھی ہے یا نہیں۔ پالیسی سے ذرہ برابر اس سے اختلاف تو نہیں ہے۔ دیگر ممالک میں حکومت کے منشار کو پورے طور سے ادا کرے اگر سفیر میں ذرا بھی بغاوت یا غلط بیانی کا خیال ہو اور اندیشہ ہو تو حکومت ایسے شخص کو کبھی سفیر نہیں بنا سکتی ہے اگر سازش سے یا غلطی سے سفیر بنجائے تو فوراً ایسے سفیر کو معزول کر دیا جاتا ہے اور سزا دی جاتی ہے سفیر معتمد علیہ ہوتا ہے اپنی دلیل کے لئے وہ کاغذات لاکر پیش کرتا ہے یہ کاغذات اس کے لئے سند کا درجہ رکھتے ہیں پھر اس کو سفیر تسلیم کرلیا جاتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کسی کو سفیر بناتے اور اسمیں ادنیٰ شائبہ بھی بغاوت کا ہو یا ذرہ برابر حکم عدولی کا کوئی شائبہ ہو اوّل تو رسول کے لفظ سے ہی صداقت ظاہر ہے کہ جبرئیل نے اللہ کے اس کلام کو پہنچایا ہے تو جب وہ رسول ہیں تو سچے ہی کہیں گے مگر ممکن تھا کہ کوئی یوں کہدے کہ رسول تو ہے مگر کیا ضروری ہے کہ وہ اپنی ذات سے کوئی بزرگی اور بڑائی بھی رکھتا ہو۔ ادنیٰ یا اعلیٰ ہو جیسے چاہے اللہ سفیر بنا کر بھیجدے اس شبہ ہی کو دور کرنے کے لئے آگے ایک لفظ بڑھایا ہے اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ کہ رسول بھی ہے اور کرامت والا بھی ہے اسمیں بزرگی کی شان موجود اسواسطے کوئی وجہ نہیں کہ اس کے قول کا اعتبار نہ کیا جائے۔ اوّل تو ہمارے رسول ہیں اوپر سے کریم النفس۔ دو وصف ہو گئے جو راوی میں ہونے چاہئیں جب ہی اسکی روایت سچی ہو سکتی ہے پھر ممکن تھا کہ کوئی یوں کہدے کہ ہم نے مان لیا رسول ہیں اور کرامت والے بھی ہیں لیکن ہے بیچارہ کمزور ذرا کسی نے دباؤ ڈالا جھٹ بات بدل دی۔ اگر ڈرپوک قسم کا آدمی ہوگا تو ذرا سی دھمکی میں ڈر جائے گا اور بات بدل دے گا وہ سچی نہیں کر سکتا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے ایک جملہ اور بڑھا دیا ذی قوۃ کہ وہ طاقت ور بھی ہے ڈرپوک نہیں کمزور نہیں، ایسا نہیں کہ دباؤ ڈال کر جس کا جو جی چاہے کہلوا لے۔ وہ وہی ہے جو اللہ نے کہلا کر بھیجا ہے تو وہ رسول بھی ہے، کریم بھی ہے ذی قوۃ بھی ہے۔ اور طاقتور [illegible] ہے جیسے حدیث میں ہے کہ ایک

مرتبہ جبرئیل امین نے حضور کے سامنے اپنی طاقت کا ذکر کیا کہ اللہ نے مجھے اتنی طاقت دی ہے کہ جب اللہ نے قوم لوط کی بستیاں الٹنے کو کہا تو میں نے اپنے ایک ہاتھ پر ان کی ساری بستیاں رکھکر آسمان کے قریب لیجا کر پٹخ دیا۔ یہ طاقت ہے جبرئیل کی۔ ایک چنگھاڑ ماری اور ایک ڈانٹ دی تو قوم ثمود کے کلیجے پھٹ گئے اور ایک آن میں ساری قوم ختم ہو گئی تو کیا ان کی آواز تھی؟ اور کیا ان کی طاقت تھی؟ اسلئے فرمایا کہ قول ہے رسول کا وہ کریم النفس بھی ہے۔ اور طاقتور بھی ہے لہذا یہ ممکن نہیں کہ دباؤ میں آکر بات بدل دے۔ وہ وہی کہے گا جو مالک نے کہلا کر بھیجا ہے مگر یہاں ممکن تھا کہ کوئی سوال کرے کہ صاحب مان لیا ہم نے کہ وہ رسول بھی ہے۔ کرامت والا بھی ہے اور طاقتور بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سننے میں غلطی ہو کیونکہ دور سے آواز آرہی تھی۔ معلوم نہیں کہ صحیح سُنا یا غلط سُنا۔ تو راوی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ جس سے وہ روایت کر رہا ہو اس سے اس کا سماع ثابت ہو۔ راوی مروی عنہ کے پاس ہو اگر آپ نے ٹیلیفون پر کہلایا ریڈیو کے ذریعہ آواز دیدی۔ ایک مشرق میں ہے آواز دی ہے مغرب میں تو سننے میں غلطی کا امکان قوی ہے۔ کہ بات کچھ ہو اور سُنا کچھ اور ہو اسکی روایت میں شبہہ پڑجاتا ہے اس لئے جبرئیل کی روایت کو کیسے مانیں گے اسلئے حق تعالیٰ شانہٗ نے ایک جملہ اور بڑھا دیا۔ کہ اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ کہ عرش والے کے پاس ہی ان کا مکان اور مقام ہے۔ کہیں دور نہیں اس لئے جو حق تعالیٰ فرمائیں گے وہ وہی سنیں گے۔ اب جس راوی کا سماع بھی ثابت ہو اپنی ذات سے بزرگی بھی رکھتا ہو، کیرکٹر بھی اس کا اونچا ہو خدا کا بنایا ہوا قاصد بھی ہو طاقتور بھی ہو کہ دباؤ میں آکر بات بدل بھی نہیں سکتا پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسکی روایت نہ مانی جائے، کوئی وجہ نہیں کہ اسپر اعتماد نہ کیا جائے لیکن پھر بھی شبہہ کرنے والے تو ہر موقعہ پر شبہہ کر ہی گذرتے ہیں۔ کوئی کہے کہ صاحب یہ تو صحیح ہے کہ وہ رسول بھی ہیں۔ کریم النفس بھی ہیں طاقتور بھی ہیں اور اللہ کے مقرب بھی ہیں۔ مگر پوزیشن زیادہ بڑی نہیں ہے جیسے اور فرشتے ہیں وہ بھی ایک فرشتہ ہے اور بات مانی جاتی ہے پوزیشن کی

جب حیثیت بڑی ہوتی ہے تو بات بھی بڑی سمجھی جاتی ہے ایک جملہ میں کہوں تو معمولی بات سمجھی جائے گی اور وہی جملہ پریذیڈنٹ یا وزیر اعظم کی زبان سے نکلے تو دنیا کی سیاست میں انقلاب آجاتا ہے شخصیت کی وجہ سے گواہی میں بڑائی گواہ سے پیدا ہوتی ہے۔ گواہ اگر اونچے درجے کا ہے تو گواہی اونچی ہے اور اگر گواہ معمولی درجے کا ہے تو گواہی بھی معمولی درجے کی ہوگی۔ تو ہم نے مان لیا کہ جبرئیل میں ساری صفتیں موجود ہیں جو اوپر بیان ہوئی ہیں۔ مگر کوئی عہدہ یا پوزیشن معلوم نہیں ہوئی جس سے انکی حیثیت کا پتہ چلے اس لئے حق تعالیٰ نے ایک جملہ اور بڑھا دیا کہ اِنَّہٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ کَرِیْمٍ ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ۔ مَکِیْنٍ مُّطَاعٍ وہ واجب الاطاعت بھی ہیں اور سید الملائکہ ہیں ظاہر بات ہے کہ تمام ملائکہ کا جو افسر اعلیٰ ہوگا اور سب پر حکمران ہو جب وہ پیغام لے کر آئے گا تو شخصیت اور پوزیشن کتنی بڑی ہوگی پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسکی روایت کو غلط سمجھا جائے وہ خدا کی نسبت سے قاصد ہیں اور نبی کی ذات سے کریم النفس اور قوی ہیں اللہ کا قرب انکو حاصل ہے سننے میں بھی کوئی غلطی نہیں ہوسکتی ہے اور مطاع بھی ہیں یعنی ذات واجب الاطاعت ہیں۔ تمام ملائکہ انکی اطاعت کرتے ہیں سب سے پہلے وحی کو سنتے ہیں پھر ملائکہ میں اسکی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس کے بعد پھر وحی خداوندی نیچے اترتی ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قلوب پر وارد ہوتی ہے وہ بھی جبرئیل لیکر آتے ہیں تو بہرحال بیچ میں راوی ایسا ہے کہ اسمیں کوئی کھٹکے کی بات نہیں جب اتنے اوصاف ان میں جمع ہیں جتنے ایک راوی کے اندر ہوتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ کوئی وجہ نہیں کہ روایت کے اندر شک وشبہ کیا جائے۔ کوئی وجہ نہیں کہ روایت نہ مانی جائے لیکن ان تمام اوصاف کے باوجود شبہ ہوسکتا ہے کہ بعض اوقات بڑا آدمی بھی اپنے کسی جذبے کے تحت یا کسی وجہ سے امانت داری میں خلل ڈال سکے یا امانت میں فرق آجائے۔ بہرحال انسان ہو یا فرشتہ اگر معصوم نہ بنائے تو احتمال ہے کہ کوئی دخل وخلل ہوجائے اس واسطے ایک جملہ اور فرمایا کہ مطاع ثم امین وہ امانت دار بھی ہیں گویا امانت داری ان میں کوٹ کوٹ کر بھری گئی ہے۔ خیانت کا کوئی جذبہ ہی نہیں تو ظاہر بات ہے کہ جب کوئی ایسا راوی روایت

کرے کہ خدا کا قاصد بھی ہو، کریم النفس بھی ہو، طاقتور بھی ہو، عرش والے کے پاس مقیم بھی ہو اور واجب الاطاعت بھی ہو اور اوپر سے امانت دار بھی ہو تو کیا وجہ ہے کہ اسکی روایت کو نہ مانا جائے تعصب کی وجہ سے کوئی نہ مانے لیکن عقل سے ممکن نہیں کہ انکار کرے عقل تو کہتی ہے کہ جب راوی اتنا اعلیٰ ہے تو مانا جائے۔ مطلب عرض کرنے کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے روایت کو جبراً نہیں منوایا کہ یہ کہدیا ہو کہ چاہے سمجھ میں آوے یا نہ آوے۔ چاہے عقل مطمئن ہو یا نہ ہو۔ یہ آڈر سرکاری ہے، ماننا ہی پڑے گا۔ نہیں۔ بلکہ فرمایا کہ راوی کے اوصاف دیکھو کہ فن کے قواعد کے اعتبار سے وہ اس درجے کا ہے یا نہیں کہ اسکی روایت مانی جائے تو راویوں کے جتنے اوصاف محدثین نے لکھے ہیں اور عقل تجویز کر سکتی ہے ان سب اوصاف پر پرکھ کر حق تعالیٰ فرمایا کہ اب بتلاؤ کیوں روایت قبول نہیں کرتے۔ کیوں روگردانی کرتے ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن خود ان کی ذات بابرکات پر اترا اور آپ کا لقب امین ہے حتیٰ کہ آپ کے دشمن بھی آپ کو امین کہتے تھے۔ دعویٰ نبوت سے قبل تمام عرب آپ کو امین کا خطاب دیئے ہوئے تھا۔ آپ کہیں تشریف لے جاتے تو لوگ کہتے تھے جاء محمد الامین امانت والے محمد آ گئے کہ جن میں ذرہ برابر بھی خیانت کا شائبہ نہیں ہے تو دشمن بھی جبکی امانت کو مانتے ہوں اس سے زیادہ امین ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ فضیلت تو وہ ہے جبکی دشمن بھی گواہی دیں کہ واقعی اس کے اندر وہ کمال موجود ہے تو حضور کی ذات سرچشمۂ امانت ہے اور جبرئیل کا لقب بھی امین ہے یہ لقب جبرئیل کو اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اور اللہ کے ننانوے ناموں میں ایک نام امین بھی ہے تو امین سے روایت چلی، امین کے ذریعہ آئی اور امین کے اوپر اتری اور روایت خود امانت ہے۔ تو نیچے سے اوپر تک ساری روایت کو گھیر رکھا ہے امانت نے، جسمیں خیانت کا احتمال بھی نہیں ہو سکتا ہے اور رد و بدل کا امکان بھی نہیں تو پھر نہ ماننے کی کیا وجہ ہے

قرآن کی سند کو حق تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے اصول وقواعد پر پرکھ کر مانو. زبردستی قرآن کو نہیں منوایا جب کوئی کمی نہیں ہے تو اب تمہارا فرض ہے کہ اس کو مانو اگر نہیں مانوگے تو یہ ہٹ دھرمی ہوگی۔ اسکی آیت کو سمجھو بصیرت سے غور کرو اس کے اونچ نیچ کو سمجھو۔ صحابہ کی شان فرمائی گئی ہے اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا جب اللہ کی آیت ان کے سامنے پڑھی جاتی تھیں وہ اندھے اور بہرے کی طرح سے نہیں گرتے تھے سمجھ بوجھ کر شنوا اور بینا ہو کر اور بصیرت کے ساتھ قبول کرتے تھے. اس سے عقلیں بھی تسکین پاتی تھیں اور دل بھی تسکین پاتے تھے، جس کو قرآن کریم میں ایک جگہ فرمایا گیا۔ مقولہ وہ حضور کا ہے مگر اس کو نقل کیا حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن کریم کے اندر کہ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِىْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ میں اور میرے ماننے والے بصیرت پر ہیں یہ نہیں کہ کوئی رسمی بات ہیں نے کہدی اور انہوں نے رسم بنالی. نہیں۔ بلکہ حقیقت کو سمجھ کر تسلیم کیا اور قبول کیا۔ تو اسلام کوئی رسمی مذہب نہیں کہ چند رسوم کے مجموعہ سے کہدیا جائے کہ اب ہوگیا مسلمان وہ تو حقائق کا مذہب ہے قلوب انہیں سمجھیں دماغ اور عقلیں قبول کریں۔ وہ دین فطرت ہے عقل بھی انکار نہیں کرسکتی دماغ اور قلب بھی انکار نہیں کرسکتا اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں اور میرے ماننے والے بصیرت پر ہیں۔ شنوا اور بینا ہو کر سمجھتے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جہاں احکام بیان کئے گئے ہیں وہاں احکام کے ضمن میں حکمتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ ہر حکم کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہے اور حکمت کسی نہ کسی علت پر مبنی ہے اور ہر علت کسی نہ کسی مصلحت پر مبنی ہے تو ایک سلسلہ ہے احکام کا۔ محض یہی نہیں فرمایا کہ اقیموا الصلوۃ نماز پڑھو۔ بلکہ نماز کے فوائد، اوپر کی معنوی حقیقتیں، ظاہر ہونے والے برکات وفوائد سب کی تفصیل بھی کی گئی ہے کہ یہ فائدہ ہوگا. فلاں جگہ سے نماز چلی، فلاں سرچشمہ سے نماز چلی یہ اسپر ثمرات مرتب ہوں گے، تو ہر حکم کے نیچے کوئی نہ کوئی حکمت اور ہر حکمت کے نیچے کوئی نہ کوئی علت ہے جس پر وہ حکم دائر ہے۔ اسی علت کو سامنے رکھکر مجتہدین اجتہاد کرتے ہیں اور حق تعالیٰ نے اس امت میں اجتہاد کا درجہ رکھا ہے کہ حکم کے جب علت معلوم ہو جائے جسپر وہ مبنی ہے

توجہاں جہاں یہ علت پائی جائے گی حکم منتقل ہوتا چلا جائے گا۔ چنانچہ قیاس کے ذریعے سے ہزاروں چیزوں کے احکام معلوم ہو جاتے ہیں۔ جب علت جامعہ اور مشترک علت کا پتہ چل گیا تو احکامات کا علم ہو گیا اور علت جامعہ کا پتہ بہر حال اجتہاد سے اعقل سے اور بصیرت سے ہی چلے گا۔ اس لئے اسلام نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ ہر حکم کو بصیرت کے ساتھ سمجھو۔ تعلیم و تعلم کے ذریعہ، مشائخ کی صحبت اور بیعت کی برکات کے ذریعہ کسی حکمت تک پہنچو، اور اس نور معنوی کو حاصل کرو، جس کے ذریعہ سے تم احکام کی اونچ نیچ کو سمجھ سکو، تو حق تعالیٰ نے ہر حکم میں یہی طریقہ رکھا ہے کہ بصیرت سے سمجھو۔ اس لئے روایت کو سمجھانے میں فنی اصول کو استعمال فرمایا ہے کہ جبرئیل کی روایت کو بھی محض اس لئے نہ مانو کہ فرشتہ ہے بلکہ اس لئے مانو کہ رسول بھی ہے اکریم بھی ہے ذی قوۃ بھی ہے عرش والے کے پاس مقیم ہے سماع بھی اس کا ثابت ہے۔ اور ساتھ میں امانت دار بھی ہے تو جب ظاہری اور باطنی تمام اوصاف موجود ہیں۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ اسکی روایت قبول نہ کیجائے۔

کلامِ خدا و کلامِ رسولؐ کی حفاظت کی ذمہ داری

بہر حال قرآن کریم کی ایک روایت ہے رسول سے لیکر حق تعالیٰ تک، اور ایک روایت ہے رسول سے لیکر ہم تک اور آپ تک، تو اوپر کی روایت میں تو ایک ہی واسطہ ہے اور نیچے کی روایت میں درمیان میں واسطے زیادہ ہیں۔ مگر ان کے اوصاف اور کردار منضبط کر لئے گئے ہیں کہ جس کہ ہم نے سیکھا اس کا یہ خاندان تھا۔ یہ اسکی عادتیں تھیں، یہ اس کے خصائل تھے، کلام خداوندی تو بجائے خود ہے اس امت نے کلام رسول کی وہ حفاظت کی ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اسکی نظیر پیش نہیں کر سکتی ایک چھوٹا سا حدیث کا جملہ بھی اگر ہے تو اسکی سند اوپر تک موجود ہے کہ حدثنا فلاں قال حدثنا فلاں کہ مجھ سے یہ حدیث فلاں نے بیان کی اس سے فلاں نے بیان کی اس سے فلاں نے بیان کی یہاں تک کہ سلسلہ پہنچ گیا نبی کریم تک۔ اسطرح ایک ایک جملہ ہم تک پہنچا ہے کلام خداوندی کے بارے میں تو حق تعالیٰ نے ہی فرمایا تھا کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ، "کہ ہم نے ذکر اتارا ہے اور ہم اسکی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ لیکن حدیث

بھی درحقیقت اللہ ہی کی حفاظت میں چلی آرہی ہے جب وحی قرآنی اترتی تو حضور کی عادت کریمہ یہ تھی کہ آپ جلدی جلدی پڑھنا اور رٹنا شروع کردیتے تھے تاکہ ذہن سے نہ نکل جائے، اور یاد ہو جائے ادھر وحی اتر رہی ہے اور ساتھ ہی ساتھ آپ رٹ بھی رہے ہیں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ کہ اے نبی! جب وحی آئے تو زبان کو حرکت مت دو۔ آپ جلدی مت کریں۔ آپ اسی لئے تو رٹ رہے ہیں کہ کہیں بھول نہ جاویں، اسکی ذمہ داری لی کہ "اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ" یہ ہمارے ذمہ ہے کہ آپ کے سینے میں جمع بھی کردیں اور پڑھوا بھی دیں۔ آپ کی زبان سے۔ آپ اسکی فکر نہ کریں۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ جب ہم قرآت کیا کریں تو آپ سنتے رہا کریں۔ رٹنے کی کوشش نہ کریں۔ "وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ" آپ جلدی نہ کریں جب تک کہ وحی پوری نہ ہو جائے۔ آپ زبان سے بھی ادا نہ کریں بھولنے کی فکر نہ کریں ہم ذمہ دار ہیں آپ بھول نہیں سکتے ہم آپ کے سینے میں بھی جمع کردیں گے اور پڑھوا بھی دیں گے آپ کی زبان سے۔ یہاں تک ہوا قرآن کا بیان کہ قرآن کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے ہم نے ہی اس کو اپنے رسول پر اتارا ہے، اب آگے فرماتے ہیں کہ آیت قرآنیہ کی تفسیر کیا ہے مراد اسکی کیا ہے اس کو بیان کریں گے اللہ کے رسول اسی کا نام حدیث ہے

کلامِ رسول کلامِ خداوندی کا بیان ہے

تو حدیث گویا سب سے پہلی تفسیر ہے قرآن کی جو چیز اس کے اندر آگئی ہے اس کے بعد پھر کسی کی تفسیر مقبول نہیں اسی لئے حدیث کو قرآن کا بیان کہا گیا ہے، کیونکہ کلام رسول نے ہی قرآن کی وضاحت کی ہے اور کھولا ہے جگہ قرآن میں فرمایا بھی گیا ہے "وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔" ہم نے یہ ذکر آپ پر اتارا تاکہ آپ کھول کھول کر بیان کردیں کہ اسکی مراد یہ ہے اور اس کا مطلب یہ ہے، پھر جب بیان سے مراد خداوندی واضح ہو جائے تو اسے سمجھو مگر مراد کو بس اپنی عقل سے مت سمجھو۔ بلکہ وحی سے سمجھو۔ جو رسول فرمادیں کہ یہ مطلب ہے تو مان لو۔ جب مراد متعین ہو جائے پھر اسمیں جتنا تدبر کرو گے علوم کھلتے چلے جائیں گے اور وہ علوم تابع ہوں گے

مرادِ خداوندی کے اور اگر مراد ہی کا پتہ نہیں تو جتنا غور و فکر کریں گے وہ تخیلات نفسانی ہوں گے اس کا تفسیر سے کوئی تعلق نہیں وہ خیالات و اوہام پراگندہ ہیں تو حقیقی معنی میں نتائج وہ ہوں گے جو مراد کے تابع ہوں۔ اس لئے لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ تو رکھا پہلے کہ ہم نے ذکر اتارا تاکہ آپ بیان کر دیں اور دوسرا لفظ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ بیان کے بعد اب مراد متعین ہوگئی، غور و فکر کریں تدبر کریں علوم نکالیں، لطائف نکالیں۔ اور وہ لطائف قرآنی قیامت تک ختم نہیں ہوں گے، جن کا وعدہ دیا گیا ہے کہ لا تنقضی عجائبہ کہ قیامت آجائے گی مگر قرآن کے عجائبات ختم نہ ہوں گے۔ لطیفے پر لطیفے علوم پر علوم نکلتے رہیں گے ؎

ہر صحہ پس راست اندر معنیٰ ' معنیٰ در معنیٰ در معنیٰ

چھوٹا سا یہ ایک حکم ہے۔ اس کے اندر غور کرو گے ایک اور علم نکلے گا۔ پھر اسمیں غور کرو گے تو اسمیں سے بھی ایک اور علم نکلے گا، پھر اسمیں تدبر کرو گے اس کے نیچے ایک اور علم نکلے گا۔ غرض علوم کا ایک سمندر ہے جتنا جسمیں ادراک و قوت ہے غوطہ لگاتا جائے اس سمندر میں سے جواہرات نکالتا جائے۔ لہٰذا قیامت تک عجائبات ختم نہیں ہوں گے مگر وہ عجائبات وہی معتبر ہیں جو مرادِ خداوندی کے تابع ہوں۔ اگر مراد کو آپ عقل سے متعین کرنے لگیں تو عقل کا کام یہ نہیں کہ اللہ کے اندر کی چیز کو معلوم کرلے۔ عقل تو محسوسات کو معلوم کرے گی اور اللہ کی ذات بابرکات تو وراء الوراء ہے۔ میں کہتا ہوں کہ دو حقیقی بھائی ہیں۔ ایک ماں کے پیٹ میں دونوں نے پاؤں پھیلا دیئے ہیں۔ وہ دونوں سینے سے سینہ ملا کر بیٹھ جائیں ایک کے دل کی بات دوسرے کے دل میں نہیں جائے گی جب تک وہ خود زبان سے نہ بیان کر دے۔ خواہ وہ دونوں ملکر بیٹھیں اور دونوں ایک ماں کے پوت ہیں مگر ایک کے ضمیر کی بات دوسرے کی ضمیر میں منتقل نہیں ہوگی جب تک خود نہ کہے۔ کہ میرا مطلب یہ ہے تو جب یہ بات ہے کہ ایک ہی نوع اور ایک ہی جنس اور ایک ماں کے دو پوت بغیر بیان کے ان کے دل کی بات نہ کھلی تو اللہ کے بطن میں جو کمالات موجود ہیں کون بندہ ہے جو ان کمالات کو اپنے دل میں محض اپنی عقل سے اخذ کرلے جب تک کہ وہ خود نہ بتلائے کہ یہ ہے میری مراد تو حق تعالیٰ شانہ، نے جیسے قرآن میں وہ الفاظ نازل فرماتے

معنی بھی نازل فرمائے۔ نبی کریمؐ نے کبھی ایسا نہیں فرمایا کہ آیت نازل ہوئی ہو اور آپ غور کر رہے ہوں کہ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے اور زمانے کے مطابق یہ بھی ہو سکتا ہے لہٰذا بس یہ تفسیر ہو گئی یہ نہیں بلکہ جن معانی کے اندر تعدد ہوتا تھا اور الفاظ کے کئی کئی معانی ہوتے تھے تو آپ وحی کا انتظار فرماتے تھے کہ یہاں پر حق تعالیٰ کی مراد کیا ہے۔ خود غور نہیں فرماتے تھے حالانکہ آپ سید العالمین ہیں۔ نبی کی عقل سے بڑھ کر کس کی عقل ہو سکتی ہے! پوری امت کی عقلیں ایک پلڑے میں رکھدی جاویں اور تنہا نبی کی عقل ایک پلڑے میں تو وہی پلڑا جھکا رہے گا جسمیں نبی کی عقل ہو گی تو آپ جیسے افضل الخلائق ہیں ایسے آپ عقل الخلائق بھی ہیں۔ کہ سب سے زیادہ عقل کامل حضورؐ کو عطا کی گئی لیکن اس کمال عقلی پر بھی کبھی آپ نے مراد خداوندی کو متعین کرنے میں عقل کو استعمال نہیں فرمایا۔ بلکہ انتظار کیا کہ حق تعالیٰ خود کیا فرماتے ہیں کہ میرا مطلب یہ ہے۔ تو اللہ کے کلام کے اندر جو چیز ہے وہ تو اس کے بیان کرنے سے آئے گی۔ جو مطلب آپ پر واضح ہوا وہ آپ نے بیان فرما دیا وہی حدیث ہے۔ تو حدیث درحقیقت بیان ہے قرآن کا اس لئے جیسے قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری حق تعالیٰ نے لی ہے اور فرمایا کہ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ "آپ کے سینے میں جمع کرنا اور اس کو پڑھوا بھی دینا ہم پر لازم ہے۔ چونکہ پڑھنے کا تعلق الفاظ سے ہی ہوتا ہے اور معنی پڑھے نہیں۔ بلکہ سمجھے جاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ الفاظ کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے اس سلسلے میں آگے فرمایا ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ" پھر یہ بھی ہمارے ذمے ہے کہ اس کے مطالب و مراد کو کھول کھول کر بیان کر دیں تو اسلئے مراد کے واضح ہونے میں اللہ ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا کہ آپ کے اس لفظ کا کیا مطلب ہے وہ اسکی مراد کو اپنے رسول پر کھول دیں گے وہ پھر امت کے سامنے بیان کریں گے تو جیسے الفاظ خدا کی طرف سے آتے ہیں ایسے ہی معانی و مطالب و مرادات کی حفاظت کی ذمہ داری بھی آ گئی ہے اور وہ حدیث ہے۔ تو حدیث درحقیقت بیان قرآنی ہے اگر حدیث کو الگ کر دیا جائے قرآن سے اور پھر مراد کو متعین کر دیا جائے تو وہ اختراعی اور عقلی مراد ہو گی۔ مراد خداوندی ہرگز نہ ہو گی۔ تو بہر حال حدیث سے کٹ کر قرآنی لفظ رہ جائیں گے مگر معانی باقی نہیں رہیں گے۔ وہ حدیث

اور سنت ہی سے متعین ہوتے ہیں، کیونکہ قرآن کے جملے تو جامع ہیں وہ تو دستور اساسی ہے کئی کئی معنیٰ میں عبارت ڈھل سکتی ہے۔ رہی بات یہ کہ کون سے معنیٰ مراد خداوندی ہے وہ سنت متعین کرے گی۔

حضرت علیؓ کی جانب سے ابن عباسؓ کو استدلال بالقرآن کی ممانعت

چنانچہ حضرت علیؓ نے جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خوارج سے مناظرہ کرنے کے لئے بھیجا تو کہا کہ ان سے جاکر بحث ومباحثہ کرو اور ان کو راہ راست پر لاؤ۔ روانگی کے وقت ایک وصیت فرمائی۔ فرمایا دیکھو خوارج کے سامنے قرآن سے کوئی دلیل پیش نہ کرو۔ دلیل سنت اور حدیث سے پیش کرو۔ تو ابن عباسؓ کو حیرت ہوئی اور عرض کیا کہ امیرالمومنین قرآن کریم تو میرا مضمون ہے مجھے اللہ کے رسول نے خاص دعا فرمائی ہے اس کے بارے میں اَللّٰھُمَّ عَلِّمْہُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ" اے اللہ ابن عباس کو کتاب اللہ کا علم اور حکمت عطا فرما۔ تو اس کا علم تو خصوصی طور پر حق تعالیٰ نے مجھے دیا ہے اور اسی سے آپ مجھے روک رہے ہیں کہ میں اس سے دلیل نہ پکڑوں حجت قائم نہ کروں، حدیث اور سنت سے دلیل قائم کروں۔ اسکی کیا وجہ ہے۔ فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ القرآن ذو وجوہ" یعنی قرآن کی ایک ایک آیت اتنی بلیغ ہے کہ کئی کئی معنیٰ ڈھل سکتی ہے۔ تم اگر قرآن سے اپنا مطلب ثابت کرنا چاہو گے تو فریق مخالف اسی آیت کا دوسرا پہلو لے کر اپنا مطلب نکالے گا۔ عوام کہیں گے کہ یہ بھی قرآن پڑھ رہے ہیں اور یہ بھی قرآن پڑھ رہے ہیں دونوں ہی حق ہیں تو حق اور باطل میں امتیاز نہ ہوگا۔ لیکن جب کلام رسول اور فعل رسول سے دلیل پیش کرو گے تو اسمیں دوسرے احتمال کی گنجائش نہیں اسلئے مراد ہو جاتے گی متعین اس سے انکار کرنا ممکن نہیں ہوگا لہٰذا قرآن سے استدلال نہ کرنا حدیث سے کرنا۔

منکرین حدیث کا انجام اور حدیث کا مقام

حدیث کو دراصل ایک بیرسٹر کی سی حیثیت

حاصل ہے کہ آدمی قرآن کے اندر اپنے عقلی گھوڑے کتنے ہی دوڑائے۔ حدیث کی موجودگی میں وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا کیونکہ حدیث متنِ قرآن کے معنی متعین کرتی ہے اور مراد ربانی بتلاتی ہے۔ اسلئے عقل زدہ لوگوں کے تیر تکے ہرگز کارآمد نہیں ہو سکتے ہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ قرآن سے اپنی من مانی مرادیں نکالنے کی سعی کرتے ہیں۔ وہ حدیث کا انکار پہلے ہی کر دیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے مقاصد حدیث کے سامنے کبھی پورے نہیں ہو سکتے۔ ان کا ذہن یہ ہے کہ حدیث سے انکار کر دو۔ اور بس آزادی مل جائے گی۔ جو مطلب چاہیں گے نکال لیں گے۔ اور منکرین حدیث کا طبقہ مختلف اوقات میں مختلف شکلوں میں نمودار ہوا۔ ابتداء میں عین حدیث کی صورت میں ظاہر ہوا۔ کہ حدیث گھڑ گھڑ اکر ان کو روایتوں میں لانا شروع کیا تاکہ اصلی اور نقلی اور جعلی چیزیں خلط ملط ہوں گی تو اصل کا بھی اعتبار نہ ہوگا مگر اللہ جزائے خیر دے محدثین کو۔ انہوں نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر کے دکھلا دیا۔ ایسے اصول بنا دیئے جن سے واضح ہو کہ یہ کلام رسول ہے۔ فن اسماء الرجال بنادیا، فن مصطلحات المحدثین بنادیا جو کسوٹی اور معیار ہے کہ یہ حدیث رسول ہے اور یہ حدیث نفس ہے اس سلسلے میں مستقل کتابیں لکھی گئیں چنانچہ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اللآلی المصنوعہ لکھی یعنی مصنوع قسم کے موتی ہیں۔ آب و تاب انکی اچھی ہے مگر حقیقت میں وہ کانچ کے ٹکڑے ہیں۔ تو اصلی حدیث اور نقلی حدیث میں یہ فرق ہے۔ روایت و درایت میں جو کچھ شبہ ہو سکتا تھا محدثین نے حقیقت بیانی سے کام لیا اور وضاعین کی پول کھولکر رکھدی، آج حدیث کی وضع کرنے والوں کا کہیں پتہ بھی نہیں ہے اور حدیثیں اسی طرح جگمگا رہی ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک جگمگاتی رہیں گی۔ مدارس میں اسکی تعلیم جاری ہے ختم پر اجتماعات ہوتے ہیں اور بڑی شان و شوکت سے یہ مجلسیں منعقد ہوتی ہیں۔ بعض لوگوں نے حدیث کی انکار کی دوسری شکل اختیار کی کہ الفاظ تو حدیث کے باقی رکھے۔ ان کے انکار کی جرأت تو ہوئی نہیں مگر معانی کے اندر ردو بدل شروع کر دی کہ یہ معنیٰ نہیں ہیں یہ مطلب ہے۔ اور یہ اس کا مطلب نہیں ہے بلکہ یہ ہے۔ اور کہیں اتنے مطالب بیان کر دیتے کہ جو اصل مطلب تھا وہ اسمیں مخلوط ہو کر رہ گیا۔ اور لوگوں کو حق و باطل سمجھنا دشوار ہو گیا۔ اسپر شکریہ کیجے

مستحق ہیں فقہاء و اصولیین کہ انہوں نے قواعد عربیت اور قواعد شرعیہ ایسے منضبط کئے کہ مراد اور غیر مراد کے اندر امتیاز ہو جائے کسوٹی ہاتھ میں دیدی کہ اس پر پرکھ کر معلوم کر لو کہ حدیث کا یہ مطلب غلط ہے اور یہ صحیح ہے۔ قواعد عربیت کے لحاظ سے اور قواعد شرعیہ کی رو سے یہ مطلب صحیح بنتا ہے اور یہ مطلب نہیں بنتا۔ تو الفاظ کے بارے میں محدثین کی سعی مشکور ہوئی اور معانی کے بارے میں فقہاء و اصولیوں کی سعی مشکور ہوئی۔

غرض روایت و درایت دونوں لحاظ سے مسلمانوں کے ہاتھ میں ترازو رکھ دی کہ وہ بہک نہ جاویں۔ اب یہ خود ہی معلوم نہ کرنا چاہیں اور جہالت میں مبتلاء رہنا چاہیں اور کسی مدرسہ میں نہ پڑھیں یا کسی عالم سے نہ پوچھیں یہ سب ان ہی کا قصور ہے۔ اللہ نے تو ساری چیزیں عطا فرما دی ہیں اور سارے راستے ہموار بھی کر دیئے ہیں اب بھی اگر کسی کو سمجھ میں نہ آئے تو وہ جانے ؟ جبکہ الفاظ محفوظ، معانی محفوظ، مرادات خداوندی محفوظ اور حدیث محفوظ

قرآن کا لب و لہجہ

قرآن کے اندر جیسے الفاظ و معانی ہیں تیسری چیز لب و لہجہ بھی ہے۔ یعنی بعضے مطالب لب و لہجہ سے متعلق ہیں، کلام کی بہت سی خصوصیات ہیں کہ لب و لہجہ بدلنے سے وہ بدل جاتی ہیں۔ جیسے کسی لفظ کو متکلم نے ادا کیا۔ اگر ایسے ہی ادا کریں گے تبھی وہ مطلب ادا ہوگا جو متکلم کی مراد ہے مثال کے طور پر میں کہا کرتا ہوں کہ ہماری اردو زبان کا ایک جملہ ہے "کیا بات ہے"۔ آپ لوگ اس جملہ کو ہر روز استعمال کرتے ہو اس کے بہت سے معنی آتے ہیں لب و لہجہ بدلنے سے معانی بدل جاتے ہیں اگر اسے یوں کہو کہ بھائی کیا بات ہے (استفہامیہ) تو سب کہیں گے کہ سوال کر رہا ہے کہ کیا واقعہ پیش آیا اور اگر میں یوں کہوں کہ کیا بات ہے (تعظیم کے لئے) اب اس جملے سے آپ بالکل نہیں سمجھیں گے کہ میں سوال کر رہا ہوں بلکہ سمجھ گئے ہوں گے کہ اس کسی شئے کی بڑائی بیان کر رہا ہوں اب اگر لب و لہجہ بدل کر یوں کہوں کہ کیا بات ہے (تحقیر کے لئے) تو آپ سمجھیں گے کہ میں کسی چیز کی حقارت بیان کر رہا ہوں۔ اور اگر لب و لہجہ بدل کر یوں کہو کہ کیا بات ہے (تعجب کے لئے) آپ اس پر سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کسی شئے پر تعجب کا اظہار کر رہا ہوں۔ تو جملہ ایک ہی ہے محض لب

ولہجہ بدلنے سے استفہام ہوگیا تفخیم شان ہوگئی۔ تحقیر شان ہوگئی، تعجب ہوگیا۔ سارے معانی اس ایک جملے سے نکل رہے ہیں۔ اور لب ولہجہ بدلنے سے معانی بدل جاتے ہیں۔ مان لیجئے اگر یہ جملہ آپ کو خط میں لکھ کر بھیج دوں اور اسکی ادائیگی کا لب ولہجہ آپ کے سامنے نہ ہو تو پھر آپ اس کا مطلب کیا سمجھیں گے ؟ اسوقت آپ جو مطلب متعین کریں گے وہ ہوگا جو آپکے ذہن میں آئے گا۔ جو کیفیت آپ پر غالب ہوگی، وہ اس کا مطلب نکال لے گی اس سے متکلم کی مراد ظاہر نہیں ہوگی اور یہ ایک دھوکہ اور تلبیس ہوگی کہ الفاظ تو پیش کریں گے متکلم کے اور معنیٰ داخل کریں گے اسمیں اپنے اور دھوکہ دیں گے کہ متکلم نے یہ کہا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ آپ کہہ رہے ہیں متکلم نہیں کہہ رہا ہے اسلئے حق تعالیٰ شانہ، نے فقط قرآن ہی نازل نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ اپنے رسول کو بھیجا کہ لوگوں کو طرز ادا سمجھادیں کہ یہ مطلب نہیں بلکہ یہ مطلب ہے ورنہ یہ مشکل تھا کہ قرآن کریم لاکر بیت اللہ کی چھت پر رکھدیا جاتا اور حضرت جبرئیلؑ آواز لگا دیتے کہ اے لوگو! تم سب روحانی بیمار ہو۔ یہ نسخۂ شفاء ہے۔ اسے لے لیجاؤ، اپنا اپنا علاج کر لیا کرو یہ نہیں کیا بلکہ قرآن بھیجا اور ساتھ میں رسول بھی بھیجا تاکہ وہ پڑھ کر سنائے اور لب ولہجہ بتلائیں اور عمل کر کے دکھلائیں تاکہ مراد متعین ہو جائے۔ اور غیر مراد کا دخل نہ رہے۔ ٹھیک سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے کہا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر نبی کریم تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ قانون تو نازل کر دیا گیا ہو اور شخصیت کوئی نہ آئی ہو یا محض شخصیت بھیجدی گئی قانون کوئی نہ آیا ہو۔ اگر آدم آئے تو دس پارے صحفِ آدم کے بھی اترے یا محض سپارے ہی نہیں بھیجدیئے گئے۔ بلکہ ساتھ میں حضرت آدمؑ کو بھی بھیجا گیا۔ حضرت موسیٰ آئے تو تورات بھی آئی، اور توراۃ آئی تو موسیٰ بھی آئے۔ انجیل آئی تو حضرت عیسیٰ بھیجے گئے زبور آئی تو حضرت داؤدؑ کو بھیجا گیا۔ قرآن آیا۔ تو نبی کریم تشریف لائے تو کوئی دور ایسا نہیں کہ محض قانون اتار دیا گیا ہو مگر شخصیت نہ آئی ہو۔ اسلئے کہ اگر محض قانون اترتا اسمیں لوگ عقلیں لڑاتے اور اپنی عقلوں سے مرادیں متعین کرتے اور وہ اللہ کی مراد نہوتی۔ اس پر دین اور غیر دین مخلوط ہوکر رہ جاتا

مشتبہ بن جاتا اس لئے حق تعالے شانہ نے ہر قانون کے ساتھ ایک شخصیت نازل فرمائی کہ وہ اس کو دکھلائے، چلائے، سنائے، قرآن کریم کے اندر حضور کے چار فریضے ذکر کئے گئے ہیں۔ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ رسول کو ہم نے چار باتیں دے کر بھیجا۔ سب سے پہلی یہ کہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرو۔ یعنی حق تعالے نے جو الفاظ آپ کے قلب مبارک پر نازل فرمائے ان کو امانت داری کے ساتھ امت تک پہنچا دے کہ یہ قانون کی تعبیر ہے۔ چونکہ میں نے عرض کیا کہ تعبیر بدل جاتی ہے تو معانی بدل جاتے ہیں۔ حقیقت بدل جاتی ہے۔ اس لئے تعبیر ان کی اتنی صاف ہونی چاہیے کہ ذرا بھی گنجلک باقی نہ رہے۔ پہلا فریضہ جب پورا ہو گیا اور الفاظ کی صحیح تلاوت آپ نے فرمائی تو اب دوسری چیز رہ گئی معانی۔ اس کی طرف اشارہ کیا وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ کہ تعلیم کرو کتاب کی اس سے مراد خداوندی کی ہی طرف اشارہ ہے۔ تیسرا جملہ فرمایا کہ تعلیم حکمت کی۔ حکمت کے معنی یہاں منطق اور فلسفہ کے نہیں ہیں۔ بلکہ حکمت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک حکمت نظری اور ایک حکمت عملی۔ حکمت نظری تو تعلیم کے اندر آگئی کہ یہ مراد ہے علمی طور پر سمجھ میں آگئی۔ اب باقی رہ گئی حکمت عملی تو نبی کا کام یہ ہے کہ وہ حکمت کا کام کر کے بھی دکھلائے جس کے کرنے کو کہا ہے اب ظاہر بات ہے کہ مراد کے سمجھنے میں اور متعین ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہتا اس لئے کہ نبی نے الفاظ بھی سنا دیئے اور معانی بھی سمجھا دیئے، کر کے نمونہ بھی دکھلا دیا۔ اب اسمیں گنجائش کیا ہے احتمال باطل کا کیسے پیدا ہو یہی وجہ ہے کہ رسول نے آپ کو آرڈر ہی نہیں دیا کہ صلوا کہ لوگو! نماز پڑھ لیا کرو۔ نہیں بلکہ یہ فرمایا کہ صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي نماز پڑھو جس طرح سے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہو وہی نمونہ اختیار کرو۔ تب نماز بنے گی تم نے اپنے نمونے سے من گھڑت کوئی نماز اختیار کی وہ خدا کے یہاں معتبر اور مقبول نہیں ہوگی۔ بلکہ آپ نے ہر علم کا عملی نمونہ پیش کر کے بنا دیا کہ یہ کام ایسے ہوگا اگر جہاد کا حکم دیا تو جہاد کر کے بھی دکھلایا کہ طریقہ ہے جنگ کرنے کا۔ صلح کرنے کا حکم دیا تو صلح کر کے بھی دکھلائی کہ یہ شرائط ہوتے ہیں صلح کے۔ معاہدے کئے تو وہ قول ہی سے نہیں بتلایا بلکہ حکومتوں سے معاہدے بھی کئے تو ہر چیز کا نمونہ عملی پیش کر دیا۔ جیسے قرآن جامع ہے تمام علوم کا اور اس کو فرمایا گیا تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ ہر دعویٰ مع دلیل کے اس میں موجود ہے اسی طرح عمل کے بارے میں فرمایا کہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي

رَسُوْلِ اللہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ۔ عمل کے نمونے اللہ کے رسول کی ذات میں رکھدیئے گئے ہیں تو قرآن جامع علوم ہے اور حضور کی ذات جامع اعمال ہے۔ جو قرآن کہتا ہے وہ حضور کر کے دکھلاتے ہیں اور جو حضور کر کے دکھلاتے ہیں وہی قرآن کہتا ہے تو علم و عمل میں کامل مطابقت ہے نہ ذرہ برابر آپ کا قرآن کے خلاف ہے اور نہ ذرہ برابر کوئی آیت آپ کے عمل کے خلاف ہے تو میں بعض دفعہ کہہ دیا کرتا ہوں کہ اللہ نے دنیا میں دو قرآن نازل کئے ہیں ایک علمی قرآن جو کاغذات میں محفوظ ہے اور عملی قرآن جو ذات بابرکات ہے نبی کریم صلی اللہ وسلم کی قرآن کہتا ہے تو آپ عمل کر کے دکھلاتے ہیں جو آپ عمل کرتے ہیں قرآن اس کا مؤید ہوتا ہے۔ تو ایک علمی قرآن ہے اور ایک عملی قرآن ہے اوّل آپ نے لفظ پڑھے پھر معانی تبلادیئے پھر عمل کر کے دکھلا دیا اس کے بعد میں ایک چوتھا فریضہ اور ذکر کیا گیا ہے کہ وَ یُزَکِّیْھِمْ یعنی ان کے قلوب کا تزکیہ بھی کریں۔

ذہن سازی آپ کا کام ہے کہ ان کا ذہن بھی وہی بنائیں جو اللہ کے یہاں مطلوب ہے ذہن کے اور کجی نہ رہے زیغ نہ رہے۔ استقامت پیدا ہو جائے سیدھے راستے پر ذہن آجائے کہ اللہ کی آیتیں پڑھی جائیں تو ٹھیک وہی مطلب سمجھیں جو اللہ کی مراد ہو۔ اسمیں کج روی نہ ہو چنانچہ صحابہ کے قلوب کو مجاہدات اور ریاضتوں کے ذریعہ اور تہجد و ذکر اللہ اور جہاد کے ذریعہ ایسا اللہ کی طرف مائل کردیا کہ وہی صحابہ جن کے قلوب زمین کی طرف تھے ان کا رُخ بدل کر عرش کی طرف کر دیا اسی بنا پر وہ ٹھیک وہی چیز سمجھتے تھے جو حق تعالیٰ کے یہاں سے نازل ہوئی تھی جہاں سنا کہ اللہ نے اور اللہ کے رسول نے یہ فرمایا بس ان کے ذہنوں نے قبول کرلیا۔ ذہن سازی بھی اللہ کے رسول کا ہی کام ہے کیونکہ اگر قلب کا رخ سیدھا ہے تو ہر چیز کا سیدھا ہی مطلب سمجھے گا اور اگر قلب کا رُخ الٹا ہے تو ہر چیز کا مطلب الٹا ہی نکالنے کی کوشش کرے گا۔ اگر کسی آدمی کے ذہن میں خدانخواستہ نصرانیت راسخ ہوگئی تو۔ اس کو ہر آیت سے نصرانیت ہی نکلتی ہوئی معلوم ہوگی، اگر یہودیت کا اثر ذہن میں ہو تو ہر ہر آیت سے یہودیت نکلتی ہوئی معلوم ہوگی۔ اگر قادیانی ذہن میں ہے تو ہر آیت سے قادیانیت نکلتی معلوم ہوگی۔ اس لیئے کہ ذہن بنا ہوا نہیں ہے تو محض قرآن کے الفاظ اور معانی اور عمل کا نمونہ کافی نہیں ہے۔ جب تک کہ ذہن نہ بنا ہوا ہو۔ اور ذہن کو

مانجھ کر درست نہ کر لیا ہو تاکہ قلب میں صحیح طور پر کجی اور زیغ باقی نہ رہے قلب کے اندر یہ چار چیزیں ذکر فرمائی گئیں جس سے معلوم ہوا کہ محض قرآن کے الفاظ کافی نہیں ہیں اس کے معانی، لغت، ادب کے زور سے حل نہیں کئے جاسکتے ہیں وہ تو روایت کے ذریعے حل کئے جائیں گے۔ لغت سے اگر معانی ہی سمجھ لئے معیار تو نہیں سمجھ سکیں گے۔ اور لغت مراد خداوندی کو متعین نہیں کرسکتا۔ ہوسکتا ہے لغوی مطلب کچھ ہو اور عرفی مطلب کچھ اور ایک وہ شخص ہے جو زبان داں نہیں وہ لغت دیکھ زبان دانی تکلیکھ سکتا ہے اور نہ ہی بول سکتا ہے اگر بولے گا بھی تو وہ مطلب نہیں ہوگا جو عوام میں رائج ہے اور معروف ہے قوم کے اندر۔ مثلاً ہمارے یہاں اردو میں ایک محاورہ ہے سونے پر سہاگہ۔ لغت میں تو اسکی معنی یہ ہیں کہ سونے کو ہاتھ میں لو۔ اور سونے کو نیچے رکھ کر سہاگہ اس کے اوپر رکھدو تو سونے پر سہاگہ ہوگیا ہے لیکن یہ مراد نہیں ہے عرف میں مراد اس سے یہ ہے کہ اگر کسی چیز کی خیر اور بھلائی میں مبالغہ کیا کرتے ہیں تو کہا کرتے ہیں کہ سونے پر سہاگہ یعنی اپنی ذات سے تو سونا تھا ہی اس پر سہاگہ اگر رگڑ دو تو اور چمک جاتا ہے اور اسمیں خوب صورتی پیدا ہوجاتی ہے۔ تو مبالغہ فی الخیر کے لئے یہ محاورہ استعمال کیا جاتا ہے۔ یا کسی کی برائی میں اگر مبالغہ کیا جائے تو ایک محاورہ ہے کہ کریلا اور نیم چڑھا۔ اسکے لغوی معنی تو یہ ہیں کہ کریلے میں دھاگہ باندھ کر نیم پر ٹانگ دو۔ کریلہ اور نیم .... چڑھا ہوگیا مگر یہ مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ کریلا اپنی ذات سے تو کڑوا تھا ہی نیم پر چڑھنے کے بعد اسمیں اور کڑواہٹ بڑھ گئی اور زیادہ بُرائی پیدا ہوگئی۔ اب جو شخص اردو ماحول میں نہ رہا ہو وہ محض ڈکشنری دیکھ کر بول رہا ہو تو کریلہ کو نیم پر چڑھادے گا اور یہی اس کا مطلب بیان کرے گا۔ اور سمجھے گا اپنے آپ کو کہ بس میں نے اردو کا حق ادا کردیا۔ حالانکہ یہ مراد نہیں بلکہ مراد تو اور ہے جسے اہل عرف اور اہل زبان سمجھتے ہیں۔ تو ایسے محاورے لغت سے حل نہیں کئے جاتے جب تک کہ اہل زبان سے تحقیق نہ کرلے۔ اور ہر زبان میں اس قسم کے محاورے موجود ہیں جن کو خود سمجھتے ہیں لغات سے حل نہیں ہوتے۔ اسی طرح سے قرآن کریم اور حدیث شریف کا بھی ایک عرف ہے۔ اس کو محض ادب دانی اور لغت کے زور سے حل کرنا یہ کافی نہیں ہے جب تک کہ اہل عرف میں رہ کر باقاعدہ اسکی تعلیم حاصل نہ کرلے۔ اور اس لب و لہجہ کو نہ معلوم کرلے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے جہاں روایتِ حدیث کے لفظوں کے نقل کی ہے وہاں معانی اور کیفیت اور لب و لہجہ کو بھی نقل کیا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں مشکوٰۃ

شریف پڑھتا تھا اور مشکوٰۃ میں نے اپنے والد ماجد سے پڑھی ہے تو جب حدیث آئی غنیۃ النیاج
کی۔ یعنی زمانہ جاہلیت میں ایک دستور تھا کہ مرنے والا وصیت کرتا کہ مجھے چھ مہینے رویا جائے یا مجھے
ایک سال رویا جائے۔ اگر ایک دو دن رو پیٹ کر بیٹھ گئے تو سمجھا جاتا تھا کہ کوئی چھوٹا سا آدمی ہوگا
لیکن اگر چھ مہینے یا ایک سال روئیں گے تو سمجھا جائے گا کہ کوئی بڑا آدمی گذر گیا کہ چھ مہینے گذر گئے مگر
اب تک رو ہی رہے ہیں تو اس قسم کی وصیتیں کرتے تھے۔ اب ظاہر بات ہے کہ کس کے آنکھ
میں اتنے آنسو رکھے ہیں جو وہ چھ ماہ یا ایک برس تک روتے اس لئے رونے والیاں کرائے پر رکھی
جاتی تھیں۔ چونکہ رونے کی زیادہ مشتاق ہوتی ہیں اس لئے ان کو ہی منتخب کیا جاتا تھا اور ان کا کھانا
کپڑا فیس وغیرہ دے دی جاتی تھی اور طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جہاں کوئی اجنبی آدمی آتا معلوم ہوا۔ انہوں نے
گھیرا ڈالا اور رونا شروع کیا کیونکہ مرد تو ذرا قوی القلب ہوتا ہے اسے دیر میں رونا آتا ہے اور ان عورتوں
نے جہاں ارادہ کیا اور پٹ پٹ آنسو گرنے شروع ہو گئے۔ اور واجبلاہ۔ واشمساہ کہہ کر روتی تھیں
کہ تو تو پہاڑ کی برابر تھا، تو تو سورج کی برابر تھا، سننے والا کہتا تھا کہ بھائی کوئی بڑا آدمی ہوگا مرنے
والا جس کو چھ ماہ سے رویا جارہا ہے۔ اور اس رونے میں وہ ایک عجیب قسم کی لے اور آواز
بناتی تھیں جس سے سننے والے کا دل بھی پگھل جاتے۔ تو میرے والد نے جب اس حدیث کو
پڑھ کر سنایا تو ایک منٹ تک کچھ راں راں کر کے بتلایا کہ اسطرح رویا کرتی تھیں تو اس پر ہمیں
تعجب ہوا کہ اسکی ضرورت کیا تھی کہ اس لب ولہجہ اور اس ہیئت سے کر کے دکھلایا بظاہر یہ شبہہ سے
ایک خفیف حرکت معلوم ہوئی۔ پھر خود فرمایا کہ شاید تمہارے ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوا ہو کہ
میں نے اس رونے کی نقل کیوں اتاری۔ فرمایا کہ میں نے اس لئے یہ نقل اتاری کہ جب میں نے
یہ حدیث حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے پڑھی تو انہوں نے بھی یوں کر کے دکھلایا
تھا اور حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ جب میں نے یہ حدیث حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحبؒ
سے پڑھی تو انہوں نے بھی یوں کر کے دکھلایا تھا اور حضرت شاہ عبد الغنی صاحبؒ نے فرمایا کہ
میں نے یہ حدیث حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ سے پڑھی تو انہوں نے بھی یوں ہی کر کے دکھلایا
تھا اور انہوں نے کہا کہ جب یہ حدیث میں نے حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ سے پڑھی تو انہوں
نے بھی مجھے یوں ہی کر دکھلایا تھا اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث جب
میں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے پڑھی تو انہوں نے بھی مجھے یوں کر کے دکھلایا تھا اور

اور سند پہنچادی راوی حدیث صحابی تک تو فقط الفاظ حدیث ہی روایت نہیں کئے بلکہ معانی بھی روایت کئے اور وہ کیفیت وہ لب ولہجہ وہ ہیئت بھی روایت کی حدیث میں مستقل روایات ہیں جیسے مسلسلات کی روایت کہ بعض روایتیں ایسی ہیں کہ ان کو کہتے ہیں کہ یہ مسلسلۃ الاولیت ہے اوّل وہ کام کیا نبی کریمؐ نے پھر صحابی نے پھر تابعی نے پھر تبع تابعی نے جیسے حدیث مسلسلۃ الماء والتمر ہے کہ آپؐ نے حضرت علیؓ کی کھجور کی دعوت کی اور خود کچھ کھجور رکھا کر اس کا بقیہ حصہ حضرت علیؓ کو کھلایا پانی پی کر بچا ہوا پانی بھی انہیں پلایا اور پھر اس کے بعد فضیلت بیان کی کہ جو اسطرح مہمانی کرے کسی کی اس کے یہ یہ درجات و مراتب ہیں تو حضرت علیؓ کو فقط حدیث ہی نہیں سنائی بلکہ اسپر عمل کر کے دکھلایا۔ حضرت علیؓ کے ایک شاگرد تابعی ہیں انہوں نے اسی طرح سے اس حدیث کی اجازت حاصل کی کہ حضرت علیؓ نے کھجوروں کی دعوت کی خود کھا کے انہیں کھلائی خود پانی پی کر ان کو پلایا پھر تابعی نے اپنے شاگرد تبع تابعی کو اسی طرح سے دعوت دی اور یہ تمام کیفیت کر کے دکھلائی۔ اور اجازت دی یہ حدیث مسلسلۃ بالاولیت کہلاتی ہے۔ اور یہ مسلسل بالماء والتمر ہے یعنی پانی اور کھجور کے اندر تسلسل کے ساتھ حضورؐ سے یہ عمل چلا آرہا ہے محض حدیث ہی نقل نہیں کی بلکہ وہ عمل بھی نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ جو حضور نے کر کے بتلایا تھا جس ہیئت کے ساتھ۔ یا دوسری حدیث مسلسل بالمصافحہ ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں صَافَحْتُ بِكَفِّيْ هٰذَا كَفَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کہ میں نے اپنی اس ہتھیلی سے حضورؐ کی ہتھیلی پر رکھ کر مصافحہ کیا فَمَا مَسَسْتُ خَزًّا وَلَا حَرِيْرًا اَلْيَنَ مِنْ كَفِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حضورؐ کی ہتھیلی پر میں نے ہاتھ رکھا تو اتنی ملائم اور اتنی چکنی تھی کہ میں نے ریشم میں وہ چکناہٹ نہیں دیکھی۔ میں نے حریرہ میں وہ نرمائی محسوس نہ کی جو آپ کے دست مبارک میں تھی تو آپ کے شاگرد تابعی نے کہا کہ ہاتھ پھیلایئے اس نے ہاتھ رکھا تو کہا کہ آپ مصافحہ کریں تو مصافحہ کیا اس کے بعد تابعی کے جو شاگرد ہیں تبع تابعی انہوں نے کہا کہ آپ ہاتھ پھیلایئے تاکہ میں مصافحہ کروں تو انہوں نے مصافحہ کیا یہاں تک کہ وہ مسلسل بالمصافحہ حدیث لوگوں تک پہنچ گئی۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سہارنپوری ہیں انہوں نے مجھے مسلسلات اور حدیث کی تمام کتابوں کی اجازت دی ہے۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو مولانا زکریا صاحب سے فرمایا کہ

بھائی مظاہر علوم کے کتب خانہ میں حدیث کی جتنی کتابیں ہوں وہ سب لے آؤ، تو صحاح ستہ، معاجم، مسانید اور اجزا ساری کتابیں آگئیں۔ حضرت نے تمام کتابوں کی اول اول حدیث مجھ سے پڑھوائی۔ اور اجازت دیدی۔ اور بعض کتابوں کی حدیث خود پڑھی اور اجازت دی۔ اسی طرح سے ان دونوں مسلسل بالماء والتمر اور مسلسل بالمصافحہ کی عملی اجازت دی۔ کھجور منگائی خود کھائی مجھے کھلائی پانی پیا بچا ہوا مجھے پلایا اور پھر حدیث سنائی۔ اسی طرح سے حدیث انسؓ میں مصافحہ کیا اور کہا کہ یہ مصافحہ کی سند حضور تک پہنچ گئی گویا کہ بالوسائط تمہاری ہتھیلی رکھی گئی نبی کریمؐ کی ہتھیلی مبارک پر پھر حضرت نے اجازت دے دی۔

دارالعلوم میں سلسلۂ مسلسلات بالاولیت:۔

چنانچہ دارالعلوم میں یہ عام دستور ہو گیا ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ پڑھنے والے طلبہ کو سال کے آخر میں جب سند ملتی ہے تو مجھ سے براہ راست کہتے ہیں کہ مسلسلات کی بھی سند دو۔ پھر مجھے کھجوریں منگوانی پڑتی ہیں ماشاء اللہ تین سو ساڑھے تین سو کے قریب طالب علم ہوتے ہیں۔ چالیس پچاس روپیہ کی کھجوریں آتی ہیں اگر میں ایک ایک کھجور کھا کر دوسرے کو کھلاؤں تو میرا پیٹ معلوم نہیں کہاں جائے گا اس لئے میں تو کہدیتا ہوں کہ میں صرف چند کھجوریں کھا کر ان تمام میں ڈال دیتا ہوں سب کا یہی حکم ہو جائے گا۔ جو میری کھائی ہوئی کا ہے اور جب پانی پینے کا موقع آتا ہے تو میں کہدیتا ہوں کہ اگر ایک ایک گھونٹ بھی پیوں تو تین سو ساڑھے تین سو گھونٹ ہوتے ہیں میرا پیٹ تو خدا جانے کہاں جائے گا۔ اس لئے تھوڑا پانی پی کر بچا ہوا پانی بالٹی میں ڈال دیتا ہوں اور وہ پانی سب کو پلا دیا جاتا ہے تو ان مسلسلات بالاولیت کا ایک سلسلہ جاری ہوتا ہے تو عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ محدثین نے فقط الفاظ ہی کی روایت نہیں کی یا فقط معانی کی ہی روایت نہیں کی بلکہ ہیئت کذائی کی بھی روایت کی ہے اور لب ولہجہ کی بھی روایت کی ہے اور ان کیفیات کو بھی روایت کیا ہے کہ جو اس حدیث کے سننے کے وقت پیش آئیں۔ تو ظاہر بات ہے کہ حدیث کی وہ حفاظت ہوئی کہ دنیا کی قومیں اپنی آسمانی کتابوں کی بھی وہ حفاظت نہیں کر سکی ہیں جو اس امت نے کلام رسول کے

حفاظت کی ہے

از روئے روایت دین اسلام اور اسکی ہر بات مستند ہے

دین کو اگر روایت کے اعتبار سے دیکھا جاتے تو قرآن مستند اور مکمل حدیث بھی مستند اور مکمل اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں کے قلوب میں سند ایک جزوِ مستقل بن کر داخل ہو گئی حتیٰ کہ آپ فقہ پڑھ لیجئے تو ہدایہ کی سند موجود ہے کہ صاحب ہدایہ سے کس کس نے ہدایہ کو سنا۔ اور وہ ہم تک کس طریقے سے پہنچی، اسی علم کلام کی بہت سی کتابوں کی سند موجود ہے کہ مصنف سے لیکر یہاں تک اتنے واسطوں سے یہ کتاب پہنچی ہے۔ تصوف کے اندر ایک رسالہ قشیریہ ہے امام ابو اسحاق اسفرائنی کا۔ یہ رسالہ تصوف میں بنیادی کتاب سمجھی جاتی ہے وہ تمام محدثانہ طریق پر ہے اور طرز بیان بھی اس کا محدثانہ ہے کہ حدثنا فلاں قال حدثنا فلاں قال حدثنا فلاں قال حدثنا جنید یعنی جنید نے یہ فرمایا سلسلہ بسلسلہ ہم تک پہنچ گیا۔ حضرت شبلیؒ نے یہ فرمایا حضرت سری سقطی نے یہ فرمایا اور سلسلہ وار تدا ہم تک پہنچ گئی تو مسلمانوں میں استناد کا عام دستور ہو گیا کہ فن فقہ کی الگ سند فن عقائد کی الگ سند، حدیث کی الگ سند اصول کی الگ سند۔ بے حجت کوئی بات ہی نہیں کہتے ہیں اور یہ کہنا کہ ہم تو اپنے باپ دادا سے سنتے چلے آرہے ہیں یہ کوئی سند نہیں۔ ہاں، آپ یہ بیان کریں کہ آپ سے روایت کس راوی نے بیان کی ہے اور اسنے کس سے روایت کی ہے اس کا کردار کیا تھا کہ روایت کا پتہ چلائیں اور مشرکین مکہ سے جب قرآن یہ مطالبہ کرتا ہے کہ تم جو یہ شرک کر رہے ہو۔ یہ سورج اور بت پرستیاں کر رہے ہو اسکی سند کیا ہے؟ کس پیغمبر نے تم کو یہ تعلیم دی ہے ان کے پاس اسکے سوا اور کوئی جواب نہ تھا کہ اِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰی آثَارِهِمْ مُقْتَدُوْنَ باپ دادا سے یونہی دیکھتے کرتے چلے آئے ہیں اسلئے ہم بھی یوں ہی کر رہے ہیں حجت اور سند کچھ نہیں ہے جس کا جواب قرآن نے دیا ہے۔ اَوَلَوْ کَانَ آبَاؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ یعنی خواہ وہ باپ دادے بے عقل کی ہی باتیں کہیں گمراہی کی باتیں کہیں پھر تم اس لئے مانو گے کہ باپ دادا نے کہا ہے۔ یہ باپ دادا کا کہنا تو کوئی سند نہیں ہے بلکہ یوں کہو کہ خدا نے کہی ہے اور خدا

کے رسول نے کہی ہے۔ فلاں سند سے فلاں عالم نے کہی ہے سند حجت ہے تو اسلام نے ان بے
سند چیزوں کو رد کر دیا ہے اس لئے میں عرض کر رہا تھا کہ روایت دین کے حق و بطلان کے پرکھنے کا
پہلا ذریعہ ہے۔ تو پرکھ لیا اس بات کو کہ دین ثابت ہے تو حق تعالیٰ کا شکر و فضل ہے کہ مسلمانوں کے
ہاتھوں میں مستند دین موجود ہے اسلام قصے اور کہانیوں کی صورت میں نہیں آیا بلکہ سند اور روایت
کے طور پر آیا ہے اور اللہ کے رسول تک سند متصل موجود ہے۔ آپ مدارس کے اندر پڑھاتے ہیں
اور سند دیتے ہیں۔ اس سند ہی سے تو آپ پہچانتے ہیں کہ یہ واقعی عالم ہے۔ یہ نہیں کہ جو شخص
مطالعہ کر کے آجائے اس کو آپ عالم کہدیں یا صرف اوراق دیکھ کر آجائے اس کو آپ عالم کہدیں۔
ایسا نہیں وہ سند نہیں ہے بلکہ آپ عالم کی نسبت پوچھتے ہیں کہ علم آپ نے کن مشائخ سے حاصل
کیا ان کے عقائد کیا تھے ان کا طریق کیا تھا۔ ان کے کردار کیا تھے۔ پھر ان کے مشائخ کا کیا کردار تھا
اس طرح سے آپ سند دیتے ہیں۔ اب سند سے ہی پہچانا جاتا ہے کہ واقعی عالم ہے۔ آپ کسی
عالم کو کتاب سے نہیں پرکھتے ہیں۔ آپ نہیں کہتے ہیں کہ فلاں صاحب نے مطبع مجتبائی کی بجائے
میں پڑھا تھا اس لئے وہ اچھا اور دوسرے نے اس کتاب میں پڑھا تھا جس کے حروف اچھے
نہیں تھے اس لئے وہ اچھا عالم نہیں ہے کتاب سے کسی عالم کی بڑائی یا چھوٹائی نہیں پہچانی جاتی
ہے بلکہ سند سے پہچانتے ہیں کہ اس کے مشائخ کا طبقہ کس درجے کا تھا اگر آپ کہیں کہ میں شاہ
ولی اللہ کی جماعت میں سے ہوں تو اسکی وقعت ہوگی اور اگر آپ کہیں کہ میں نے تو خود مطالعہ
کر لیا تھا اس کا مطلب یہ کہ کوئی سند نہیں ہے اور آپ مستند نہیں ہیں۔

علم نبی کریم کی وراثت ہے

علم تو نبی کریم کی وراثت ہے جس کو آپ نے فرمایا ہے کہ ان الانبیاء لم یورثوا
دینارا ولا درھما حضرات انبیاء جب دنیا سے جاتے ہیں تو وہ روپیہ یا اشرفی چھوڑ کر نہیں جاتے
ہیں اپنے ورثے میں و لکن ورثوا العلم بلکہ وہ ورثہ چھوڑ کر جاتے ہیں علم کا معرفت
الٰہی کا۔ اخلاقی کمالات کا۔ علوم غیبیہ کا۔ یہ انبیاء کی وراثت ہوتی ہے اور آپ جانتے ہیں
کہ وراثت دنیوی میں مال و دولت جبھی دیا جاتا ہے جب کہ نسب نامہ ماں باپ سے ملا ہوا
ہوگا۔ اور اگر کوئی کسی کا باپ ہی ثابت نہ ہو تو وراثت کیسے مل جاوے گی؟ اسے کبھی بھی وراثت

نہیں مل سکتی ہے اب ثابت کرنا پڑے گا کہ میں فلاں کی اولاد ہوں اس وقت وراثت میں حصہ ملے گا۔ اور اس کو پہلے اس کے باپ سے ملا ہے اس کو بھی ایسے ہی ثابت کرنا پڑا تھا الی آخر النہایہ تو جیسے مادی وراثت میں نسب کی ضرورت پڑتی ہے ایسے ہی روحانی وراثت میں نسبت کی ضرورت پڑتی ہے کہ میرے اساتذہ فلاں ہیں ان کے اساتذہ فلاں ہیں اور سند پہنچ گئی نبی کریمؐ تک جو ہمارے مورث اعلیٰ ہیں جہاں سے یہ علم چلا ہے اور یہ ورثہ ہم تک پہنچا ہے۔ ہم اس علم کے موجد نہیں، مخترع نہیں بلکہ ہم تو ناقل ہیں جیسا ہم نے سنا اپنے اکابر سے ویسا ہی ہم نے نقل کر دیا مگر سنا محبت کے ساتھ دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ۔ اب دوسروں تک اس علم کو پہنچائیں گے یہ ہمارے گھر کی چیز نہیں کہ اس کو ہم اپنے گھر میں رکھیں ہم نے دوسروں سے سیکھا ہے اور دوسروں کو سکھائیں گے یہ ورثہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور وراثت کے لئے سند کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے دین میں بھی سند کی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کے ہاتھ میں مستند دین موجود ہے

آج تو بحمد اللہ مسلمانوں کے پاس سند موجود ہے وہ قرآن کی دعوت دیں گے تو مستند طریق پر دیں گے، وہ ہدایہ اور در مختار کے مسائل بیان کریں گے تو سند دیں گے کہ فلاں نے فلاں سے یہ کتاب سنی اور فلاں نے فلاں سے اور سند پہنچ گئی ان مسائل کی امام ابو حنیفہ تک تو اسناد کے ساتھ جب دین ہوتا ہے تو وہ ماننے کے قابل ہوتا ہے اور جس دین کی کوئی سند نہیں وہ ماننے کے قابل نہیں ہوتا علماء نے لکھا ہے کہ لَوْلَا الْاِسْنَادُ لَبَطَلَ الدِّیْنُ اگر اسناد نہ ہو تو دین باطل ہو جاتا ہے جس کا جو جی چاہے کہہ بھاگے ہم تو حجت طلب کریں گے کہ تم نے یہ دین کہاں سے حاصل کیا ہے قرآن کا یہ مطلب کس حدیث سے لیا ہے کس فقیہ سے سُنا کس امام مجتہد سے لیا ہے اگر حوالہ صحیح ہے تو ماننے کے قابل ہے اور اگر حوالہ صحیح نہیں تو ہم کہیں گے کہ تمہارے نفس کا اختراع ہے یہ ہم پر ماننا کب ضروری ہے بہر حال اصل چیز دین میں سند اور استناد ہے اسی بناء پر آج مسلمانوں کے ہاتھوں میں مستند چیز موجود ہے جو دنیا کی کسی قوم کے ہاتھوں میں نہیں ہے۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ جو چیز پیش کرنے کی ہے وہ صرف مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے اس لئے مسلمانوں کا فرض ہے کہ دنیا کی تمام اقوام کو یہ مستند دین پہنچائیں کوئی دوسری قوم جرأت نہیں کر سکتی ہے کہ ہمیں وہ اپنا دین پہنچائے

اس لئے کہ ان کے پاس اس کی سند موجود نہیں ہے۔ اگر ہم اہل تورات سے اسکے بارے میں پوچھیں کہ تم نے تورات سے روایت بیان کی ہے اسکی کیا سند ہے اس کے راوی کون ہیں روایت کہاں سے چلی کس طرح سے چلی کہیں سند موجود نہیں، انجیل کی کوئی سند موجود نہیں۔ درجنوں انجیل ہیں مگر تمام کی تمام اختراعی ہیں۔ ہر زمانے میں نئے سے نیا ترجمہ انجیل کا ہوا اور ان تراجم میں اختلاف ونزاع ہے۔ تو پہلا سوال یہی ہوگا کہ وہی انجیل ہے جو حضرت عیسیٰؑ پر اتری تھی یا اور کوئی دوسری ہے اگر وہی ہے تو سند لاؤ۔ اسکی سند وہ قیامت تک بھی پیش نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ دنیا میں کسی مذہبی کتاب کی سند موجود نہیں بجز قرآن کے اس واسطے اسی کا حق ہے کہ یہ دنیا کی اقوام کے سامنے پیش کیا جاوے اس لئے کہ یہ مستند دین ہے۔

مسلم دنیا میں لینے کے لئے نہیں بلکہ کچھ دینے کے لئے آیا ہے

مسلمان دنیا میں سائل بن کر نہیں آیا کہ دنیا کی قوموں سے بھیک مانگے یہ تو دینے کے لئے آیا ہے کہ دنیا کی قوموں کو امر بالمعروف کرے اور نہی عن المنکر کرے وہ اللہ پر ایمان لائیں گے۔ اور تمہارے ہاتھ میں سند موجود ہے کتاب اللہ کی بھی کہ تم نبی تک سند پہنچا کر پیش کر دو گے کہ یہ ہے مستند چیز اسے قبول کر داب مسلمانوں کا کام یہ رہ گیا ہے کہ دنیا کی دیگر اقوام کے پاس بھیک مانگتے پھر رہے ہیں حالانکہ دین ان کے پاس مستند موجود ہے اور ہر مشکل کا علاج ان کے پاس موجود ہے مگر پھر بھی کسی قوم سے تمدن کی بھیک مانگ رہے ہیں کسی سے معاشرت کی، کسی سے رہن سہن کی۔ اس لئے ہماری مثال ایسی ہوگئی ہے جیسے مولانا رومی نے کہا ہے ؎

چوں یک سبد بر نہ ترا در خرق سے شئے

تو ہمیں جوئی لبینہ در بدر !!!

ٹوکرا بھرا ہوا سر پر روٹیوں کا رکھا ہوا ہے اور گھر گھر بھیک مانگتے پھر رہے ہیں کہ خدا کے لئے ہمیں ٹکڑا دیدو۔ اس بے غیرتی کی بھی کوئی انتہا ہے؟ کہ گھر میں موجود ہے سر پر ٹوکرا رکھا ہوا ہے اسکی توفیق نہیں ہوتی کہ ہاتھ اونچا کر کے اسمیں سے نکال لیں ہاتھ نیچا کر کے دوسروں کے سامنے تو پھیلا رکھا ہے وہ اپنی حیثیت کو بھول گئے ہیں مسلم دنیا میں بھکاری بن کر نہیں آیا بلکہ دنیا کو کچھ دینے کے لئے آیا ہے اور دے گا وہی

چیز جو اس کے پاس ہے دوسروں کے پاس نہیں ہے اگر آپ دنیا دینا چاہیں تو دنیا آپ سے زیادہ دوسروں کے پاس موجود ہے۔ سونا چاندی دینا چاہیں تو وہ بھی دوسری اقوام میں زیادہ موجود ہے۔ کوٹھی بنگلہ دینا چاہیں تو وہ بھی دوسری اقوام میں ہم سے زیادہ موجود ہے۔ آپ وہ چیز دیں جو آپ ہی کے پاس ہے دوسروں کے پاس نہیں ہے۔ اور وہ ہے مستند دین کہ دنیا اور آخرت کی بہبود کا یہ طریقہ ہے جو تم میں کسی کے پاس نہیں اور اس کو ہم پیش کرتے ہیں تم قبول کرلو۔

ہر مسلم کو اپنے ازم کی دوسروں کو دعوت دینی چاہیے

آج دنیا میں ہر شخص اپنے مشن کی دعوت دے رہا ہے کمیونسٹ دعوت دے رہے ہیں کمیونزم کی اور شوشلسٹ دعوت دے رہے ہیں شوشلزم کی کیپٹلسٹ دعوت دے رہے ہیں کیپٹلزم کی آخر یہ اسلام کا ازم بھی آپ کے سپرد کیا گیا ہے آپ کو بھی ضرورت ہوتی ہے کہ دعوت دین دنیا کے ہر باطل سے باطل مذہب کی دعوت چل رہی ہے دعوت تو چلانا آپ کا فرض ہے جس طرح اور ازم دنیا کے سامنے آرہے ہیں مگر جب بھی دنیا کو سکون ہوا ہوگا اسی اسلام ازم سے نہ کمیونزم سے ہوا ہوگا۔ نہ کیپٹلزم سے اور نہ شوشلزم سے ہوگا۔ اور سب بناوٹی اور ردعمل ہے اور ردعمل کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی جو معتدل راستہ ہے وہی ازل سے قائم ہے وہی باقی رہنے والا ہے تو ہر مسلم کا فرض ہے خواہ وہ دنیا کے کسی بھی خطے میں رہتا ہو کسی بھی نسل سے تعلق رکھنے والا ہو کہ اپنے ازم کو دنیا کے سامنے پیش کرے میں تو طلبہ سے عرض کیا کرتا ہوں کہ بھائی مدارس میں آکر تعلیم پانا فرض ہے اور بہت ضروری ہے۔ لیکن تعلیم پانے کے بعد صرف یہی مقصد ہو کہ یہ کتاب دوسروں کو پڑھادیں کافی نہیں یہ تو ایک محدود حلقہ ہو گیا آپ نے ایک سے پڑھا دوسروں کو پڑھا دیا یہ تو بنیادی چیز ہے اس کے بغیر تو کام چلے گا نہیں لیکن اس پر قناعت نہیں کرنی چاہیے بلکہ دعوت الی اللہ کا جذبہ عام ہونا چاہیے اور اس کا ڈھنگ یہ نہیں ہے کہ آپ ہر ایک سے یوں کہیں کہ تم مسلمان بن جاؤ بلکہ اس کے مختلف طریقے ہیں۔

دعوت الی اللہ کے مختلف طریقے

جس طریقے سے بھی انسان متاثر ہو اس کو اسی طرز سے دعوت الی اللہ پیش کرنی چاہیے کہیں حکمت سے دعوت دی جاتی ہے کہیں احسان وسلوک کے ذریعہ دعوت پیش کی جاتی ہے

انسان متأثر ہو کر خود دعوت قبول کرے گا. صحابہ نے کتابیں پڑھا کر دعوت نہیں دی. کتاب پڑھانے کا الگ مخصوص طبقہ تھا اور مخصوص طبقے کے لئے تھا اور دعوت الی اللہ میں کتاب نہیں وہاں تو حکمت کام میں آتی ہے بعض حضرات نے طب کے راستے سے دعوت دی کہ معالجات کرتے ہوتے گذرے دعوت دیتے رہے. ظاہر بات ہے کہ مریض طبیب سے متاثر ہوتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ میرا محسن ہے اس تاثر کو اطباء نے دین کی باتیں سکھلانے میں استعمال کیا ہے اس طب کے ذریعہ سے ہی لاکھوں آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔

تجارت کے ذریعہ دعوت الی اللہ اور چین میں اسلام کا ورود مسعود

بعض نے تجارت کے ذریعہ دعوت الی اللہ دی ہے اپنی تجارت کرتے اور لوگوں کے ساتھ وہ معاملات اختیار کرتے جو اسلام نے سکھاتے ہیں اور ظاہر بات ہے کہ انسان حسن معاملہ سے بہت متاثر ہوتا ہے اسی لئے تجار نے اسی پیشے کے ذریعہ لاکھوں کو داخل اسلام کیا اور دعوت الی اللہ کی خاطر صحابہؓ آپ کے وصال کے بعد پوری دنیا میں پھیل گئے چنانچہ تاریخ میں ہے کہ آٹھ صحابہ بغرض دعوت الی اللہ تجارت کی لائن سے کسی علاقے میں گئے وہاں جاکر انہوں نے اپنا سلسلہ شروع کر دیا معاملات کی سچائی اور دیانت کی وجہ سے ان کے بازاروں کو اس درجے فروغ ہوا کہ دوسری سب دکانیں ٹھپ پڑ گئیں. ملک کے تجار کو حسد ہوا کہ یہ غیر ملکی لوگ کہاں سے آگئے کہ ہمارے سارے بازاروں پر انہوں نے قبضہ کر لیا یہاں سے ان کو نکالنا چاہیئے حکومت سے درخواست کی کہ صاحب یہ چند غیر ملکی لوگ ہیں ہمارا کام انہوں نے چوپٹ کر دیا ہے آپ انہیں ملک سے نکال دیں حکومت وقت نے انہیں بلایا اور کہا کہ تم ہمارے ملک کو کیوں تباہ کرنے آگئے ہو. انہوں نے کہا کہ تباہ کرنے کے لئے یا آباد کرنے کے لئے؟ تباہ تو تمہارے ملک والوں نے کر رکھا تھا. چوری سے بددیانتی سے. ہم نے امانت داری، دیانت داری اور معاملات کی سچائی سکھلائی تو پورے ملک پر اثر پڑا. اس لئے ہم تو آباد کرنے کے لئے آئے ہیں انہوں نے کہا کہ نہیں آپ چلے جایئے ان حضرات صحابہ نے کہا کہ اگر ہم سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو آپ بتلائیں ہم بہ ملا اقرار کریں گے اگر آپ بے وجہ نکالنا چاہتے ہیں تو ہم پوری حکومت کو چیلنج دیتے ہیں کہ ہم نہیں نکلیں گے. یعنی آٹھ آدمی حکومت وقت کو چیلنج دے رہے ہیں حکومت نے کہا کہ نہیں بہرحال آپ

چلے جائیں انہوں نے کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا ہے۔ آپ حجت بیان کریں یا خطا بیان کریں اگر واقعی خطا ہو گئی ہے تو ہم اقرار کریں گے نہیں ہوئی تو ہم جواب دیں گے لیکن یہ جو آپ نے آرڈر دیدیا ہے یہ ٹھیک نہیں ہے کیونکہ ملک تو خدا کا ہے کوئی نکال نہیں سکتا ہے پھر جب انہوں نے سختی کر کے کہا کہ نکلو، یہ خبر پورے علاقے میں پھیل گئی اس پر سب لوگوں نے مطالبہ کیا کہ یہ اگر نکلیں گے تو ہم بھی سارے ان کے ساتھ ہی نکل جاویں گے ہم بھی اس ملک میں رہنا نہیں چاہتے ہیں۔ اسلئے کہ ان صحابہ کے اثرات ان پر قائم ہو چکے تھے اس لئے سب کے سب انکی طرف ہو گئے اب وزراء نے بادشاہ سے کہا کہ حضور آپ کس کو نکال رہے ہیں وہ تو حکومت ہی جا رہی ہے آپ کا سارا ملک ان کے ساتھ جا رہا ہے۔ تب جا کر مجبوراً حکومت کو جھکنا پڑا۔ اور کہا بھائی تم اپنی دکانیں بازار میں اسی طرح قائم رکھو! ان ہی حضرات کے طفیل اس علاقے میں کروڑوں مسلمان آج بھی موجود ہیں، مؤرخین کی ہدایت کے مطابق وہ علاقہ چین کا ملک ہے۔ تو آدمی اگر دعوت الی اللہ کا جذبہ رکھے تو دکان پر بیٹھ کر بھی دعوت دے سکتا ہے، سرکاری دفاتر میں بیٹھ کر بھی دعوت دے سکتا ہے۔ طب کی لائن سے بھی دعوت دے سکتا ہے اور دوسری راہیں ہزاروں ہیں حکمت کے ساتھ دعوت دی جاتی ہے۔

خیر خواہی اور خدمت خلق بھی ذریعہ ہے دعوت الی اللہ کا:۔

ایک یونیورسٹی میں اوپر کی جماعت میں چودہ پندرہ لڑکے غیر مسلم تھے اور ایک لڑکا صرف مسلمان تھا اور وہ بھی بیچارہ غریب کم گو، صوفی منش، اس کو انہوں نے اپنی مجلس کا مسخرہ بنا رکھا تھا کوئی پھبتی کسنی ہوتی تو اس پر کسی جاتی، کوئی جملہ کسنا ہوتا تو اس پر کس دیا جاتا۔ رات دن اس کو پریشان کیا کرتے تھے اور وہ بیچارہ صبر کرتا، ایک لفظ نہ بولتا۔ یہ مسخرہ پن کرتے رہے ادھر صبر ہوتا رہا خدا کی قدرت کہ انمیں جو سب سے زیادہ رئیس اور امیر تھا نوجوان لڑکا وہ بیمار پڑا اور اتنا شدید بیمار ہوا کہ اس کے جینے کی توقع نہ رہی تو اب سب لڑکوں نے اس کو چھوڑ دیا اور ہسپتال میں داخل کر دیا اس مسلمان لڑکے نے خدمت شروع کی اس لئے کہ اس کا اور اس کا کمرہ قریب قریب تھا اگر رات کے بارہ بجے دوا دینی ہے تو ٹھیک اسی وقت اس کے پاس دوا لیکر حاضر۔ اگر ڈاکٹر نے کہا کہ ایک بجے اس کو دودھ پلایا جائے تو ٹھیک اسی وقت دودھ دیا جاتا تھا۔ خدمت کرنے

ہیں دن اور رات ایک کر دی پندرہ بیس روز کے بعد وہ اچھا ہوگیا اب وہ ہاتھ جوڑ کر اس مسلم نوجوان کے سامنے بیٹھ گیا۔ کہ تم کوئی بھگوان معلوم ہوتے ہو۔ اور کوئی خدائی روح تمہارے اندر کام کر رہی ہے ہم نے تمہارے ساتھ یہ مسخرہ پن کیا اور تم نے یہ خدمت کی خدا کے لئے ہمارا قصور معاف کر دو اور جتنے اس جماعت میں لڑکے تھے سب جمع ہو گئے اور سب نے کہا کہ ہمارا قصور معاف کر دو۔ ہم نے کمینہ پن کیا اور رذالت کی اور تم نے شرافت نفس کا ثبوت دیا۔ ہم نے تم پر پھبتیاں کسیں تم نے صبر کیا اور اتنی خدمت انجام دی یہ کام کسی اونچے ہی آدمی کا ہوسکتا ہے اور پھر پوچھا انہوں نے کہ یہ باتیں تم نے کہاں سے سیکھی ہیں اس نے کہا کہ میرے مذہب نے سکھلائی ہیں کہنے لگے کہ اس مذہب کی تلقین ہمیں بھی کرو۔ انہوں نے اسلام کے کلمے بیان کرنے شروع کر دیئے اور اس کے فضائل بھی بیان کئے تو ان میں سے بہت سے اسلام کی طرف مائل ہو گئے اس لئے میں کہہ رہا تھا کہ خدمت کا راستہ بھی اسلام پھیلانے کا ہے اور دیگر مختلف طریق ہیں دعوت الی اللہ کے۔ جذبہ دل میں ہوتا ہے تو کچھ نہ کچھ دعوت چلتی ہے۔ اور کارگر بھی ہوتی ہے۔

حکمت کے ساتھ دعوت الی اللہ کی پیشکش

ہمارے مولانا محمد الیاس صاحب کے بڑے بھائی

حضرت مولانا محمد صاحبؒ کے مریدین میں سے حاجی عبدالرحمٰن صاحب میواتی تھے۔ صرف حافظ قرآن تھے زیادہ لکھے پڑھے آدمی نہ تھے مگر صاحب نسبت اور ذاکر و شاغل بھی تھے ہر وقت ذکر اللہ ان کی زبان پر جاری رہتا تھا اور قلب میں ایمانی کیفیات رچی ہوئی تھیں۔ تقریباً ایک ہزار غیر مسلموں کو انہوں نے دائرہ اسلام میں داخل کیا حالانکہ ایک حرف بھی لکھنا نہیں جانتے تھے کچھ ڈھنگ بولنے کا ایسا تھا کہ دوسرا آدمی خواہ مخواہ مائل ہو کر اسلام قبول کر لیتا تھا یہ ان کے قلب میں ایک حکمت تھی ان کی موجودگی میں میوات کے علاقے میں ایک سادھو آگیا وہ ہندو تھا ریاضت و مجاہدے بہت کئے ہوئے تھا وہ کچھ کرشمے اور خوارق عادات بھی دکھلاتا تھا لوگوں میں اس کی کافی شہرت ہوگئی۔ ان کا جی چاہا کہ اس کو دائرہ اسلام میں داخل کریں تو حاجی صاحب اس کے یہاں پہنچ گئے اس نے حاجی صاحب کا ادب و احترام کیا کیونکہ قوم کے سردار کا احترام و اعزاز کیا ہی جاتا ہے اور اس کے اخلاق بھی اونچے ہوتے ہیں اس نے کہا حاجی صاحب کیسے تشریف لائے حاجی صاحب

نے کہا کہ آپ کو دیکھنے کے لئے آگیا ہوں اس کے بعد حاجی صاحب نے اس کو اسلام کی طرف متوجہ کرنے
کی تمہید شروع کی اور کہا کہ سادھو جی آپ تو بڑے باکمال معلوم ہوتے ہیں آپ سے تو کرشمے بھی ظاہر
ہوتے ہیں اس نے کہا کہ مالک کی دین ہے میں کیا چیز ہوں حاجی صاحب نے کہا کہ نہیں صاحب
آپ تو بڑے باکمال ہیں ہر ایک میں ایسا کمال نہیں ہو سکتا ہے جو آپ کے اندر ہے جب خوب
تعریف کر لی پھر اس کے بعد کہا کہ یہ کمال آپ کو کس طرح حاصل ہوا اس نے کہا کہ میرا ایک اصول
ہے کہ جس چیز کو میرا جی چاہا میں نے وہ نہیں کی ہمیشہ میں نے جی میں آئی ہوئی چیز کے خلاف کیا
اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جی پر مجھے قابو ہو گیا اور اب میرا نفس اور دل میرے تابع ہیں۔ میں اس کے
تابع نہیں ہوں۔ یہ مشق کی میں نے۔ حاجی صاحب نے کہا کہ واقعی آپ نے تو اصول اختیار کیا یہ اسی مجاہدہ
کا نتیجہ ہے کہ آپ بڑے باکمال ہو گئے ہیں۔ اس سے اس قسم کی باتیں خوب کہہ کر اخیر میں کہا کہ
اسلام لانے کو بھی جی چاہتا ہے یا نہیں اس نے کہا کہ بالکل نہیں۔ حاجی صاحب نے وہیں بات
پکڑ لی کہ پھر تو ضرور قبول کرو۔ ورنہ تمہارا اصول ختم ہو جائے گا جو عمر بھر کی محنتیں ہیں وہ سب ضائع
ہو جاویں گی۔ جب اصول کے خلاف ہوگا اگر جی چاہتا اسلام لانے کو تو بالکل نہ لاتے۔ مگر جب
جی نہیں چاہتا ہے تو جی کے خلاف کرو اور اسلام لاؤ۔ ورنہ تو پھر تمہارا اصول ختم ہو کر تمام محنت غارت
ہو جاتے گی۔ کیونکہ جب اصول باطل ہو جاتا ہے تو اسکی جزئیات بھی باطل ہو جاتی ہیں غرض اس کو
ایسا گھیر لیا کہ وہ اسی مجلس میں مسلمان ہو گیا اور اسکی وجہ سے اور بھی بہت سے مسلمان ہو گئے
انہوں نے کوئی ایسی تعلیم نہ پائی تھی نہ مستند نہ غیر مستند مگر صاحب نسبت ضرور تھے ذکر اللہ
رچا ہوا تھا ہر موقعہ کے مناسب حق تعالیٰ الہام فرما دیتے تھے اور قلب میں ایک قسم کا جذبہ تھا
دعوت الی اللہ کا حکمت کے ساتھ اس کو پیش کرتے تھے وہ قاعدہ بنجاتی تھی اور تدبیر خود بخود سمجھ
میں آتی چلی جاتی تھی۔ تو جب آپ دل میں ٹھان لیں گے اور قلب میں اللہ نے ایمان کا جذبہ
بھی دیا ہے تو وقتی تدابیر خود آپ کے دل میں پڑ جائیں گی بشرطیکہ آپ کا عزم بھی ہو۔

دعوت الی اللہ کے غیر مسلم بھی مستحق ہیں

ایک دعوت تو ہے اپنوں کو دینا وہ تو ہر حالت میں ضروری ہے جیسے ہماری تبلیغی جماعتیں ہیں کہ انہوں نے ہزاروں آدمیوں کی اصلاح کی مگر یہ میدان کہ غیروں

کو بھی دعوت دی جائے بالکل خالی ہے آخر غیر مسلموں کا بھی تو حق ہے آپ کے اوپر آپ کا اسلام آپ کی جدی میراث تو نہیں ہے کہ کہیں نہ جائے آپ تک ہی محدود رہے وہ تو دنیا کی تمام اقوام کیلئے آیا ہے مگر اس کے ان تک پہنچانے کا آپ ہی ذریعہ بنیں گے۔ اور آپ ان تک پہنچا نہیں رہے بلکہ اسلئے آپ ان کا حق مار رہے ہیں جیسے آپ کے اوپر اپنوں کا حق ہے ایسے ہی اغیار کا بھی حق ہے وہ یہ ہے کہ آپ انکی خیر خواہی کریں اور خیر خواہی یہ ہے کہ انہیں وہ دین پہنچائیں جس کے ذریعہ وہ عذاب آخرت سے بچ جائیں اور ان تک بات حکمت سے پہنچائیں۔ جیسے حاجی عبدالرحمٰن صاحب نے پہنچایا اور ایسے انداز سے پہنچائیں کہ ماننے پر مجبور ہو جائیں جو راستہ آسان ہو اس ذریعہ سے وہ دعوت چلائیں چاہے خدمت کا راستہ ہو یا احسان کا راستہ ہو یا حکمت کا راستہ ہو بہر حال دعوت الی اللہ لازمی چیز ہے۔

مخاطب کے مناسب حال طریقے سے دعوت پہنچاؤ

میں طلبہ سے کہا کرتا ہوں کہ مدارس میں جو ہماری تعلیم ہے وہ تو بہت ہی اہم اور ضروری ہے اگر تعلیم نہ ہو تو تبلیغ کا بھی دروازہ بند اور تصنیف کا بھی دروازہ بند ساری بنیاد تعلیم سے ہی چلتی ہے مگر تعلیم حاصل کرنے کے بعد تعلیم ہی کو مقصد بنا لینا یہ کافی نہیں بلکہ دعوت عام ہونی چاہیئے کتابیں پڑھانے کے وقت آپ کتابیں پڑھائیں اور جب دوسرے لوگ سامنے آئیں تو دعوت الی اللہ کا راستہ اختیار کریں۔ جیسا مخاطب ہو ویسا ہی خادم بن کر اس سے گفتگو کریں اگر علم و حکمت والا آدمی سامنے آئے تو اسے حکمت کے راستے سے اسلام پہنچائیں کوئی سادہ لوح آدمی ہو تو سادگی سے اسے اسلام پیش کرو۔ اور اگر کوئی کٹ حجت ہو تو اس کے مسلمات سے اس پر حجت قائم کریں غرض جیسا مخاطب ہو آپ اس سے ایسا ہی کلام کریں کَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ جس درجہ کی عقلیں ہوں اسی درجے کا کلام کیا جائے۔ سادے آدمی کے ساتھ اگر آپ منطق و فلسفہ بگھارنا شروع کریں گے تو وہ بیچارہ کیا سمجھے گا جیسے لکھنؤ کے ایک زمیندار تھے ان کے پاس کچھ کاشتکار زمین وغیرہ بونے اور جوتنے کے لئے خادم تھے زمیندار کو کچھ فارسی بولنے کا مرض تھا اور جی چاہتا تھا کہ فارسی بولا کریں مگر صحیح نہیں بلکہ غلط سلط بولتے تھے ایک بار کچھ دیہاتی جمع ہو کر آئے ان زمیندار نے دیہاتوں سے کہا کہ امسال دہقان کے کشت زار پر تقاطر اسطار ہوا کہ نہیں یعنی پوچھنا

یہ تھا کہ اس سال بارش کیسی ہوتی ہے تو رمیندار نے فارسی بگھارنے کے لیئے یہ الفاظ استعمال کیئے تو دیہاتیوں نے آپس میں کہا کہ اسوقت میاں صاحب قرآن پڑھ رہے ہیں جب فارغ ہو جائیں گے جب آکر بات کریں گے۔ ان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تو ان دیہاتیوں کے سامنے فارسی بولنا غیر مناسب تھا وہ بیچارے غریب کیا سمجھے ؟ کچھ بھی نہیں ایسے کسی حکمت پسند کے آگے آپ سادہ لوحی کی باتیں کریں انکی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔ تو جیسا انسان ہوگا اس کے مناسب ہی آپ کو کلام کرنا پڑے گا۔ اسی لئے قرآن کریم نے تین لفظ بولے ہیں۔ فرمایا۔ ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن۔ یعنی دو اللہ کے راستے کی حکمت سے موعظت سے مجادلہ حسنہ سے اس لئے کہ دنیا میں آدمیوں کی بھی تین ہی قسمیں ہیں۔ کچھ عقل پسند ہیں ان کے سامنے دین کو معقول انداز میں پیش کیا جائے گا اور کچھ سادہ لوح ہیں کہ اللہ اور رسول کا نام سنا اور گردن جھکا دی۔ ان کو صرف اتنی نصیحت کافی ہے اور کچھ ٹیڑھی طبیعت کے ہیں بلکہ الٹے مزاج کے کسی کی نہیں مانتے جب تک کہ انکی مانی ہوئی باتوں سے ان پر حجت قائم نہ کر دیں یہ ہی اصول ہے ان کو سمجھانے کا ان سے مناظرہ کیا جائے گا ان سے بحث و مباحثہ کیا جائے گا۔ اس کے بغیر وہ سمجھیں گے نہیں تو لہذا جیسا آدمی ویسا ہی خادم بھی ہونا چاہیئے۔

حضور کا رکانہ کو کشتی میں پچھاڑنا

ایک روایت ہے اگرچہ وہ ضعیف ہے مگر چوں کہ احکامات میں نہیں ہے بلکہ فضائل و مناقب کی ہے اور اسمیں ضعیف روایات بھی قبول کر لی جاتی ہیں اس لئے قابل قبول ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ رکانہ عرب میں بہت بڑا پہلوان تھا وہ ایک آدمی ایک ہزار کے مقابلے کا سمجھا جاتا تھا اور ان کے بدن کی مضبوطی اور وزن کی کیفیت یہ تھی کہ اونٹ ذبح کرکے اسکی غیر مدبوغ تازی کھال بچھا دی جاتی اور رُکانہ اس پر بیٹھ جاتا اور عرب کے نوجوان چاروں طرف سے اس کھال کو کھینچتے تو کھال کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ جاتے مگر اتنی کھال کو جنبش نہ ہوتی تھی جو رکانہ کے نیچے ہوتی تھی اتنا وزن تھا ان کے بدن میں گویا منوں کی لاش تھی حضورؐ نے ان کو دعوت اسلام دی اس نے کہا اے محمدؐ سیدھی بات سن لو۔ میں ایک پہلوان آدمی ہوں نہ عالم نہ عارف، نہ فلسفی

صرف کشتی لڑنا جانتا ہوں اگر آپ نے مجھے کشتی میں پچھاڑ دیا تو میں اسلام قبول کرلوں گا ورنہ نہیں، یہ گویا اس نے حجت رکھی آپ نے فرمایا بسم اللہ! آپ کشتی لڑنے پر راضی ہوگئے وہ بھی لنگوٹ کسکر اکھاڑے میں آگیا اور آپ بھی آستینیں چڑھا کر اکھاڑے میں آگئے۔ اب رکانہ پہلوان کا بھاری بدن کہ اونٹ کی کھال کے ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں مگر اس کے نیچے سے حرکت نہ کریں لیکن آپ نے ایک دو داؤ پیچ کے بعد ان کے بند کمر میں ہاتھ ڈالا اور اسطرح ایک ہاتھ سے اچھال دیا کہ جس طرح سے کوئی چڑیا کو نچاتا ہے اور آہستہ سے زمین پر رکھ کر آپ اسکی چھاتی پر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ رکانہ اب کہو تو رکانہ کو یقین نہ آیا کہ مجھے حضورؐ نے پچھاڑ دیا ہے کیونکہ وہ کبھی کسی سے پچھڑا ہی نہ تھا اس نے کہا کہ کیا میں پچھڑ گیا ہوں آپ نے فرمایا کیا نیچے نہیں پڑے؟ اور کیسا پچھڑنا ہوتا ہے یقین نہ آیا کہنے لگا کہ اے محمدؐ! کشتی ایک بار اور ہوگی فرمایا بہت اچھا آپ کھڑے ہوگئے اور پھر کشتی شروع کی پھر ایک دو داؤ پیچ کے بعد آپ نے ایک ہی دست مبارک ڈالکر اٹھایا اور چڑیا کی طرح نچایا اور زمین پر رکھ دیا اب یقین کرنے پر مجبور ہوگیا کہنے لگا کہ اے محمدؐ تمہارے بدن میں تو اتنی طاقت ہے نہیں کوئی اندر کی طاقت ہے آپ نے فرمایا کہ اسی اندر کی طاقت ہی کی طرف تو بلا رہا ہوں۔

ظاہری طاقت کیطرف نہیں بلاتا ہوں جو میرے اندر ہے اسی کو منوانا چاہتا ہوں۔ پھر وہ اسلام سے مشرف ہوگئے۔ اب بظاہر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اکھاڑوں میں کشتیاں لڑنے کے لئے تھوڑا ہی تشریف لاتے ہیں لیکن اگر کوئی شخص اپنے ایمان کو دائر کردے اسپر کہ اسکے بغیر میرے اوپر حق واضح ہوگا ہی نہیں تو یہ بھی کرنا پڑتا ہے۔ اور حضور نے ایسا کیا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جیسا مخاطب ہو ویسا ہی خطاب ہوگا۔ جیسا آدمی ویسا ہی خادم کوئی عقلمند ہے تو عقل سے خطاب کیجئے کوئی سادہ لوح ہے تو سادہ خطاب کیجئے کوئی کٹ حجت ہے تو بحث سے خطاب کیجئے اسکی نفسیات کو دیکھ کر آپ کو خطاب کرنا پڑے گا۔ وہ ضرور مانے گا مگر آپ کے دل میں جذبہ ہونا چاہیئے کہ کسی نہ کسی طرح اس دین کو اس کے اندر پرونا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ سب سے پہلے یوں کہیں کہ صاحب آپ مسلمان بن جائیں" نہیں" بلکہ ایسا طرز اختیار کریں کہ وہ خود اپنی زبان سے کہے کہ مجھے بھی آپ اس دین میں داخل کرلیں اور وہ طرز ہے برتاؤ، اخلاق حسنہ اور عمدگی معاملات۔

وہ طریقہ اختیار کرو جس سے غیر مسلم بھی اسلام کی طرف لپکیں:

سب سے پہلے ضرورت ہے کہ اسلامی اخلاق پیش کرو، مظاہرۂ عمل کرو، تلقین بھی کرتے رہو، آپ کے عمل سے جب اخلاق کی نوعیت واضح ہوگی اور نمایاں ہوگی تو اس سے گرویدگی پیدا ہوگی اس گرویدگی سے اسکے دل میں خود بخود داعیہ پیدا ہوجائے گا کہ مجھے اس دین کی تلقین کی جائے جس کے اندر یہ اخلاق موجود ہیں تو آپ فضا ایسی بنائیں کہ وہ خود طالب بن کر آئے کہ آپ ہمیں بھی اپنا مذہب سکھلاؤ مگر پہلے آپ خود اپنا عمل درست کرلیں اور دوسروں کے لئے عمل کا نمونہ بن جائیں دنیا کی نقالی نہ کریں بلکہ اپنے کیرکٹر اور کردار پر چلیں جو اللہ اور رسول نے آپ کو بتلایا ہے صلاح وتقویٰ جب آپ کے اوپر ہوگا تو آپ کا چہرہ مہرہ خود داعی اور مبلغ بن جائے گا۔

ہندوستان میں صحابہؓ کا داخلہ سندھ کے راستے سے

حضرات صحابہ سب سے پہلے جب ہندوستان میں آئے ہیں تو سندھ کے راستے سے داخل ہوئے ہیں، مؤرخین لکھتے ہیں کہ سندھ کے بازاروں سے جب صحابہ گذرے ہیں تو ہزاروں کی تعداد میں لوگ صرف چہرہ دیکھ کر مسلمان ہوگئے ہیں کہ یہ چہرے جھوٹوں کے نہیں ہوسکتے ہیں جو ہمارے سامنے پھر رہے ہیں ان کے چہرے مہروں سے ہی پہچان لیا کہ یہ حقانی چہرے ہیں، مرد حقانی کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور مرد حقانی کا چہرہ ہی بتلا دیتا ہے کہ یہ چہرہ سچے آدمی کا ہے اسکے چہرے سے سچائی برستی ہے تو سب سے پہلے ہمارا کردار اور عملی نمونہ درست ہونا چاہیئے اور پھر جذبہ ہو خدمت کا جو بھی ملے اسکی خدمت کریں اسمیں بڑائی چھوٹائی کا فرق نہیں ہونا چاہیئے آپ بڑے سہی مگر اپنے چھوٹوں کی خدمت کریں اس سے چھوٹوں کے دل میں عظمت بڑھے گی پھر یہ کہ چھوٹوں کو تعلیم ملے گی کہ بڑائی کا راستہ یہ ہے کہ آدمی چھوٹا بنے اس سے تعلیم کا طریقہ بھی معلوم ہوگا اور خدمت و خیر خواہی کا جذبہ بھی پیدا ہوگا۔

حضرت عمرؓ کی خدمت خلق کا ایک عجیب واقعہ

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ چلے جارہے تھے راستہ میں ایک جگہ دیکھا کہ ایک گھر میں چند بچے بلک بلک کر رو رہے ہیں اور انکی ماں نے ایک ہانڈی چولہے پر رکھ رکھی

ہے آپ نے اس عورت کو آواز دی اور دریافت فرمایا کہ یہ ہانڈی چولہے پر کیسی چڑھی ہوئی ہے اور یہ بچے کیوں رو رہے ہیں اس نے کہا کہ مجھ پر تین چار وقت سے فاقہ ہے ایک دانہ میرے پاس نہیں بچے بھوک کے مارے بلک رہے ہیں میں نے ان کو تسلی دینے کو ہانڈی میں پانی ڈالکر چولہے پر چڑھادی ہے کہ اسمیں کھانا پک رہا ہے تاکہ یہ سو جائیں اور رونا چھوڑ دیں، حضرت عمرؓ پر اثر ہوا کہ میری خلافت میں اتنے غربار موجود ہیں کہ کئی کئی وقت کے فاقے گذر گئے اسی وقت بیت المال میں تشریف لے گئے وہاں سے کچھ غلہ، کچھ آٹا، کچھ دال، کچھ اور چیزیں لیکر اپنی کمر پر لادکر اس بڑھیا کے گھر تشریف لاتے ہیں امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین ہیں جن کے نام سے دنیا کانپتی ہے اور دنیا کے سلاطین کانپتے ہیں اور وہ کمر پر لادکر غلہ بڑھیا کے گھر پہنچ رہے ہیں وہاں جاکر خود ہی چولہا جھونکا خود ہی آٹا گوندھا۔ اور پکانا شروع کیا۔ پھونک مارتے جاتے تھے اور چولہا دھونکاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ عمر تو قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے کیا جواب دے گا کہ تیری رعایا بھوکی مر رہی تھی اور تجھے خبر بھی نہ تھی، حضرت عمرؓ کے غلام اسلم ساتھ تھے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ جس وقت چولہے میں پھونک مارتے تھے میں دیکھ رہا تھا کہ حضرت عمرؓ کی گنجان داڑھی میں سے دھواں چھن کر جارہا تھا اور وہ بڑھیا کہہ رہی تھی کہ عمر کو لوگوں نے خواہ مخواہ خلیفہ بنادیا وہ اس قابل نہیں تھا تم اس قابل تھے کہ تم کو امیر المؤمنین بنایا جاتا۔ لوگوں نے بڑی غلطی کی کہ عمرؓ کو خلیفہ بنادیا جسے یہ بھی خبر نہیں کہ اسکی رعایا میں کتنے لوگ بھوکے مرتے ہیں بہر حال حضرت عمرؓ پکا کر ان کو کھلا پلا کر جب گھر واپس آئے تو اگلے روز سے ہی بیت المال سے ان کا وظیفہ مقرر کردیا تو افادۂ خلق اللہ میں چھوٹے بڑے کی رعایت نہیں آپ بڑے عالم ہی سہی لیکن خدمت کے وقت ایسے بن جاویں جیسے آپ سب سے چھوٹے ہوں کہ یہ ہی آپ کی بڑائی کی بات ہوگی اور یہ ہی آپ کو اونچا کرے گی۔

دعوت الی اللہ کے دو درجے

بہر حال دینی دعوت ہر مسلمان کے ذمے ہے اور اس دعوت کے دو درجے ہیں ایک تو تذکیر ہے کہ یاد دہانی کراؤ اور عمل سکھلاؤ وعظ سے تقریر سے، وہ تو اپنوں کے لئے ہے جیسے کہ تبلیغی جماعت ہے کہ گھروں سے نکال نکال کر مساجد میں لیجاتے ہیں اور دوسرے ملکوں میں لیجاتے ہیں تاکہ ان سے عمل کرائیں اور گھریلو آرام و راحت کی زندگی چھوڑ کر جفاکشی کی زندگی سکھلائیں دوسرا درجہ

یہ ہے کہ آپ عمل ایسا بنائیں کہ غیر بھی آپ کی طرف جھکیں اور خود طالب بنیں کہ ہمیں بھی یہ چیز سکھلائیں تو پھر غیروں کو بھی دعوت دینے کا موقعہ ملے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ۔ یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دے کر بھیجا۔ اور ہدایت یہ نہیں کہ محض عقلوں کو سونپ دیا ہو اور یہ کہدیا ہو کہ تم عقلمند ہو اسلئے تم خود بخود تجویز کر لو میں تو صرف عقلی رہنمائی کے لئے آیا ہوں ایسا نہیں بلکہ بالھدیٰ کے ساتھ ودین الحق بھی فرمایا ہے کہ سچا دین بھی لیکر آیا ہوں۔ یعنی طریقہ بھی بتلایا اور رہنمائی بھی فرمائی اور حق کا راستہ دکھلایا وجہ اسکی بیان فرمائی لیظھرہ علی الدین کلہ۔ تاکہ یہ دین تمام ادیان پر غالب آجائے اور چھا جائے اسلئے کہ یہ دین فطرت کے مطابق ہے اسکے اصول مصنوعی نہیں ہیں دنیا مجبور ہو کر اس کے اصولوں کھائے گی کیونکہ جو چیز فطرت کے مطابق ہوتی ہے اس کو ہر شخص ماننے پر مجبور ہوتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے۔ لا یبقی علی ظھر الارض بیت مدر ولا وبر الا ادخلہ اللہ بعز عزیز وذل ذلیل۔ یعنی زمین کی پشت پر کوئی کچا پکا اینٹ پتھر کا گھرانہ باقی نہیں رہے گا جس میں اسلام کا حکم داخل نہ ہو جائے گا۔ فیکون الدین کلہ للہ۔ راوی کہتے ہیں کہ پھر تو پورے عالم میں ایک ہی دین بن جائے گا یہ حدیث شرح کر رہی ہے آیت لیظھرہ علی الدین کلہ کی تمام ادیان پر یہ غالب آجائے گا اور اس نے غالب آنا شروع بھی کر دیا ہے یعنی لوگ خواہ زبان سے اقرار نہ کریں مگر عملاً اسلام کو اور اسلامی جزئیات کو قبول کرتے جا رہے ہیں۔

دین کو عملاً قبول کرنے کی صورتیں (۱) وراثت غیروں کی نظر میں

مثلاً بہت سی اقوام کے یہاں عورتوں کی میراث نہیں فقط لڑکوں کو میراث ملتی ہے ان عورتوں نے پارلیمنٹ کے اردگرد ایجی ٹیشن اور مظاہرے کئے کہ جس باپ کی اولاد لڑکے ہیں اسی باپ کی اولاد ہم بھی ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہمیں وراثت میں حصہ نہ ملے ا بخالہ گورنمنٹ کو جھکنا پڑا اور ماننا پڑا اور وراثت میں لڑکیوں کو حصہ دار بنایا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ لڑکیوں کی وراثت کا اصول یہ لوگ کہاں سے لاتے یہ تو صرف اسلام میں ہی تھا اور دوسرے مذہب میں بالکل نہ تھا یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جزو

اسلامی انہوں نے قبول کرلیا ایسے ہی اب تک عموماً حکومتوں کے اندر گدی نشینی چلی آرہی تھی مگر اسلام نے رکھا کہ اصلح قوم کا حاکم بنے یعنی جو شخص زیادہ صالح ہو اور قوم اسے زیادہ مانتی ہو اس کو امیر اور حاکم بناؤ اسی اصول پر آج ہر جگہ بادشاہت ختم ہو رہی ہے اور گدی نشینی باقی نہیں رہی الیکشن کے ذریعہ سے امیر اور صدر کا انتخاب ہوتا ہے بقول شخصے کہ اب دنیا میں صرف دو یا تین بادشاہ رہ گئے ہیں ایک شطرنج کا بادشاہ کہ وہ اس میں موجود ہے اور ایک انگلستان کا اور ایک ایران کا بادشاہ ورنہ سب ختم ہو گئے ہیں گو دوسروں نے وہ اسلامی اصول اپنے ملکوں میں رائج کرلیا جو اسلام کا تھا یعنی انتخاب کہ اس کے ذریعہ جو تم میں زیادہ قابل ہو اس کو منتخب کرو۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اسلام میں قابلیت کا معیار دیانت و دین و تقویٰ ہے اور علم اور مقبولیت عند اللہ ہے اور آج کا عوامی معیار دوسرا ہے مگر انتخاب کیا جاتا ہے خواہ معیار غلط ہو۔ پہلے یہ دستور تھا کہ عام ذہنوں میں متعین رہتا تھا کہ فلاں آدمی قوم میں بڑا متقی ہے اور ووٹنگ کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے جدھر ووٹ زیادہ آگئے اسی سے جان لیا جاتا ہے کہ لوگوں کا رجحان اسی طرف زیادہ ہے یہ طریقہ ہے انتخاب کا خواہ وہ غلط ہو خواہ صحیح اس کی بحث نہیں مگر اسلام نے جو اصول رائج کیا تھا کہ ملوکیت اور گدی نشینی ختم کر کے خلافت رائج کی تھی وہ اصول رائج ہو گیا اور آج اس اصول کو دنیا کی قومیں قبول کرتی جا رہی ہیں اور قبول کرنے پر مجبور ہیں اس کے علاوہ کوئی راستہ ہی نہیں نیز میراث کا مسئلہ قبول کیا

(۲) اسلام میں تعدد ازدواج اور غیر مسلموں کا سلوک

تعدد ازدواج کو غیروں نے بھی قبول کیا اور کمال تعجب یہ ہے کہ طعن بھی کرتے جا رہے ہیں اسلامی مسئلہ پر کہ تعدد ازدواج نہ ہو اور اس پر عمل بھی کرتے جا رہے ہیں آج بھی اس ملک میں بعض غیر مسلم خاندان ایسے ہیں کہ ایک ایک آدمی کے پاس سو سو بیویاں ہیں گویا اس کو فہرست رکھنی پڑتی ہے اپنی بیویوں کی، اکثر اوقات ان کا نام یاد نہیں رہتا ہے کہ کونسی بیوی کا کیا نام ہے اور یہ تک بھی یاد نہیں رہتا ہے کہ یہ بیوی میری ہے یا دوسرے کی کیونکہ جب سو بیویوں کا لشکر سامنے سے گذرے گا تو کیا پتہ چلے گا کہ کونسی اپنی ہے کونسی دوسرے کی ہے غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے تو آج بھی بعض خاندانوں میں ایک ایک کے پاس سو سو بیویاں موجود ہیں اور طعنہ اسلام پر کہ اسلام میں تعدد ازدواج ہے جنگ عظیم میں جب مقتولین کی تعداد پر جب

غور کیا تو تقریباً سات کروڑ کے قریب دونوں طرف سے آدمی قتل ہوتے۔ انکی عورتیں بیکار رہ گئیں بلا مردوں کے وہ بدکاری کرتی پھرنے لگیں ملک والوں نے مضامین شائع کئے اس بدکاری سے بہتر یہی ہے کہ تعدد ازدواج اختیار کیا جائے اور کئی کئی بیویاں رکھے تو طعنہ بھی کر رہے ہیں اور موافقت میں مضامین بھی شائع کر رہے ہیں اور عمل درآمد بھی ہوتا جا رہا ہے اور برا بھلا بھی کہتے جا رہے ہیں اور قبول بھی کرتے جا رہے ہیں گویا آج اندرونی طور پر اسلام داخل ہوتا جا رہا ہے آج عملی مشق ہو رہی ہے اور کل کو دل میں اعتماد بھی پیدا ہو جائے گا پھر پورے مسلمان بن کر دین میں داخل ہو جائیں گے اور یَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ ہو جائے گا۔

غلبۂ اسلام کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ کی پیشنگوئی

حضرت شاہ ولی اللہ نے پیشین گوئی ہے وہ تفہیمات الٰہیہ میں ان الفاظ سے فرماتے ہیں کہ وَالَّذِیْ اَعْتَقِدُ یعنی جس چیز کا میں یقین رکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر کسی مرحلے پر ہندوستان آزاد ہوا اور یہاں حکومت آئی تو یہاں کی اکثریت کے لیڈر دائرہ اسلام میں داخل ہو جائیں گے اور دوسرے سیاسی طور پر پیشین گوئی فرمائی ہے مثلاً جارج برناڈ شاہ نے پیشین گوئی کی ہے۔

اسلام کے متعلق جارج برناڈ شاہ پیشین گوئی

یہ جارج برناڈ شاہ یورپ کا بہت بڑا فلسفی اور فلاسفر ہے اور بہت بڑا ادیب بھی ہے قوم نے اس کے ادب کی اس درجے قدردانی کی ہے کہ اس کا ایک لکھا ہوا جملہ بازار میں نوٹ کی طرح سے چلتا تھا یعنی اگر ان کا ایک ادبی جملہ لکھ دیں تو جس دکان پر لیکر جاؤ روپیہ مل سکتا تھا اتنی زبردست قدردانی کی ہے قوم نے تو جارج برناڈ شاہ نے خود یہ پیشنگوئی کی ہے کہ میرا یقین ہے کہ سو سال کے اندر اندر پوری دنیا کا مذہب اسلام بن جائے گا۔

مذکورہ پیشین گوئیوں کی تائید میں حدیث رسول

اور حدیث میں یہ پیشین گوئی خود موجود ہے کہ لَا یَبْقٰی عَلٰی ظَهْرِ الْاَرْضِ بَیْتُ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ کَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِیْزٍ وَذُلِّ ذَلِیْلٍ روئے زمین پر کوئی کچا پکا گھرانہ باقی نہیں رہے گا جس میں اسلام کا کلمہ نہیں پہنچ جائے

گا۔ رغبت سے مانو یا مجبوراً اور مجبوراً کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا کہ مسلمان کسی کے گلے پر تلوار رکھیں گے اور کہیں گے کہ اسلام قبول کرو ایسا نہیں ہوگا کیونکہ اسلام میں اسکی ممانعت ہے صاف فرمایا لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ۔ کہ دین میں جبر نہیں ہوتا ہے اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ یعنی اے پیغمبر کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے اسلام قبول کرنے پر اس سے معلوم ہوا کہ دین منوانے میں جبر نہیں ہے پھر یہ جو فرمایا کہ رغبت سے مانو یا مجبور ہو کر یہ جبر تلوار کا نہیں ہوگا بلکہ اصول کا ہوگا کہ ہر فرقے کو کہیں پناہ نہیں ملے گی اگر ملے گی تو اسلامی اصول میں ملے گی جبکہ اس کو قبول کریں گے جب گدی نشینی میں پناہ نہیں ملی تو انتخاب کا اصول اختیار کیا۔ جب لڑکیوں کی میراث کی مخالفت میں پناہ نہیں ملی تو لڑکیوں کی میراث کا مسئلہ اختیار کیا تعدد ازدواج کا مسئلہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے اسی طرح مجبور ہو کر ہر اصول کو اختیار کرتے رہیں گے کیونکہ دین فطرت تو خود غالب آکر رہتا ہے۔

مسلمانو! انگلی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہو جاؤ

ایسے میں جبکہ طبیعتیں اسلام کی طرف مائل ہو رہی ہوں انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخل ہونا آسان بات ہے آپ دعوت کے لئے کھڑے ہو جاویں زمانے کو اللہ نے ساز گار رہنا دیا ہے آپ تھوڑی سی دعوت دیں گے تو بہت سے آدمی دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں گے اس زمانے میں یہ حلوائے بے دود ہے پچھلے زمانے میں تو بڑا مشکل تھا، تعصبات غالب تھے لوگ قبول نہیں کرتے تھے آج قلوب کی سلیٹ سے وہ تعصبات کی لکیریں مٹتی چلی جا رہی ہیں اور دنیا عالمگیر ہو رہی ہے گویا ایک خاندان کی طرح بن گئی ہے سواریاں ایسی کہ یورپ ایشیا، امریکہ سب ایک ہو گئے ہیں دنیا اتنی قریب آگئی ہے کہ صبح کی خبر شام کو اور شام کی خبر صبح کو آرہی ہے۔ سب جگہ وسائل نقل و حرکت اور وسائل علم و خبر اتنے پھیل گئے ہیں کہ ساری دنیا سمٹ کر ایک گھرانہ ہے تمدن اور معاشرت میں اشتراک پیدا ہو گیا ہے لہذا قدرتی طور پر دلوں میں سوال پیدا ہوگا کہ جب سب کا تمدن ایک ہوتا چلا جا رہا ہے اور پلیٹ فارم ایک ہوتا جا رہا ہے تو مذہب بھی ایک ہی ہونا چاہیئے اور دین مذہب بھی وہی ہوگا جس میں جامعیت ہو، اور جس میں فطرت نہ ہو، جس میں حد بندیاں نہ ہوں وہی دین پھیل سکے گا۔ اسلام کا پہلا اصول یہ کہ اس نے نفرت کو ختم کیا اور

فرقہ بندی کی جڑ کاٹی مگر لوگ پھر مبتلا ہو رہے ان افعال میں یہ ان فعل ہے اسلام نے اصولاً
ان چیزوں کو نکال دیا ہے لہٰذا اسی دین میں پھیلنے اور عام ہونے کی تمام شرائط موجود ہیں اسی
بنا پر ہر قسم کی پیشن گوئی اسی دین کے بارے میں ہے شرعی پیشینگوئیاں بھی ہیں اور سیاسی
لوگوں کی پیشن گوئیاں بھی ہیں کہ یہ ہی دین غالب ہو کر رہے گا تو پھر دین والے اگر اس دین کو
پھیلانے کی کوشش نہ کریں گے تو بد قسمتی کی بات ہوگی۔ اسلئے کہا گیا ہے کہ یہ تو حلوائے بہبود
ہے انگلی کٹا کر شہیدوں میں داخل ہو جاؤ تو اب ہر شخص اس بات کے پیچھے لگ جاتے کہ وہ ہر
شخص کو دعوت الی اللہ کی طرف لاتے گا۔ اپنوں کو بھی اغیار کو بھی جیسا موقعہ ہو اسی کے مناسب
لوگوں کو دعوت پیش کر دے۔

غلبۂ اسلام کے متعلق خداوند عالم کی شہادت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی
پیشینگوئی اور جارج برناڈ شاہ کے
صریح پیشینگوئی اور دوسرے لوگوں کے خیالات اور پھر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
کا ارشاد گرامی لَا یَبْقَیٰ عَلیٰ ظَھْرِ الْاَرْضِ الخ اور غلبۂ دین کے بارے میں اللہ رب العزت
کی شہادت ان سب سے ظاہر ہے کہ خداوند عالم کا منشا رسول کو دین حق دے کر بھیجنے سے
یہ ہی ہے کہ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ تو پھر یہ دین کیوں نہ غالب آتے گا جبکہ لوگوں کا عملاً
قبول کرتے چلے جانا وغیرہ یہ ایسے تمام نشانات ہیں جو بتلا رہے ہیں کہ یہ دین ایک نہ ایک روز ضرور
عالمگیر ہو جاتے گا۔ کہ تمام دنیا اسی دین کو قبول کرلے گی۔ اسی لئے فرمایا کہ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی
وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ اور اس کے بعد فرمایا کہ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدًا
یعنی اس پر اللہ اپنی گواہی ثبت فرما رہے ہیں کہ یہ ہی دین ہے جو پھیلے گا اور آگے فرمایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ
اللّٰہِ یعنی اللہ کی گواہی اور محمد کی رسالت، مطلب یہ ہوا کہ آپ اپنی رسالت کے ذریعے لے کر آتے
ہیں اور اللہ نے اپنی گواہی سے اس کا حق ہونا واضح اور ثابت فرمایا ہے جب اللہ گواہی دیں
سچ ہونے کی اور نبی آتے پھیلانے تو پھر اس کے ماننے میں کیا اشکال ہے سند اسکی مضبوط، روایت
درایت اسکی مضبوط اور کیا چیز مانع اور رکاوٹ ہے اس دین کے قبول کرنے میں اور پھر اللہ کے
رسول کو جو نعمت دی گئی ہے ان میں ایک بڑی نعمت یہ بھی ہے کہ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ

علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ
ورضوانا کہ آپ کے ساتھی کفر پر شدید اور آپس میں رحیم وکریم ہیں اور حال یہ ہے
ان کا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اور کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کا فضل اور خوشنودی کی جستجو
ان کا اہم مشغلہ ہے۔ رات دن اسی ٹوہ میں رہتے ہیں کہ ہم وہ کام کرتے رہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہم
سے خوش ہوجائے اسی نتیجے میں ان کو رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ کا خطاب ملا یعنی
اللہ تعالیٰ صحابہ کرام سے خوش ہوگئے دنیا میں اور آخرت میں بھی تو بہت بڑی نعمت ہے جو حضور
کے صدقے اور طفیل میں صحابہ کو ملی اور سلسلہ بسلسلہ ہم تک پہنچ رہی ہے مگر ملے گی ان کو جو اللہ
کا فضل تلاش کر کے ایسے کام کریں گے جن سے اللہ خوش ہوجائیں۔

اللہ نے حضورؐ کو اور صحابہ کو منتخب فرمایا اور ہر ایک صحابی کسی نہ کسی نبی کی نسبت پر ہے

ان مذکورہ اوصاف ہی کے نتیجے میں آپ نے فرمایا کہ سارے انبیاء کے صحابہ میں میرے
صحابہ منتخب ہیں اور سارے زمانوں میں میرا زمانہ منتخب ہے اور تمام خاندانوں میں میرا خاندان
منتخب تمام ذوات میں میری ذات منتخب، تو صحابہ بھی منتخب کر لئے گئے جو نبی کے ساتھ کمال
مناسبت رکھتے تھے اور دین چونکہ جامع ہے اور تمام ادیان کا خلاصہ اور نچوڑ ہے اسلئے صحابہ میں
ہر نوعیت اور ہر نسبت کے افراد موجود ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ بعض روایات میں انبیاء کی تعداد
ایک لاکھ چوبیس ہزار آتی ہے اور صحابہ کی تعداد بھی اتفاق سے ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے تو گویا ایک
ایک صحابی ایک ایک نبی کی نسبت پر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت جلالی ہے حضرت عمرؓ کو
دیکھا جائے تو انمیں جلال موسوی نظر آئے گا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان جمالی ہے۔ حضرت ابوذر
غفاری کو دیکھا جائے تو وہ عیسائے امت ہیں اور ان کے بارے میں فرمایا بھی گیا ہے کہ ابوذر غفاریؓ
عیسائے امت ہیں۔ صدیق اکبر کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ نسبت ابراہیمی پر ہیں یعنی وہ انداز
ہے ان کے قلب کا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کا تھا یعنی سلامتی کا۔ تو ہر ہر صحابی ایک
نسبت لئے ہوئے معلوم ہوتا ہے اور نبی کریم جامع النسبت ہیں کہ ساری وہ نسبتیں جو انبیاء کو دی
گئی تھیں وہ ایک ذات بابرکات میں جمع کر دی گئیں یہ نسبتیں اوپر کی طرف منعکس ہوئیں تو انبیاء

علیہم الصلوٰۃ والسلام میں پہنچیں اور نیچے آپ کے صحابہ میں تعلیم و تربیت سے وہ ساری نسبتیں پھیلیں اور پھر بعد میں درجہ اپنی نسبتوں کو لیے ہوئے بزرگ و مقدس ہستیاں پیدا ہوتی رہیں اور امت میں وہ سلسلہ برابر بدلتا رہا بعض اولیاء اللہ جلالی شان رکھتے ہیں اور بعض جمالی شان رکھتے ہیں اور بعض اعتدالی شان رکھتے ہیں غرض اولیاء اللہ کی نسبتوں کے رنگ مختلف ہیں مگر سب کی نسبتیں جا کر ختم ہوتی ہیں ذات بابرکات پر اور وہیں سے یہ سلسلہ چلا بھی ہے تو حضور جامع کمالات اور جامع نسبت ہیں اور آپ ہی کی تعلیم و تربیت سے ان نسبتوں کے رنگ اور کمالات پیدا ہوئے حضرات صحابہ میں تو ذات بھی اللہ نے یکتا پیدا کی اور ذات کے جو مصاحبین اور اصحاب ہیں وہ بھی یکتا پیدا کئے اور دین بھی آپ کو جامع دیا۔ یہ دین لاوارث اور بے حجت نہیں ہے بلکہ سکہ ہے جو منظور شدہ ہے حکومت خداوندی میں ہر ملک میں چلنے والا ہے بشرطیکہ چلانے والے موجود ہوں۔

طلباء دین صورۃً مساکین ہیں مگر قلوباً سلاطین ہیں

بہرحال میں نے یہ عرض کیا کہ دین بھی جامع پیغمبر بھی جامع صحابہ بھی جامع اور جہاں یہ جامعیت دین حاصل ہوتی ہے وہ ہیں ہمارے مدارس اسلامیہ کیونکہ ان میں اسی دین کی تعلیم و تبلیغ ہوتی ہے اور قوانین و اصول شریعت سکھائے جاتے ہیں اور نائبانِ رسول پیدا کئے جاتے ہیں جن میں نبی کریم کی وراثت آئے اور ادب والے ثابت ہوں نبی کریم اور درحقیقت یہ مدارس اسلامیہ دیکھنے میں تو بہت ہی حقیر سے نظر آتے ہیں یونیورسٹیوں کو دیکھو لاکھوں کے سامان لاکھوں کی عمارتیں موجود ہیں اور یہ مدارس بہت معمولی مگر حقیقت میں معنویت ان ہی کے اندر ہے ان مدارس میں پیدا ہونے والے ظاہر میں مساکین مگر قلوب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ سلاطین ہیں۔ صورت طالب علموں کی مسکین کی سی ہوتی ہے لیکن اگر صحیح معنوں میں طالب علم ہے تو وہ سلاطین کا علم رکھتا ہے اس کے اندر غنا اور استغناء، علو مرتبت اور غنا نفس یہ سب چیزیں ہوتی ہیں بشرطیکہ وہ طالب علم ہو۔ اور ذی استعداد ہو وہ کسی کے بس کا نہیں ہے

حضرت عالمگیر اور ایک طالب علم کا دلچسپ واقعہ

ایک مرتبہ حضرت اورنگ زیب عالمگیرؒ دلی میں اپنے مثمن برج

ہیں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک طالب علم گذرا، طالب علم ہوتے ہی ہیں ایسے الول جھلول کہ
جوتیاں چٹکھاتے جا رہے ہیں کتاب بغل میں لباس پھٹا ہوا۔ اورنگ زیب نے وزیر سے
کہا یہ کون ہے جو جا رہا وزیر نے تحقیر آمیز لہجے میں تعارف کرایا کہ یہ ایسی قوم کا فرد ہے کہ جو نکمی
ہے اور بیکار قوم ہے یعنی مولوی کی قوم، تو عالمگیر چونکہ خود عالم تھے اس لئے وہ جانتے تھے
اہل علم کی قدر و منزلت، انہوں نے کہا کہ اگر یہ سچا طالب علم ہے اور واقع میں طالب علم ہے
تو تم جیسوں کو بازار میں بیچ آئے گا اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی یہ تمہارے بس کا نہیں ہے وزیر نے
کہا کہ حضور یہ خوش اعتقادی ہے بادشاہ نے کہا کہ اچھا امتحان کر چوبدار کو بھیجا کہ اس طالب
علم کو بلالاؤ۔ وہ چوبدار اس طالب علم کے پاس پہونچا اور کہا کہ تم کو جہاں پناہ یاد کرتے
ہیں طالب علم اس کے ساتھ ہولئے۔ حلیہ یہ کہ پگڑی بھی پھٹی ہوئی اور کپڑے بھی بلیسے ہی اور
تمام لباس گرد آلود اور کتاب بغل میں اور ایسے الول جھلول مگر وہ طالب علم ذی استعداد
تھا بہرحال وہ پیش کئے گئے بادشاہ کے سامنے۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھا امتحان کرو
تاکہ میری بات کی صداقت ظاہر ہو۔ تو اب وزیر اعظم نے کچھ سوالات کرنے شروع کئے
مگر الجھے سوالات کہ جو نہ کتاب سے تعلق رکھتے ہیں اور نہ علم سے ادھر ادھر کے سوالات کئے جسے
انٹرویو کہتے ہیں جس سے ذہن کا اندازہ کرنا مقصود ہوتا ہے اور وزیر اعظم نے سوال یہ کیا کہ میاں
صاحبزادے یہ جو حوض ہے جہاں جہاں پناہ بیٹھے ہوئے ہیں اسمیں کتنے کٹورے پانی ہوگا
اب ظاہر بات ہے کہ یہ کوئی علمی سوال تو تھا نہیں کہ جس کا جواب دیا جاتا صرف اتنا کہہ دینا
کافی تھا کہ مجھے کیا خبر ہے کہ اسمیں کتنے کٹورے پانی ہوگا۔ چونکہ طالب علم ذہین تھا اسلئے
اس نے یہ کہا کہ حضور کٹورہ متعین کر دیجئے اگر حوض کا آدھا کٹورہ ہے تو اسمیں دو کٹورے پانی ہے
اگر تہائی ہے تو تین کٹورے پانی ہے اور اگر چوتھائی ہے تو چار کٹورے پانی ہے تو کٹورے کی
مقدار آپ متعین کر دیں۔ پھر میں بتلا دوں گا۔ یہ جواب سنکر بادشاہ ہنسیں رہے ہیں اور وزیر
چپ ہیں بس یوں کہیئے کہ سارے سوالوں کو اسی پر لوٹا دیا ہے۔ اس کے بعد اس سے وزیر اعظم
نے کہا کہ میاں صاحبزادے یہ تو بتاؤ اس زمین کا بیچوں بیچ کہاں ہے کہ اگر چاروں طرف خط کھینچے جاویں
تو وہ خط برابر چلے جاویں وہ طالب علم کونسا ناپنے گیا تھا زمین کو مگر ملا آں باشد کہ چپ نہ شود

طالب علم ذہین تھا اس نے اپنی ذہانت سے کام لیا اپنی پگڑی اتاری اور زمین کو ناپنا شروع کیا چار گز ادھر سے چار گز ادھر سے اور وہاں کھونٹی گاڑی اور وہاں نشان لگایا اور چاروں طرف سے تھوڑی تھوڑی ناپ کر بیچ میں ایک کھونٹی گاڑدی اور کہا کہ یہ ہے زمین کا بیچ اگر یقین نہ آئے تو زمین کو اس کے چاروں طرف سے ناپ لو۔ اگر کچھ کمی بیشی ہو تو پھر مجھ سے ذکر کیجئے گا وزیر اعظم یہ بات سن کر حیرت اور تعجب کیوجہ سے چپ ہیں اور جہاں پناہ نے منہ پر رومال رکھ کر ہنسنا شروع کیا اور کہا اچھا پھانسا ہے وزیر اعظم کو وہ سمجھ رہا تھا کہ میں اسے چت کرلوں گا حالانکہ اسکی اسے چت کرلیا مگر اس قسم کی گفتگو وہی طالب علم کرسکتا ہے جو ذہین وفطین بھی ہو اور صفت غنا سے بھی متصف ہو

مدارس اسلامیہ کا مقصد حقیقی دعوت الی اللہ

تو ہمارے یہ مدارس دیکھنے میں تو بہت چھوٹے معلوم ہوتے ہیں مگر موتی اور ہیرے ان ہی سے پیدا ہو کر نکلتے ہیں جو داعی بن کر دنیا کے سامنے جاتے ہیں جو اصل غرض وغایت ہے ان کے قیام کی اور خیر ہمارا یہ مدرسہ باقیات الصالحات تو ماشاءاللہ ظاہر میں بھی بہت اونچا ہے اسکی عمارتیں دیکھو تو معلوم ہوگا جیسے وائسرائے کی کوٹھی ہو یہ عمارت کے لحاظ سے بھی بہت اونچا ہے مگر عامۃً مدارس میں معمولی عمارتیں ٹوٹی چٹائیاں ہوتی ہیں مگر جو اس پر صحیح طور پر بیٹھ کر پڑھ کر فارغ ہوں دماغ ان کا بادشاہوں جیسا ہوتا ہے قلب ان کا اونچا ہوتا ہے اب یہ کہ طالب علم ہی محنت کرکے نہ پڑھے یا استاد ہی محنت کرکے نہ پڑھائے تو وہ قصور طالب علم کا یا استاد کا ہے اگر طالب علم نے بھی محنت سے پڑھا ہے اور استاد نے بھی محنت کرکے پڑھایا ہے اور تعلیم وتربیت کی ہے تو ان ہی پھٹے پرانے کپڑوں میں لعل نکلتے ہیں اور ان گدڑیوں میں ہی ہیرے اور جواہرات پیدا ہوتے ہیں تو بہر حال اصول اسلام اور دین کے ایسے ہیں لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ضرور مرتب ہو کر رہے گا۔ اور دین ضرور غالب ہو کر رہے گا پہنچانے والے صحیح ہونے چاہئیں اور دل میں جذبہ ہو اور اپنے اپنے درجے اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق ہر ایک کوشش کرے تعلیم اپنی جگہ ہے وہ مدارس میں ہونی چاہیئے اور تربیت اپنی جگہ ہے وہ خانقاہ میں ہونی چاہیئے اور دعوت اپنی جگہ ہے اسمیں خانقاہ اور مدارس سب برابر ہونے چاہئیں مشائخ بھی دعوت

الی اللہ کے لئے اسی درجے آگے بڑھیں اور علماء بھی اسی درجے آگے قدم بڑھائیں اور محض علماء اور مشائخ کا ہی ذمہ نہیں ہے بلکہ عوام کا بھی یہ ذمہ ہے کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ میں مشائخ کی تخصیص ہے نہ علماء کی بلکہ پوری امت کو کہا گیا ہے کہ وہ خیر امت ہے تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر کہ تمہارا کام ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو ان مدارس سے حقیقی غرض دعوت الی اللہ ہے کہیں تعلیم سے کہیں تبلیغ کے ذریعہ کہیں وعظ کے ذریعہ کہیں تصنیف کے ذریعہ مگر ہونی چاہیئے دعوت اور یہ دعوت اپنوں میں اور غیروں میں سب میں عام ہونی چاہیئے کسی خاص طبقے تک محدود نہ رہے۔

جشن صدسالہ پر حضرت حکیم الاسلام کی طرف سے اہل مدرسہ کو مبارک باد اور ایک صدی گذرنے پر انقلاب حالات پر مختصر کلام

بہر حال میں اہل مدرسہ اور اہل جلسہ کو مبارکباد دیتا ہوں اس سو سالہ جوبلی پر جو انہوں نے منائی ہے اور صد سالہ جشن کیا الحمد للہ کہ اللہ نے اس جشن کو کامیاب بنایا اور اس سے دین کی تجدید ہوئی اور یہ ایسا ہی ہو گیا جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ مِنْ کُلِّ مِاءَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا کہ اللہ تعالیٰ ہر قرن میں اور ہر صدی میں ایک نہ ایک مجدد ضرور بھیجتا ہے جو دین میں نکھار پیدا کرتا ہے اور دین کو تازہ بنا دہ کر دیتا ہے لوگوں میں جہالت کی وجہ سے جو بدعات، خرافات منکرات پیدا ہو جاتے ہیں مجدد اگر ان کو نکھارتا ہے اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ کر دیتا ہے سنت کو بدعت سے ممتاز کر دیتا ہے حق کو باطل سے الگ کر دیتا ہے عقائد حقہ کو عقائد باطلہ سے الگ کر دیتا ہے اللہ نے ہر صدی میں ایسی شخصیت کے بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ایک صدی درحقیقت مقدار ہوتی ہے ایک طبقے کے لئے یعنی سو برس کے اندر اندر بنی آدم کا ایک طبقہ ختم ہو جاتا ہے دوسری صدی میں دوسرا طبقہ شروع ہو جاتا ہے عمریں اس امت کی اوسطاً ساٹھ ستر کے لگ بھگ ہوتی ہیں حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اعمار اُمَّتِیْ مَا بَیْنَ السِّتِّیْنَ وَالسَّبْعِیْنَ میری امت کی عمریں ساٹھ ستر کے درمیان ہونگی اب کوئی آدمی ستر سے تجاوز کر جاتا ہے تو کوئی ساٹھ سے بھی کم ہی رہ جاتا ہے مگر اوسط اگر امت کی عمروں کا یہ ہی کہتا ہے کہ امت کی عمریں ساٹھ ستر کے درمیان ہیں بہر حال سو برس کے اندر اندر ایک

نسل ختم ہو جاتی ہے اور دوسری نسل آکے دنیا کو سنبھالتی ہے اور یہ ایک طبعی بات ہے کہ ہر سو برس کے بعد جب دوسری نسل آتی ہے تو فکر بھی بدلتا ہے نظریات بھی بدلتے ہیں۔ اس میں اندیشہ تھا کہ کہیں نئے نظریات میں دین ضائع نہ ہو جائے. نظریات مل ملا کر دین وغیر دین مخلوط نہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے ہر صدی اور قرن کے شروع میں مجدد آئے تاکہ نئے نظریات قائم ہونے کے وقت دین کو سنبھالے اور دین کو نکھار کر پیش کرے اور ان نئے نئے نظریات کا اثر دین پر نہ آنے دے۔ اور دین کو پھر دنیا کے سامنے پیش کرے اسلئے ہر صدی پر اللہ نے مجددین کو بھیجنے کا وعدہ فرمایا ہے. تو آپ کے مدرسے پر ایک صدی گذر گئی اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک علمی نسل پوری ہو کر دوسری نسل کا اسمیں آغاز ہوا. لہٰذا جشن منانے کا مطلب ہے تجدید علم کی اور تجدید مدرسے کے افکار کی تجدید مدرسہ کے منصوبوں کی تو گویا سو برس کے اندر اندر آپ تجدید کر رہے ہیں ان منصوبوں کی جو بانیوں نے سامنے رکھے تھے. وہ حضرات جن منصوبوں پر اس درسگاہ کو قائم کر کے گئے ہیں ممکن ہے ہماری طرف سے ان میں کچھ سستی ہوئی ہو کچھ خلط ملط ہوا ہو. اس جشن کے بعد پھر تجدید ہو جائے گی اور وہی مقاصد پھر سامنے آجائیں گے جو بانیوں کے تھے. تو پھر یہ مدرسہ جو بشکل دارالعلوم ہے نو بہ نو ہو جائے گا. تو آپ کے اس جشن کو ایک گونہ تشبیہ حاصل ہو گئی تجدید دین سے کہ وہاں بھی سو برس کی قید ہے اور آپ بھی مدرسہ کا جشن مبارک سو برس میں منا رہے ہیں جس کے ذریعہ مجدد یہ ہو رہی ہے اور ایک نئی امنگ پیدا ہو رہی ہے علم کو تازہ کرنے کی اور اگر ایسے جشن منائے جاتے رہیں تو ایسے لوگوں کے دلوں میں بھی امنگ پیدا ہوتی رہے گی جو علم سے بیگانے ہیں اور اس کے پاس تک نہ آتے ہیں اور نہ آنے دیتے ہیں بلکہ اس علم دین کو فضول جانتے ہیں اسطرح سے یہ جلسے جلوس ذریعہ بن جائیں گے علم کے پھیلنے کا اور لوگوں تک بات پہنچانے کا. اور دعوت الی اللہ دینے کا رستہ کھل جائے گا. اسلئے یہ آیت میں نے تلاوت کی تھی اور طالب علمانہ انداز میں جو باتیں میرے ذہن میں آئیں وہ میں نے عرض کر دیں۔

دعا:- حق تعالیٰ شانہ اس مدرسہ جیسا کہ یہ مرکزی مدرسہ ہے اس مرکز کی شان کے مطابق آئندہ اس کا کام لے لے. اور مرکزی طور پر ہی اس کے علوم و کمالات پھیلیں اور اس کے اساتذہ

کے ذریعہ سے علم اور اخلاق کی ... خدمت ہو اور قوم بلند ہو اور علم نبوت دنیا کے اندر پھیلے، اور حق تعالیٰ شانہٗ اس جشن کو اسلام کی طرف مائل ہونے کا ذریعہ بنا دے ان طبقات کے لئے بھی جو علم سے ناآشنا ہیں اور اللہ رب العزت ہمیں اور آپ کو اور اہل مدرسہ کو اور ہم سب کو علم و عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارا انجام بخیر فرمائے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَّعَمَلًا صَالِحًا وَّرِزْقًا وَاسِعًا وَّشِفَاءً مِّنْ كُلِّ دَاءٍ وَّحُسْنَ الْخَاتِمَةِ وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ وَاَلْحِقْنَا بِالصّٰلِحِيْنَ غَيْرَ خَزَايَا وَّلَا مَفْتُوْنِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ؈

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ
حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ
سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
کی وفیات پر تعزیتی تقریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بزرگانِ محترم! اس وقت مجھے کوئی تقریر کرنا یا وعظ کہنا مقصود نہیں۔ نہ ہی یہ جلسہ اس غرض کے لئے منعقد کیا گیا ہے فی الحقیقت یہ جلسہ بھی نہیں۔ جمعہ پڑھنے کے لئے لوگ جمع ہوگئے ہیں۔ میں بھی اسی سلسلہ میں حاضر ہوا لیکن چونکہ لاہور میں اس سال قریبی مدت میں دو عظیم حادثے پیش آئے اور دو ربانی عالم اس دنیا سے اُٹھ گئے جو ہم سب کیلئے بیحد صدمے، انتہائی قلق اور دُکھ کی بات ہے۔ اسوقت میری غرض صرف اسی سلسلے میں اپنے دُکھ درد کا اظہار کرنا ہے اور کلمات تعزیت پیش کرنے ہیں۔

اگر کسی گھرانے میں سے کوئی بڑا اُٹھ جاتا ہے تو عرصہ دراز تک گھر کا نظام ٹھیک نہیں بیٹھتا۔ اسی طرح کسی جماعت یا کسی اجتماع کا کوئی ذمہ دار اُٹھ جائے تو عرصہ دراز تک لوگ اسکی جدائی کو محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح ایک عالم ربانی فی الحقیقت اپنے حلقہ میں بمنزلہ روحانی باپ کے ہوتا ہے اور جتنے لوگ اس کے زیر تربیت یا زیر تعلیم ہوتے ہیں وہ بمنزلہ روحانی اولاد کے ہوتے ہیں۔ روحانی سلسلہ میں کسی عالم کا گذر جانا ایسا ہی ہے جیسے مادی سلسلوں میں کسی گھرانے کا باپ گذر جائے اور اولاد یتیم رہ جائے۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ فی الحقیقت دین کے دو زبردست ستون اور رکن تھے۔ ان کا اُٹھ جانا کوئی معمولی حادثہ نہیں ہمارے دل بے چین ہیں، دماغ مضطرب ہیں اور قدم قدم پہ ان کی کمی صاف محسوس ہو رہی ہے۔

یہ کلماتِ تعزیت جو میں عرض کر رہا ہوں درحقیقت یہ ان کی وفات پر تعزیت نہیں کیونکہ وفات یا موت غم کرنے کی چیز نہیں۔ دنیا میں دو چیزیں ایسی ہیں جن پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے ایک کسی شئے کی ابتداء۔ اور دوسری انتہا۔ یہ دونوں ہی چیزیں غمی کا باعث نہیں ہوتیں بلکہ خوشی کا موجب ہوتی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ابتداء میں خوشی مقاصد کے

پورا ہونے کی توقعات پر کی جاتی ہے اور انتہا میں تکمیل مقاصد پر فرحت حاصل ہوتی ہے کہ آج وہ مقصد پورا ہوگیا۔ تو نہ ابتداء غم کی چیز ہوئی نہ انتہا غم کی چیز۔

آپ ایک باغ لگاتے ہیں عادت یہ ہے کہ پہلے پودا لگائیں تو جماعت جمع کرتے ہیں، اعزاء واقارب کو دعوت دیتے ہیں مٹھائی تقسیم کرتے ہیں، خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ بیج ڈالا جا رہا ہے ابھی کسی چیز کا وجود نہیں پھر خوشی کس بات کی۔ خوشی محض اس توقع پر ہوتی ہے کہ ہم درخت لگا رہے ہیں۔ چند سال کے بعد اس سے پھل آئے گا اور ہم اس سے منتفع ہوں گے۔

دو چار یا پانچ سال کے بعد جب باغ پھل لاتا ہے تو پھر خوشی اس بات کی ہوتی ہے کہ ہمارا وہ مقصد پورا ہوگیا جس کی ہم نے ابتداء کی تھی۔ اسی طرح جب ایک بچہ پیدا ہوتا ہے تو دستور یہ ہے کہ لوگ خوشی کرتے ہیں لوگوں کو جمع کرتے ہیں مٹھائی تقسیم کرتے ہیں لوگوں پر مسرتوں کا اظہار کرتے ہیں اور توقعات باندھتے ہیں کہ لڑکا بڑا ہوگا، اس سے ہمارے مقاصد پورے ہوں گے، یہ ہماری شادمانی کا موجب بنے گا۔ اور اسی طرح کئی اُمیدیں اسکے ساتھ وابستہ کر لیتے ہیں۔ یہ سب باتیں خوشی کی ہیں ۔ اسی طرح جب کوئی گذر جائے تو موت غم کی چیز نہیں ۔ موت کے معنی ہیں اکمال اور تکمیل کے۔ ابتداء میں جو چیز بچہ سے وابستہ تھی وہ موت کے ساتھ مکمل ہوگئی۔ سو اب موت قاطع نہ ہوئی کہ کسی چیز کو توڑ دے یا قطع کر دے بلکہ جو حالات مرنے والے سے متعلق تھے وفات سے ان کی تکمیل ہوگئی۔

اگر ایک شخص کا ایمان پر خاتمہ ہوگیا تو خوشی اس لئے ہے کہ اب کوئی تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں جو ہونا تھا سو ہوگیا اسمیں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اور اگر کسی شخص کا کفر پر خاتمہ ہوا ہو اس میں بھی تغیر و تبدل نہیں ہوگا۔ موت ہر حالت میں مکمل ہے یا کفر کی تکمیل کرے گی یا ایمان کی۔ فسق و فجور کی تکمیل ہوگی یا تقویٰ و طہارت کی ۔ لفظ تکمیل خوشی کا باعث ہے غمی کا نہیں۔

پھر بھی اگر ہم مرنے والے پر غم کرتے ہیں تو وہ اپنی جدائی کا صدمہ محسوس کرتے ہیں اسکی موت کا نہیں واقعہ یہ ہے کہ ہم فوائد و برکات سے محروم ہوگئے یہ غم ہماری خودغرضی

پر مبنی ہے ہم اپنی محرومی کا رونا رو رہے ہیں۔ اصل میں موت کی غمی کوئی چیز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عن عبداللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحفة المومن الموت (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(ترجمہ) مومن کا سب سے بڑا تحفہ موت ہے۔

موت ایک پل ہے کہ جس سے گذر کر آدمی اپنے محبوب حقیقی تک پہونچتا ہے ظاہر ہے محبوب حقیقی تک پہونچنا غمی کی بات نہیں انتہائی خوشی کی چیز ہوتی ہے جو چیز محبوب حقیقی تک پہنچنے کا ذریعہ بنے اس سے بڑھکر باعث مسرت اور کیا شئے ہوسکتی ہے، یہ تو نہایت ہی خوشی اور مسرت کی بات ہے اور بعض اوقات تو اس موت پر جو کسی مبارک وقت میں مقدس مقام پر یا نیک مقصد کی خاطر آئے آدمی کے پسماندگان اور وارثوں کو تسلیاں دی جاتی ہیں۔

موت اگر پاکیزہ زمانے میں ہوئی ہو تو آپ کہا کرتے ہیں بھئی خوش ہونے کا مقام ہے۔ مرنا تو یقینی تھا لیکن دیکھا رمضان شریف کے مہینہ میں موت آئی۔ جمعہ کے دن موت آئی۔ یہ تو خوش قسمتی کی بات ہے۔ اور اگر کسی شخص کا انتقال مکہ معظمہ میں ہو جائے یا مدینہ منورہ کی زمین اُسے نصیب ہو جائے تو آپ ہی کہا کرتے ہیں۔ میاں روتے کیوں ہو خوش ہونے کا مقام ہے کہاں ایسی قسمت تھی کہ مدینہ کی زمین نصیب ہو۔ اسکی معلوم ہوتا ہے کہ مرنا کوئی غم کی چیز نہیں وہ تو تقدیر ہے جو ایک مقصد لے کر انسان کھڑا ہوا تھا اُسے پورا کر دیا۔

ایک عالم ربانی۔ اس کا سب سے بڑا مقصد ہوتا ہے دین کا پہونچانا اور دین پر لوگوں کی تربیت کرنا مرتے دم تک وہ اسی تگ و دو میں رہتا جس قدر لوگوں کی تربیت اس کے ہاتھ پر مقدر تھی موت کے وقت اسکی تکمیل ہو جاتی ہے کتنوں کو اس نے عالم بنایا اور کتنوں کو کامل کر کے تکمیل تک پہونچایا اب کامل بننا بھی غم کی چیز نہیں پس غم صرف یہ ہے کہ جو ہستی آج ہم سے جدا ہو گئی ہم اسکی صورت دیکھنے سے محروم ہو گئے اس کے فیوض و برکات ہم سے اُٹھ گئے۔ تو رونا اپنا ہوتا ہے جانے والے کا نہیں۔

بہر حال اگر ہم بھی آج حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا غم کر رہے ہیں تو وہ ان کا غم نہیں وہ تو الحمد للہ اپنے مقصد کو پاچکے اور جیسا کہ اللہ کی ذات سے توقع ہے وہ تو یقیناً اعلیٰ مقامات میں ہیں۔ امام محمدؒ کی جب وفات ہوئی تو بعض عارفین نے خواب میں آپ کو دیکھا اور پوچھا: "آپ کے ساتھ حق تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا؟" فرمایا کہ مرنے کے بعد میری پیشی ہوئی حق تعالیٰ کے سامنے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: "اے محمد! میں نے تجھے بخش دیا۔" اس کے بعد یہ جملہ فرمایا۔

"اگر تجھے بخشنا نہ ہوتا تو اپنا علم تیرے سینے میں کیوں ڈالتا میں نے علم دیا ہی اس لئے تھا کہ تجھے مقبول بنانا تھا۔ تیری مغفرت کرنا تھی۔"

تو آج اگر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اعلیٰ ترین مقامات پر پہونچ گئے ہیں خدا نے ان کے سینے میں قرآن وحدیث کا علم ڈالا تھا وہ اس لئے نہیں ڈالا تھا کہ معاذ اللہ ان کو رسوا کرنا تھا وہ اس لئے ڈالا تھا کہ علم عظمت کی چیز ہے۔ خدا کے ہاں انشاء اللہ ان کے مقامات بہت بلند ہیں جس عالم دین نے ساری عمر تقویٰ وطہارت پر بسر کی، افادے سے بسر کی، لوگوں کی تربیت کی، لوگوں کو دین پہونچایا، علم پہونچایا۔ تو اللہ کے ہاں یہ خدمت رائگاں نہیں جاتیں۔ یہ اس لئے کرائی گئیں کہ وہ سربلند رہیں اور اونچے مقامات پر پہونچیں۔ آج ان کا غم نہیں انھیں تو جانا ہی تھا۔ موت ایسی چیز ہے کہ وہی تشریف نہیں لے گئے ہمیں بھی ایک روز جانا ہے غم کی اس میں کوئی بات نہیں اور اگر وہ غم کی چیز ہے تو ہمیں اپنی موت کا غم کرنا چاہیئے کہ پتہ نہیں کب آجائے۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ موت غم کی چیز نہیں غم جدائی کا ہوتا ہے جس سے ہم پریشان ہوتے ہیں رنجیدہ ہوتے ہیں اور ایک حد تک تو یہ پریشانی بھی اسوجہ سے ہے کہ ان کی مقدس صورت آنکھوں کے سامنے نہیں لیکن ان کی حقیقت آج بھی موجود ہے۔ عالم جب دنیا سے گذرتا ہے تو اسکی ذات گذرتی ہے اس کا علم نہیں گذرتا۔ علم تو آج بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا اسی طرح محفوظ ہے جس علم کو انہوں نے دوسروں میں ڈالا، دوسروں

کی تربیت کی وہ ان کو سیدھے سچے راستے پر ڈال گئے جب تک چلنے والے اس راہ پر چلتے رہیں گے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی حیات ہی سمجھی جائے گی. حدیث شریف میں آتا ہے چند چیزیں صدقہ جاریہ ہیں ان کا اجر ابدالآباد تک ملتا رہے گا. ان میں مختلف چیزیں فرمائی ہیں مثلاً کوئی شخص کنواں بنوادے، تالاب، سرائے یا مسجد بنوادے ان میں سے ایک نیک اور صالح اولاد بھی ہے اولاد جس قدر صالح اور متقی ہوگی دوسروں کو نیکی کی راہ پر چلائے گی. اس کے ذریعہ سے لوگوں تک جو علم پہنچے گا جتنا ان سب کو اس کا ثواب ملے گا اتنا ہی باپ کو بھی ثواب ملے گا. حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنی روحانی اولاد اور علمی ذریت پیچھے چھوڑی ہے وہ فی الحقیقت جتنا کام کرے گی جتنا اجر ان کو ملے گا اتنا ہی حضرت مولانا کو اس کا اجر ملے گا.

ان کے جانے کے بعد بھی ہم ان کے فیوض سے محروم نہیں لیکن آپ کی صورت زیبا نہیں مقدس شکل آنکھوں سے اوجھل ہے صورت بھی تذکیر کا باعث بنتی ہے اللہ والوں کی صورت دیکھکر بھی خدا یاد آجاتا ہے بیشک اس میں تو محرومی ہوگئی ان کو دیکھ کر جو جذبہ ہم اپنے اندر پیدا کرتے تھے اس سے محروم ہوگئے لیکن جو ترکہ وہ چھوڑ گئے ہیں وہ علم و معرفت اور فضل وکمال کا ترکہ ہے، حق راہ کا ترکہ ہے بحمداللہ وہ موجود ہے. خدا تعالیٰ نے انھیں صالح اولاد دی اور توقع ہے کہ وہ اس ترکہ کو آگے چلائے گی ان کا مشن آگے بڑھائے گی. یہ کام روحانی اولاد بھی کرتی ہے اور جسمانی بھی مگر جسمانی اولاد سے توقعات زیادہ ہوتی ہے کیونکہ جو مناسبت مزاج اور افتاد طبع کے لحاظ سے خود اپنی اولاد کو ہوتی ہے وہ دوسرے عزیزوں میں اس درجہ کی نہیں ہوتی وہ خود تھوڑا سا کام بھی کریں تو آگے بڑھ جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی وحی الٰہی اور وحی خداوندی کے مقاصد کو آگے بڑھانے کے لئے حق تعالیٰ سے بیٹے کی دعا مانگی.

دعا مانگنے کا ڈھنگ بھی انبیاء ہی کو آتا ہے ہر ایک کو مانگنے کا طریقہ نہیں انھیں کی جوتیوں کے طفیل ہمیں بھی مانگنا آگیا اور ہم دعا کر سکتے ہیں. اصل دعا کرنا کیا ہے عجیب وغریب انداز سے دعائیں کرتے ہیں عنوان ایسا اختیار کیا گویا قدرتی طور پر اس کا نتیجہ قبولیت کی صورت

میں ہی نکلے حضرت زکریا علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے دعا کی بیٹا مانگنے کی اور بیٹا مانگا تو اس عنوان سے مانگا۔

اس وقت کو یاد کرو اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا کہ جب زکریا علیہ السلام آہستہ آہستہ دل میں اپنے رب سے مراد مانگ رہے تھے۔ مانگنے کا ڈھنگ دیکھئے۔ سیدھا یہ نہیں کہا۔ اے اللہ مجھے بیٹا دیدے بلکہ اول اپنی حالت بیان کی قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَھَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا۔ اے میرے رب بڑھاپا اس قدر چھا گیا ہے کہ میری ہڈیاں سست پڑگئی ہیں۔ ان میں گودا خشک ہوگیا ہے روغن رہا نہیں سر بھی دھوپ کی طرح سفید ہو چکا۔ میری کیفیت یہ ہے کہ اندر قوت رہی نہیں اوپر بڑھاپا چھا گیا ہے۔

دوسرے لفظوں میں اولاد ہونے کی صلاحیت نہیں رہی کیونکہ اسباب ظاہری میں اولاد قوت و طاقت سے ہوتی ہے اور یہاں نہ اوپر جان باقی ہے نہ اندر ہی توانائی کا نشان ہے۔

ساتھ ہی رحمت کو جوش میں لانے کے لئے یہ بھی عرض کر دیا۔ وَلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا کہ محروم کبھی آپ نے کیا نہیں۔ آگے ایک جملہ اور رکھدیا کہ رشتہ داروں سے توقع نہیں کہ وہ میرے مقاصد کو پورا کریں اور میرے مشن کو آگے چلائیں۔

دنیا میں رشتہ دار ہوتے بھی کس کے ہیں کہ ان سے توقعات وابستہ کی جائیں۔ مرنے والے کے بعد رشتہ داروں کو صرف یہ فکر ہوتی ہے کہ اس نے ترکہ کیا چھوڑا، دولت کتنی باقی ہے، جائداد کس قدر ہے کہ وہ اس پر قبضہ کریں۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب کوئی جنازہ اٹھتا ہے تو ملائکہ اس کے آگے آگے پکار کر کہتے ہیں مَا قَدَّمَ فُلَانٌ مَا قَدَّمَ فُلَانٌ اس شخص نے کیا چیز آگے بھیجی کہ توشۂ آخرت ہو اور سامانِ نجات بنے۔ مگر وارث کہتے ہیں مَا اَخَّرَ فُلَانٌ مَا اَخَّرَ فُلَانٌ اس شخص نے پیچھے کیا چھوڑا ہے کہ اسے ہتھیا لینے کی فکر کریں اور حرص و ہوا سے پیٹ بھریں۔

مرنے والا ابھی قبر میں نہیں پہونچتا کہ جائداد کے اوپر لڑائی کے منصوبے بننے لگتے ہیں

جو رشتہ دار اس طرح ہمہ تن متوجہ ہو کر دولت کی طرف بڑھیں ان سے کیا توقع ہو سکتی ہے کہ وہ مقاصد کو آگے چلائیں گے۔ چنانچہ اسی لئے حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا اِنِّی خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ مجھے رشتہ داروں سے کوئی توقع نہیں۔ اور جہاں تک بیوی کا تعلق ہے وَکَانَتِ امْرَأَتِی عَاقِرًا وہ بھی بانجھ ہے بیٹا جننے کی اس میں صلاحیت نہیں۔

گویا اس طرح اسباب ظاہری کا تمام تر فقدان ظاہر کر کے بارگاہ رب العزت میں عرض مدعا ان الفاظ کیا۔ فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ۔ یا اللہ! مجھے ایک والی اور وارث اپنے خزانہ غیب سے عطا کر۔

وہ کیسا وارث ہو؛ یَرِثُنِیْ رَبِّ رَضِیًّا جو میرا وارث ہو اور آلِ یعقوب کی جگہ بیٹھے ۔ انبیاء کی وراثت دولت نہیں ہوتی، مال نہیں ہوتا۔ علم اور فضل ہوتا ہے، اخلاقی کمالات ہوتے ہیں۔ تو وہ آل یعقوب نے علم و اخلاق کا جو ترکہ چھوڑا تھا اس کو سنبھالے وہ وارث بنے نبوت کا ۔ اور لگے ہاتھوں یہ بھی عرض کر دیا کہ وہ پسندیدہ بھی ہو۔

جامعیتِ دعا کا اندازہ کیجئے کہ اولاد مانگی بھی تو کیسی مانگی کہ ہر طرح پسندیدہ ہو۔ اگر اولاد میرے کام نہ آئی یا دنیا کے کام کی نہ ہوئی اور یا اگر بے ڈھنگی ہوئی تو ایسی اولاد سے کیا فائدہ۔ اور پھر یہ سب کچھ بھی ہو لیکن آپ کے ہاں پسندیدہ نہ ہوئی تو پھر میں ایسی اولاد کو کیا کروں گا۔ اس لئے محض اولاد نہیں مانگتا بلکہ دعا کرتا ہوں کہ اس کو راضی، مرضی اور پسندیدہ بنا۔

یہ دعا اور اپنی حالت اس لئے پیش کر دی کہ اگر اپنی یہ حالت پیش کئے بغیر دعا فرماتے تو جواب آ سکتا تھا کہ آپ بوڑھے ہو گئے ہیں سنت اللہ کے خلاف ہے کہ اس حالت میں بیٹا دیا جائے۔ گو قدرت ہمیں ہے مگر عادت ہماری یہ ہے کہ اسباب و مسببات کے بغیر بیٹا نہیں دیا کرتے آپ کے اندر وہ طاقت نہیں۔ یا ممکن ہے یہ جواب دیدیا جاتا کہ آپ میں گو تھوڑی بہت طاقت موجود ہے لیکن بیوی بانجھ ہے اس میں کوئی صلاحیت نہیں اور عادت اللہ کے خلاف ہے کہ بانجھ کو بھی اولاد دی جائے۔ تو ایسی حالت میں درخواست

کرنا بھی بے معنی سی بات ہوتی۔ کوئی درخواست قانون کو تُڑوانے کے لئے نہیں کی جاتی بلکہ قانون کے اندر رہ کر رعایت ملا کرتی ہے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ دونوں میں صلاحیت ہوتی اور جواب آجاتا کہ رشتہ داروں میں سے کسی کو جانشین بنالینا آخر تمہیں کیا ضرورت ہے بیٹا مانگنے کی کوئی عزیز قریبی آپ کا کام چلا دے گا۔!

یہ ساری پیش بندیاں پہلے ہی کر دیں کہ نہ مجھ میں صلاحیت ہے نہ میری بیوی میں، نہ رشتہ داروں میں کوئی اس کا اہل ہے کہ وہ میرے مشن کی اشاعت کر سکے اور ساتھ ہی یہ کہ آپ نے محروم کبھی کیا نہیں آپ کے ہاں سے جو مانگا وہ لیکر گیا ہوں۔

یہ ساری باتیں ابتداء میں عرض کر کے بیٹا مانگنے کی درخواست کرنے کے معنی یہ ہوئے کہ میں اسباب سے بیٹا نہیں مانگتا مسبب الاسباب سے بیٹا مانگتا ہوں۔ آپ اسباب کے محتاج نہیں آپ تو وہ ہیں کہ جس نے آدمؑ کو پیدا کیا جب نہ مرد کا وجود تھا نہ عورت کا۔ آپ نے محض اپنی قدرت کاملہ سے آدمؑ کا ہیولیٰ تیار کر دیا۔۔ عیسیٰ علیہ السلام کو آپ نے بغیر باپ کے محض عورت سے پیدا کر دیا۔۔ آپ کی ذات تو وہ ہے کہ حضرت حوّا کو آدمؑ کی پسلی سے پیدا کر دیا۔ آپ نہ نر کے محتاج ہیں نہ مادہ کے اور نہ ان کے جمع ہونے کے۔ میں اسباب سے نہیں مانگتا بلکہ مسبب الاسباب سے مانگتا ہوں۔

اس ساری پیش بندی کا نتیجہ یہ نکلا کہ جواب بجائے اس کے کہ انکار میں آتا۔ یہ آیا۔۔ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨاسْمُهٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا۝

ترجمہ:۔ اے زکریا! تحقیق ہم خوشخبری دیتے ہیں تجھے ایک ایسے بچے کی جس کا نام یحییٰ ہوگا اور اس سے پہلے ہم نے یہ نام رکھا بھی کسی کا نہیں۔۔ حق تعالیٰ نے بیٹا بھی دیدیا اور نام بھی تجویز فرما دیا اور نام بھی نہایت اچھوتا اور نرالا جو آج تک کسی کا رکھا نہیں گیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے جب وعدہ لے لیا تو پھر خود ہی عرض کرنے لگے۔۔ اے میرے رب! بیٹا ہوگا کیسے! میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہونچ گیا ہوں۔

جواب آیا یوں ہی ہو جاتے گا۔ فکر نہ کرو ہم مسبب الاسباب ہیں۔ ہم قادر ہیں اس

بات پر جس طرح جی چاہے کریں۔

حاصل یہ نکلا کہ اپنے مقاصد اور وہ بھی جگری مقاصد، قلبی مقاصد، علم و فضل اور کمال اس کے لئے زیادہ تلاش آدمی کو اپنی اولاد کی ہوتی ہے کیونکہ وہ مزاج کے زیادہ مطابق ہوتی ہے۔

اس واسطے اگر حضرت مولانا احمد علی رحمتہ اللہ علیہ اس دنیا میں موجود نہیں ہیں تو ان کے فیوض و برکات چلانے کے لئے بھی ہمیں سب سے زیادہ توقع ان کی اولاد سے ہی باندھنی چاہیئے کہ وہ ان کے مقصد کو آگے لیکر چلیں، دین و دیانت، عمل اور فضل، تربیت خلق اللہ اس مقصد کو لے کر خود چلیں گے۔ اگر یہ مقصد پورا ہو رہا ہے اور ہو ہی رہا ہے تو اس میں اب غم کی بات نہیں۔ مولانا موجود نہیں تو ان کے فیوض و برکات تو موجود ہیں ان کا عمل موجود، ان کا کمال موجود۔ پس اب اگر غم ہے تو صرف اس بات کا ہے کہ ان کی ذات ہم میں نہیں ہے۔ ان کو دیکھ کر جو برکت حاصل کرتے تھے وہ چھن گئی ہے اب ہم صرف قبر پر یا مزار پر جا کر ہی تذکیر و تذکر کر سکتے ہیں اس کے سوا کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

یہ ہے ایک غم سو وہ بھی اپنا ہی غم ہے ان کا نہیں، اپنے فراق کا غم ہے، اپنی جدائی کا غم ہے۔ اس کی تلافی اور تدارک بھی ہو سکتا ہے کہ ہم اس راستے پر چلیں جس پر وہ چلتے تھے عمل پر، دین پر دیانت پر، اخلاق پر، نیکی، تقویٰ، طہارت جتنا ہم اس راہ پر چلیں گے ان کے قریب تر ہوتے جائیں گے، ان سے زیادہ نزدیک ہو جائیں گے۔

یہ الفاظ تعزیت میں دراصل ان کی وفات پر عرض نہیں کر رہا اپنا غم رو رہا ہوں، اپنا دکھ درد ظاہر کر رہا ہوں۔

یہ الفاظ کہنے تھے مجھے حضرت مولانا رح کی وفات کے بارے میں۔ نہ یہ ضابطے کا جلسہ ہے اور نہ یہ کوئی تقریر ہے اور نہ ہی کوئی موقع ہے کہ تقریر کی جائے۔ حضرت مولانا رح کے نام پر اعلان کیا گیا تھا تو ضروری تھا کہ ان کے بارے میں چند کلمات عرض کئے جائیں حق تعالیٰ شانہٗ انھیں اعلیٰ علیین میں بلند تر درجات اور ان کے طفیل سے ہماری نجات و مغفرت فرمائے۔ اور ان ہی کے ساتھ ہمیں ظاہر فرمائے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی ۔ یہ تینوں ہی شخصیتیں اپنے دائرے میں بے مثل تھیں، اپنے اپنے مقاصد اور مناصب کے لحاظ سے ان میں امتیازی خصوصیات تھیں۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگر ایک بے نظیر مفسر تھے جنہوں نے قرآن کے علوم کو دنیا میں پھیلایا اور اگر مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بے نظیر درویش اور صوفی تھے تو سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ بے نظیر خطیب تھے جنہوں نے تقریر اور خطابت کا ریکارڈ قائم کر دیا حقیقت یہ ہے کہ وہ اس حیثیت سے اسوقت دنیا میں بے مثل تھے۔ پھر وہ نہ صرف خطیب و لیکچرار ہی تھے بلکہ صاحب دل بھی تھے، صاحب معرفت بھی تھے، صاحب سلسلہ بھی تھے ان میں بہت سی خصوصیات تھیں۔ ایک زمانہ تھا کہ ان کا طوطی بولتا تھا۔ اور عطاء اللہ کا نام بھی سن لیا تو جوق درجوق لوگ اسطرح سے دوڑتے ہوئے آئے جیسے لوہا مقناطیس کی طرف دوڑتا ہے۔

میں خود کئی دفعہ ان کی تقریروں میں شریک ہوا بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ عشاء کی نماز پڑھ کر تقریر شروع کی تو صبح کی اذان ہو گئی نہ سننے والوں کو کوئی خبر کہ ہم کہاں ہیں اور نہ کہنے والے کو کوئی پتہ ۔ تو وہ اپنی خطابت میں بے مثل تھے، بے نظیر تھے اور ماہر۔ اور خطابت کا حاصل دعوت الی اللہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلانا۔

اپنے اپنے درجے اور اپنے اپنے دائرے میں یہ تینوں شخصیتیں بے مثل تھیں اور فی الواقع ان کا اٹھ جانا ہماری انتہائی محرومی ہے اور بدقسمتی۔

بہرحال یہ بھی سنت اللہ ہے۔ موت کے اندر جہاں پر دکھ ہوتا ہے کہ ہم اکابر سے جدا ہو گئے یا ہم سے ایک عظیم شخصیت چھن گئی وہاں ایک موقع خوشی کا یہ بھی ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ آنے والی نسلوں کو موقع دیتے ہیں کہ اب تم ترقی کرو اور اس راستے پر چلو اگر ساری عمر وہی بیٹھے رہا کرتے تو چھوٹوں کو آگے بڑھنے کا موقع نہ ملتا۔ حق تعالیٰ سب کے ساتھ عدل فرماتے ہیں ان کے دور میں انھیں موقع دیا کہ آگے بڑھیں اور ان کے بعد راستہ بنا دیا کہ ان کے نقش قدم پر چلیں۔ اگر بڑے نہ اٹھیں اور جگہ نہ چھوڑیں تو چھوٹوں

کو آگے بڑھنے کا موقع نہ ملے اُس لئے موت وحیات کا سلسلہ جاری ہے جانے والے جاتے ہیں باقی رہنے والے ان کی جگہ پر بیٹھتے ہیں ان کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

ہر کام کی نوعیتیں الگ الگ ہوتی ہیں اور ہر دور کا الگ ایک مزاج ہوتا ہے۔ ایک مزاج آج کا ہے آج کے دور کے لوگ موجودہ زمانے کے مزاج کو سمجھ سکیں کی تربیت کرتے ہیں۔ کل کو نظریات بدل جائیں گے اور یہ مزاج کام نہیں دے گا تو اس دور کے لئے دوسرے لوگ حق تعالیٰ اٹھادیں گے جو اس دور کے مزاج کو سمجھ کر اصلاحِ حال کریں گے۔ اسی لئے حق تعالیٰ ہر دور کے لوگوں کو اُٹھاتے چلے جاتے ہیں۔

بہر حال یہ تینوں ہی شخصیتیں اپنے اپنے دائرے میں یکتا تھیں۔ اور بھی چند اکابر علماء اور صوفیاء کا اس دور میں انتقال ہوا جو ہمارے لئے محرومی کا باعث ہے۔ نمایاں اس میں یہ تین ہی شخصیتیں تھیں تو ان تین کے لئے کلماتِ تعزیت عرض ہیں

تعزیت کوئی اعلان کی چیز تو ہے نہیں۔ تعزیت اپنے قلب کی چیز ہے مگر بہر حال پسماندگان کو تسلّی دی جاتی ہے۔ کوئی چھوٹا موٹا آدمی ہو تو اس کے گھر والوں کو تسلّی دی جاتی ہے بڑا آدمی ہوتا ہے تو ایک صوبہ اور ایک ملک اسکی روحانی اولاد ہوتی ہے اس لئے مجمع میں اسکی تعزیت کی جاتی ہے۔

دعا

حق تعالیٰ ان تینوں کو اعلیٰ علّیین میں بلند تر مقامات عنایت فرمائیں اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی سعادت نصیب کریں۔

منامی تقریر

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ اپنے وقت کے اکابر علماء اور مشائخ طریقت میں سے تھے۔ جن کی زندگی میں کئی کرامتیں ظہور پذیر ہوئیں، اور ہزاروں بندگان خدا کو توبہ اور رجوع الی اللہ کی دولت ہاتھ لگی۔ اور خصوصًا اہلِ ثروت اور اہل منصب و وجاہت حضرات کو حضرت کے دستِ حق پرست پر ہدایت کی راہ نصیب ہوئی، اسی قسم کی ایک بصیرت افروز تقریر حاجی وزیر سیٹھ پونا کے مکان پر عالم خواب میں حضرت نے فرمائی۔ جس کو لوگوں نے سن کر محفوظ کر لیا۔ پھر اس کو مرتب کر کے حاجی محمد حنیف صاحب کی صاحبزادی طاہرہ صاحبہ کی جانب سے شائع کیا گیا۔ جو افادہ عام کی خاطر پیش ہے،

فرمایا حضرت ابو سعید خدری رض نے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید یا بقر عید کی نماز کے لئے عید گاہ تشریف لے گئے۔ اور اس موقع پر عورتوں کی ایک جماعت کے پاس بھی تشریف لے گئے۔ جو نماز کے لئے عید گاہ آئی ہوئی تھیں اور ان کو معافی طلب کر کے ارشاد فرمایا

عورتوں کو صدقہ کا حکم

کہ اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ اور خیرات کیا کرو۔ اس لئے کہ میں نے تمہارا زیادہ حصہ دوزخ میں دیکھا ہے۔ یہ سن کر عورتوں نے کہا یا رسول اللہ اس کا سبب کیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ایک دوسرے پر لعن طعن بہت کرتی ہو۔ اور اپنے شوہروں کی نافرمانی و ناشکری کرتی رہتی ہو اور فرمایا کہ میں نے عقل و دین میں کمزور ہونے کے باوجود ہوشیار مرد کی عقل پر غالب آنے والا تم سے زیادہ کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ کا یہ ارشاد سن کر عورتوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہماری عقل اور دین میں کیا کمی ہے

عورتوں کے دو مرض اور علاج

آپ نے فرمایا کیا عورت کی گواہی آدھے مرد کی گواہی کے برابر نہیں ہے (یعنی دو عورتوں کی گواہی مل کر ایک مرد کی گواہی کے برابر ہوتی ہے) انہوں نے کہا جی ہاں ایسا ہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کی وجہ عورت کی عقل کی کمزوری ہے۔ اور کیا ایسا نہیں کہ جس وقت عورت ایام حیض میں ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزے رکھتی ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ دین میں نقصان

کی وجہ ہے۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں بھی مردوں کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے جایا کرتی تھیں اسی لئے عید یا بقر عید کی نماز کے لئے عید گاہ آئی ہوئی تھیں۔ اور عورتوں کے لئے حکم تھا کہ مردوں سے الگ ہوکر ایک گوشہ میں رہیں اس لئے وہ مردوں کے مجمع سے الگ ہوکر کنارہ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

نماز کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال آیا کہ شاید خطبہ کی آواز ان تک نہیں پہنچی۔ اور وہ اس سے محروم رہیں۔ اس خیال سے آپ عورتوں کے مجمع میں تشریف لے گئے اور وعظ و نصیحت فرمائی اور عورتوں کے اندر جو باطنی امراض پائے جاتے ہیں ان میں سے دو مخصوص مرض ذکر فرمائے ایک تو یہ کہ وہ لعن طعن زیادہ کرتی ہیں۔ جہاں کہیں چند عورتیں جمع ہوجاتی ہیں تو ان کا کام بس یہی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کی غیبت کریں ذرا ذرا سی بات پر ایک دوسرے پر لعن طعن کریں۔

ایسے ہی ان میں ایک دوسرا مرض یہ ہے کہ ان کا شوہر ان کی آسائش اور راحت و آرام کے لئے کتنے ہی انتظامات کر دے اور اس کے لئے چاہے جس قدر پاپڑ بیلے مگر ان اللہ کی بندیوں سے کبھی بھی شکر ادا نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ ناشکری کیا کرتی ہیں۔

مذکورہ بالا دونوں مرض کی اصل تکبر ہے جب انسان میں تکبر آتا ہے خود بینی پیدا ہوتی ہے تو پھر وہ دوسرے کو گھٹیا سمجھتا ہے۔ اسے حقیر نظروں سے دیکھتا ہے، اور تکبر دو ہی چیزوں پر ہوتا ہے۔ علم پر یا مال پر اور حقیقت میں ان میں سے کوئی بھی ایسی چیز نہیں کہ اس پر تکبر کیا جائے شیخی بگھاری جائے اس لئے کہ تکبر اس چیز پر کیا جاتا ہے جو ذاتی ہوتی ہے۔ علم کا حال تو یہ ہے کہ علم حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات سے آیا ہے ابتداءً آدم علیہ السلام کو دیا گیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا اور پھر آدم علیہ السلام کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام

کو ملا اور انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے عامۃ المؤمنین کو۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم انسان کا ذاتی کمال نہیں اور جو چیز ذاتی نہیں ہوتی اس پر فخر نہیں کیا جاتا شیخی نہیں بگھاری جاتی۔ ایسا ہی حال مال کا بھی ہے۔ انسان جب دنیا میں آیا تھا خالی آیا تھا۔ اور جب دنیا سے جائے گا خالی ہاتھ جائے گا۔ اگر مال انسان کا ذاتی چیز ہوتی تو وہ اس کی ابتداء پیدائش سے اس کے ساتھ ہوتی، اور دنیا سے جاتے وقت بھی وہ اس کے ساتھ جاتا۔ معلوم ہوا کہ مال بھی انسان کا ذاتی سرمایہ نہیں وہ اس دنیا کی مختصر سی زندگی گذارنے کے لئے اس کے حوالے کر دیا گیا ہے اور جو چیز اپنی ذاتی نہیں ہوتی اس پر تکبر کرنا حماقت ہے۔ اور اس سے دل لگانا اور محبت رکھنا اس سے بھی بڑی حماقت ہے۔

عورت کی دینی کمزوری

اور اس سے دل لگانا، اور محبت رکھنا بہت زیادہ ہے۔ اور وہ اسے جان سے زیادہ عزیز رکھتی ہیں۔ اسی محبتِ مال سے تکبر پیدا ہوتا ہے۔ جو ایک دوسرے پر لعن طعن اور شوہروں کی ناشکری کا ذریعہ بنتا ہے۔ اسی لئے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان کے عیوب کو کم تر درجے کا مت سمجھو بلکہ یہ اتنے بڑے ہیں کہ ان کی وجہ سے تم پر خدا کا عذاب ہوگا اور تم قہر خداوندی میں گرفتار ہو کر جہنم میں جاؤ گی اور میں نے عذاب جہنم میں تمہاری تعداد زیادہ دیکھی ہے۔ اور ساتھ ہی آپؐ نے اس کا علاج بھی بیان کر دیا کہ زیادہ سے زیادہ صدقہ وخیرات کرتی رہا کرو! صدقہ کی کثرت سے مال کی محبت کم ہوگی اور اس کی وجہ سے تکبر کا جو مرض پیدا ہوتا ہے۔ وہ بھی ختم ہوگا، اور جہنم سے حفاظت ہوگی، عورتوں کو چاہیئے کہ ان

عیوب وروگ سے اپنی حفاظت کے لئے اللہ تعالیٰ سے نمازوں کے بعد دعا کریں۔
اور اس کے علاج کی فکر کریں، اور علاج یہی ہو سکتا ہے۔ کسی شیخ کامل کے ہاتھ
میں ہاتھ دے دیں ربیعت اصلاح کرے، اور توبہ کر کے اپنا عمل ٹھیک کرے۔ اس کی
دعا، وتوجہ اور اس کے بتائے ہوئے اعمال سے یہ روگ دور ہو سکتا ہے اور ساتھ
ہی زیادہ صدقہ وخیرات کرتی رہا کریں۔

اللہ تعالیٰ عمل خیر کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

مجموعۂ تالیفاتِ اشرفیہ

اصلاحی نصاب

(اضافہ شدہ ایڈیشن)

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

- حیات المسلمین
- جزاء الاعمال
- حقوق الاسلام
- تعلیم الدین
- حقوق الوالدین
- فروع الایمان
- آداب المعاشرت
- قصد السبیل
- اغلاط العوام
- زاد السعید (فضائل درود شریف)

ادارہ تالیفات اشرفیہ
بیرون بوہڑ گیٹ ملتان